اسلام کی مظلوم شخصیات

جلد اول

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و صدر مفتی، بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ و مجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی و حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبہ حبیب الامت

جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڑھ، یوپی انڈیا

اسلام کی مظلوم شخصیات

جلد اول

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبہ حبیب الامت

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا

نام کتاب: اسلام کی مظلوم شخصیات (جلداول)

تالیف: حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صفحات: 458

تعداد اشاعت: 1100

قیمت: 450

سن شاعت: 1447ھ، مطابق 2025ء

ناشر: مکتبہ حبیب الامت، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کا پتہ

مکتبہ حبیب الامت

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی

رابطہ نمبر: 7054136788, 9450546400 91+

بسم الله الرحمن الرحيم

مکمل ومدلل
حبیب الفتاوی
جدید ترتیب تعلیق وتخریج
جلد: 1 تا 15
کتاب الطہارۃ کتاب الصلوٰۃ
ناشر: مکتبہ حبیبیہ دیوبند یوپی

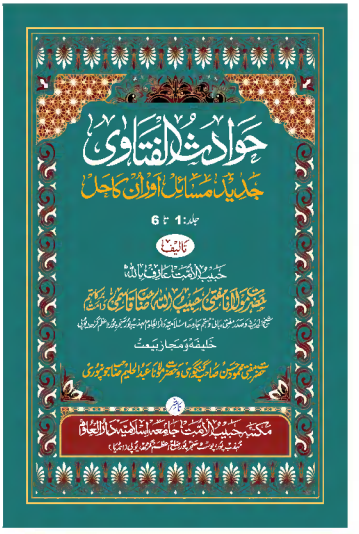
حوادث الفتاوی
جدید مسائل اور ان کا حل
جلد: 1 تا 6
تالیف
خلیفہ ومجازبیعت
ترجمہ
مکتبہ حبیب الامت جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

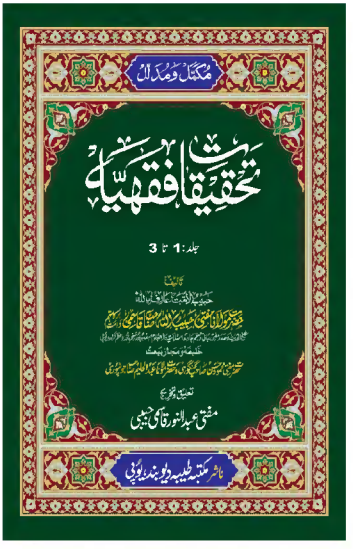
مکمل ومدلل
تحقیقات فقہیہ
جلد: 1 تا 3
تالیف
خلیفہ ومجازبیعت
تعلیق وتخریج
مفتی عبدالنور قاسمی حبیبی
ناشر: مکتبہ حبیبیہ دیوبند یوپی

اصول فقہیہ
جلد: 1 تا 4
تالیف
خلیفہ ومجازبیعت
مکتبہ حبیب الامت جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

فہرست

پیش لفظ		15
-1	امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مظالم کی داستان	21
-2	تذکرہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	23
-3	حضرت خباب ابن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ	25
-4	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	26
-5	حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	28
-6	حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	30
-7	حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	33
-8	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	35
-9	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ	39
-10	حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ	44
-11	حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	48
-12	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	51

-13	حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	55
-14	حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	58
-15	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ	62
-16	حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	67
-17	حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ	70
-18	حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ	74
-19	حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	78
-20	حضرت ابولبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	80
-21	تذکرہ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا	81
-22	تذکرہ حضرت ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا	86
-23	ہجرت کے بعد مسلمانوں کے لئے مشکلات	90
-24	حضرت عثمان کی شہادت اور ایک نئے دور کا اغاز	94
-25	بنوامیہ کا تعارف اور اس کے افکار وخیالات	95
-26	گروہ نمبر دو شیعان علی منظر وپس منظر	98
-27	گروہ نمبر تین خوارج اور ان کے عقائد	101
-28	انداز ظلم وستم	103
-29	50 ہزار علماء واولیاء کا قتل ناحق	104

-30	حضرت عمر بن عبدالعزیز کی آمد	106
-31	مسلمانوں میں سب سے پہلے سولی پر چڑھنے والے خبیب بن عدی تھے	108
-32	تذکرہ حضرت عبداللہ بن طارق	112
-33	تذکرہ حضرت خالد بن بکر	114
-34	تذکرہ حضرت عاصم بن عدی	115
-35	تذکرہ حضرت زید بن دثنہ	117
-36	تذکرہ حضرت مرثد بن مرثد غنوی	119
-37	تذکرہ حضرت عکاشہ بن محصن	120
-38	غزوۂ بدر	121
-39	سنہ 3 ہجری کا اہم واقعہ	123
-40	واقعۂ رجیع	126
-41	غزوۂ خندق اور اس کے محرکات	129
-42	تذکرہ حضرت سعد بن معاذ	131
-43	تذکرہ حضرت انس بن اوس	132
-44	تذکرہ حضرت عبداللہ بن سہل	134
-45	تذکرہ سہل بن غنمہ	135

-46	تذکرہ حضرت خراش بن سمحاء	136
-47	تذکرہ حضرت سعد بن زید	137
-48	سن 5ھ اور غزوہ بنی قریظہ	139
-49	سن 5ھ اور واقعۂ افک	141
-50	غزوۂ بنو مصطلق	143
-51	واقعۂ صلح حدیبیہ	146
-52	واقعہ عمرۃ القضاء	149
-53	جنگ وادی القریٰ سنہ 7 ہجری	150
-54	تذکرہ حضرت حارث بن عمارہ	152
-55	تذکرہ حضرت جابر بن سراقہ	153
-56	تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیر	154
-57	سن 7ھ اور واقعۂ خیبر	155
-58	تذکرہ حضرت محمود بن مسلمہ	159
-59	تذکرہ حضرت عامر بن اکوع	160
-60	تذکرہ حضرت حارث بن حطان	161
-61	تذکرہ حضرت ابودرہ	162
-62	تذکرہ حضرت نافع بن بدیل	163

-63	تذکرہ حضرت سلمہ بن اسلم	165
-64	تذکرہ حضرت کلثوم بن الحصین	166
-65	تذکرہ حضرت ثابت بن اقرم	168
-66	تذکرہ حضرت ابان بن سعید	169
-67	سنہ 7ھ کے اہم واقعات	170
-68	غزوۂ مؤتہ	172
-69	تذکرۂ شہداء غزوۂ مؤتہ	174
-70	فتح مکہ عدل ونصرت کا مظلوموں کے حق میں آسمانی فیصلہ	175
-71	قریش کے اسلام لانے والے سردار	185
-72	حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ	190
-73	حضرت فاطمہ بنت اسدؓ: مادرِ رسالت کی مظلومیت اور مقامِ قربت نبوی	195
-74	جنگِ حُنین ومحاصرۂ طائف	199
-75	شہداء طائف	204
-76	حضرت مالک بن عوف النضری اور قبیصہ بن مخارق	209
-77	واقعہ مؤتہ	214
-78	سنہ 9 ہجری کے اہم واقعات اور مظلومین کی داستان	219

-79	تبوک کے مظلوم مجاہدین	219
-80	خلوص کی آزمائش اور سماجی تنہائی	224
-81	صدقات میں خلوص، اور منافقین کی تنقید	228
-82	قبائلی دباؤ اور خاندانی جبر	231
-83	عام الوفود	235
-84	سنہ 9ھ کے مظلومین کا پیغام	239
-85	اسلامی سنہ 10ھ کے اہم واقعات اور مظلوم شخصیات	242
-86	قبائلِ حضرموت وکندہ	246
-87	مسیلمہ کذاب کا دعویٰ نبوت اور یمامہ میں اہلِ ایمان پر ظلم کی خونچکاں تاریخ	250
-88	قبائلی جبر کے مقابل حضرت عدی بن حاتمؓ کا انفرادی جہاد	254
-89	اسلامی عدل ورواداری کے سائے میں اہلِ کتاب کی مذہبی آزادی	258
-90	ایمان کی قیمت	262
-91	منافقین کا زہر اور کمزور اہلِ ایمان کی مظلومیت	266
-92	خطبۂ وداع میں مظلوموں کی حمایت	270
-93	سنہ 10ھ کے مظلومین کی قربانی اسلام کی ابدی روشنی کے چراغ	275
-94	اسلامی سنہ ۱۱ ہجری کے مظلومین	279

95-	سقیفہ بنی ساعدہ کا ہنگامی فیصلہ	283
96-	جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ اور مؤمنین پر ظلم	287
97-	زکوٰۃ سے انکار کا فتنہ	291
98-	حضرت مالک بن نویرہؓ	294
99-	اختتامیہ	298
100-	سنہ 12 ہجری کے اہم واقعات	302
101-	معرکہ یمامہ کے بعد حفاظ وقراء کی شہادت قرآن کی حفاظت کا نقطۂ آغاز	302
102-	معرکہ اجنادین اور مظلوم مجاہدین کی قربانیاں	306
103-	فارس میں قبیلہ بنی تغلب کے نومسلموں پر ظلم	309
104-	یرموک کی تمہید بیعتِ موت اور مردانِ وفا کی مظلومیت	313
105-	عراق کی فتوحات میں نومسلم قبائل پر داخلی سختیاں	316
106-	اختتامیہ	319
107-	سنہ 13 ہجری کے اہم واقعات اور مظلومین کی داستانیں	322
108-	جنگِ کسکر	326
109-	فتحِ حیرہ: ایک علمی مرکز کی تسخیر اور عدلِ فاروقی کا مظہر	331
110-	جنگِ عین التمر	335

111-	خلافتِ فاروقی کا آغاز	339
112-	یومُ العطش	344
113-	حضرت مثنّٰی بن حارثہؓ کا دفاعی تقرر	348
114-	اہلِ فارس کے مجبور عوام	353
115-	سنہ 13 ہجری	357
116-	حضرت سعد بن عبید ثقفیؓ میدانِ بویب کا مظلوم شہسوار	362
117-	حضرت سعد بن عبید ثقفیؓ ایک تعارف	363
118-	معرکہ انبار اور محصور مجاہدین پانی کی بندش کا ظلم	366
119-	پانی کی بندش ظلم کی ایک نئی شکل	367
120-	معرکہ حُصَید و حُنَیس قیدیوں پر ظلم اور نومسلموں کی مظلومیت	370
121-	ظلم کا غیر عسکری پہلو: نومسلم قبائل پر حملہ	371
122-	عمیر بن الجراحؓ شہداء شام میں ایک مظلوم چہرہ	374
123-	شہادت اور مثلہ: جب دشمن نے انسانیت روند دی	375
124-	ساسانی حکومت کا عرب نومسلموں پر ظلم	378
125-	حضرت عمر فاروقؓ کا ردعمل: ریاستی حمایت اور دلی درد	380
126-	رجب 15ھ معرکہ یرموک اہلِ شام کی مظلومیت اور صلیبی انتقام	382
127-	ذوالحجہ 14ھ معرکہ قادسیہ سفیروں کی توہین اور عدالتی اصولوں کی پامالی	385

128-	معرکہ جلولا: اسیرانِ جنگ پر تشدد اور ریاستی انتقام کا المیہ	389
129-	معرکہ مرج الروم: رومی انتقام اور دیہاتی نومسلموں کا المیہ	392
130-	شوال 16 ہجری	396
131-	رجب وشعبان 16 ہجری	401
132-	محرم، صفر 17 ہجری	404
133-	صفر ربیع الاول 17 ہجری	408
134-	مسجد نبوی کی دوسری تعمیر اور مظلوم محنت کش	411
135-	فروخ الفارسی: مظلوم سے خادمِ حرم تک	413
136-	بصرہ میں فتنے کی سازش اور نومسلموں کی بے گناہ گرفتاری	414
137-	اہلِ شام پر قحط اور بنو تغلب کی سرد مہری	417
138-	عام الرمادہ: سنہ 18 ہجری کا قحط اور مظلوم عرب قبائل	421
139-	قحط کے باعث غلاموں، عورتوں اور بچوں کا فروخت ہونا	425
140-	طاعونِ عمواس: شہداء صحابہؓ کی مظلومانہ قربانی کا باب	428
141-	یتامیٰ، بیوائیں اور ضعیف: طاعونِ عمواس کے بعد انسانی المیہ	431
142-	حضرت ابوعبیدہؓ و معاذؓ کی وفات ملت اسلامیہ کی محرومی	435
143-	حضرت معاذ بن جبلؓ: علم و ہدایت کا مینار	436
144-	ایک عظیم محرومی	437

145-	اصطخر کی بغاوت اور مظلوم نومسلموں کا قتل عام	438
146-	آذربائیجان میں اسلامی وفد پر حملہ اور قیدیوں کی بے حرمتی	442
147-	مظلوموں کی بازیابی اور عدالتی کاروائی	443
148-	قبطی مزدوروں کا استحصال اور حضرت عمرؓ کا عدل	445
149-	حضرت عمرو بن العاصؓ کا اقدام: مقصرین پر جرمانہ	446
150-	محرم صفر سنہ 20 ہجری	448
151-	حضرت عمرو بن العاصؓ اور عدل فاروقیؓ کی پناہ	450
152-	ربیع الاول، ربیع الثانی سنہ 20 ہجری	451
152-	اسلامی سنہ 20 ہجری: فتوحات کی وسعت میں عدل و مظلومیت کا توازن	455

☆☆☆

ابتدائیہ

الحمد للّٰہ الّذی أرسل رسولَہ بالھُدیٰ ودینِ الحق لِیُظْھِرَہُ علی الدِّینِ کُلِّہ، ولو کَرِہَ الکافرون،وأشھد أن لا إلہ إلا اللہ وحدہ لاشریک لہ، وأشھد أنّ محمدًا عبدُہ ورسولُہ، سیّدُ الأوّلینَ والآخرین، وإمامُ المتّقین، وأشرفُ المظلومین، المبعوثُ رحمۃً للعالمین، صلواتُ ربِّی وسلامُہ علیہ، وعلی آلہ الطاھرین، وصحابتِہ الغُرِّ المیامین، الذین باعوا أنفسھم للہ، فاشتراھا منھم بالجنّۃ، فرضوا عنہ ورضی عنھم ۔"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ" (آل عمران:169)،(جولوگ اللہ کی راہ میں قتل کردیے گئے ، ہرگز انھیں مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔درود وسلام ہوامام الانبیاء،سید المظلومین،شفیع المجرمین،رحمۃٌ للعالمین، سیدنا محمد ﷺ پر، جن کی بعثت کا مقصد ہی ظلم کا خاتمہ، عدل و انصاف کا قیام اور انسانیت کوقیدِ جبر واستبداد سے نجات دلانا تھا۔اور رحمت ودردمندی کے وہ فرستادگان صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے ظلم کی تیز دھار تلواروں کے سائے تلے بھی ایمان کا پرچم سرنگوں نہ ہونے دیا)۔

موضوع کا پس منظر

تاریخِ انسانی کے صفحات خونِ مظلوم سے رنگین ہیں۔ طاقت کے نشے میں چور ظالموں نے ہمیشہ حق کو دبانے، اہلِ ایمان کو مٹانے اور کلمۂ توحید کی صدا کو خاموش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ تاریخ کا ناقابلِ انکار قانون ہے کہ سچائی کی جڑیں جتنی کاٹی جاتی ہیں، اتنی ہی گہری پیوست ہو جاتی ہیں۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ خصوصاً عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے ابتدائی سال، ایسے واقعات سے لبریز ہیں جہاں ظلم و جبر کی انتہا کے باوجود ایمان کے چراغ روشن رہے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا دہکتے انگاروں پر احد، احد پکارنا، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا نیزہ ظالم کی چھاتی میں سہنا، حضرت خباب بن الارتؓ کا دہکتے کوئلوں پر لٹایا جانا یہ سب تاریخِ ایمان کی وہ روشن قندیلیں ہیں جن کی روشنی قیامت تک اہلِ حق کا حوصلہ بڑھاتی رہے گی۔

تاریخِ انسانیت کے اوراق میں دو رنگ ہمیشہ نمایاں رہے، ایک ظلم کا سیاہ اور ایک صبر کا سنہری۔ ظالموں نے کبھی فرعون کے تخت سے، کبھی ابوجہل کے دربار سے، کبھی قیصر و کسریٰ کے ایوان سے عدل کو روندنے کی کوشش کی؛ مگر ہر دور میں اہلِ حق نے اپنے خون سے شہادت کا چراغ جلایا اور انسانیت کو دکھا دیا کہ:

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یہ کتاب اسلام کی مظلوم شخصیات دراصل ان ہی چراغوں کی روشنی ہے، وہ روشنی جو دہکتے کوئلوں پر حضرت خبابؓ کے صبر سے پھوٹی، وہ روشنی جو حضرت بلالؓ کے اُحد، اُحد سے گونجی، وہ روشنی جو حضرت سمیہؓ کے نیزے سہنے سے چمکی، وہ روشنی جو طائف کی گلیوں میں پتھروں کے باوجود رحمتِ عالم ﷺ کی دعاء سے پھیلی، وہ روشنی جو یمامہ، قادسیہ اور طاعونِ عمواس کے میدانوں میں شہداء کے خون سے دائمی بن گئی۔

قرآنی پس منظر

قرآن نے مظلومین کی عظمت کو یوں نقش کیا: "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفِ وَالْجُوعِ وَنَقصٍ مِّنَ الأَموالِ وَالأَنفُسِ وَالثَّمَراتِ وَبَشِّرِ الصّابِرِينَ" (البقرۃ:155)، اور فرمایا: "إِنَّ الَّذِينَ أُوذُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ صَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعدِهِ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ" (النحل:110)۔

اہمیت ومقصد

یہ کتاب محض تاریخ کا بیان نہیں، یہ ایمان کی قیمت کا تذکرہ ہے، یہ ان دلیر روحوں کی یادگار ہے جنہوں نے اذانِ حق کے لیے قبیلوں کی سرد مہری، دشمن کی تلوار، قحط کی سختی اور تنہائی کی اذیت برداشت کی مگر جھکے نہیں۔ شاعری وحکمت جیسا کہ حکیم سنائی نے کہا:

چو با حق باشی چو دریا باشی
ز طوفاں نترسی کہ دریا باشی

اوراقبال نے اس جذبے کو یوں بیان کیا:

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کتاب کا مقصد واہمیت

یہ کتاب اسلام کی مظلوم شخصیات محض تاریخ کے ورق پلٹنے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایمان ویقین کی قیمت کو سمجھنے کا سفر ہے۔اس میں میں نے امام الانبیا ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مظلومیت سے بھرپور لمحات سے لے کر خلافتِ فاروقی کے سنہ 20ھ تک پیش آنے والے ان تمام واقعات کا ذکر کیا ہے جہاں اہلِ ایمان نے جبر وتشدد، قحط وفاقہ، اسیری وقتل، اور سماجی بائیکاٹ کے کڑے امتحانات کا سامنا کیا۔ یہ صفحات بتاتے ہیں کہ: ظلم چاہے مکہ کے ابوجہل کا ہو یا روم وفارس کے تاجروں کا، آزمائش چاہے طائف کی گلیوں میں پتھروں کی ہو یا میدانِ یمامہ کی تلواروں کی، مظلومیت چاہے ایک غلام کی ہو یا ایک سردار کی ایمان کا راستہ ایک ہی ہے: صبر، عزم، اور حق پر استقامت۔

کتاب کی خصوصیات

1-جامعیت: ہر واقعہ تاریخی وروایتی ماخذ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، تاکہ قاری کو مکمل اعتماد حاصل ہو۔

2-تسلسل: مظلومیت کی داستان کو عہد بہ عہد اور واقعہ بہ واقعہ ترتیب دیا گیا

ہے، تاکہ قاری کو واقعات کا ربط سمجھ میں آئے۔

3-عبرت ونصیحت: ہر واقعہ کے بعد اس کا پیغام، اسباق اور آج کے حالات میں اس کی معنویت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

4-ادبی وخطیبانہ اسلوب: تاکہ تاریخ محض واقعات کا مجموعہ نہ رہے بلکہ قلوب پر اثر ڈالے، آنکھوں کو نم کرے اور ایمان کو تازگی بخشے۔

آخری کلمات

یہ کتاب ہر اس مسلمان کے لیے ہے جو ایمان کے راستے میں پیش آنے والی قربانیوں کو یاد رکھنا چاہتا ہے، جو یہ سمجھنا چاہتا ہے کہ دین کی حفاظت محض الفاظ کا کھیل نہیں بلکہ خون، آنسو اور صبر کی قیمت مانگتی ہے۔ دعا ہے کہ یہ سطور مظلومینِ اسلام کے حق میں صدقۂ جاریہ بنیں، اور پڑھنے والے کے دل میں وہ حرارت پیدا کریں جو ظلم کے سامنے جھکنے نہیں دیتی۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ أجمعین

حررہ

مفتی حبیب اللہ قاسمی

خادم الحدیث والافتاء مؤسس ورئیس

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی انڈیا

تاریخ: 17/ربیع الاول 1447ھ، مطابق: 12/اگست 2025، یوم: الثلثاء (سہ شنبہ)

برکاتِ قرآن
جلد: 1 تا 2
تالیف
حبیب الامت عارف باللہ
حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
خلیفہ و مجاز بیعت
حضرت مولانا محمد حسین صاحب گنگوہی و حضرت مولانا عبد العلیم صاحب جونپوری
مکتبہ حبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

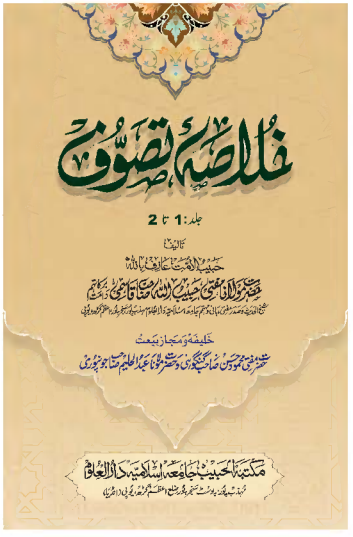
خلاصۂ تصوف
جلد: 1 تا 2
تالیف
حبیب الامت عارف باللہ
حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
خلیفہ و مجاز بیعت
حضرت مولانا محمد حسین صاحب گنگوہی و حضرت مولانا عبد العلیم صاحب جونپوری
مکتبہ حبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

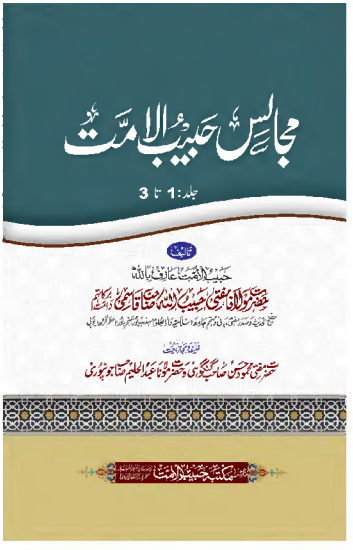
مجالسِ حبیب الامت
جلد: 1 تا 3
تالیف
حبیب الامت عارف باللہ
حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
خلیفہ و مجاز بیعت
حضرت مولانا محمد حسین صاحب گنگوہی و حضرت مولانا عبد العلیم صاحب جونپوری
مکتبہ حبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

التوضیح المرموزی
شرح
القدوری
جلد: 1 تا 5
تالیف
حبیب الامت عارف باللہ
حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
خلیفہ و مجاز بیعت
حضرت مولانا محمد حسین صاحب گنگوہی و حضرت مولانا عبد العلیم صاحب جونپوری
مکتبہ حبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مظالم کی داستان

تمام ادیان میں اسلام سب سے مظلوم مذہب رہا ہے، یوں تو ہر نبی کو ان کی قوم نے ستایا اور ظلم کیا، لیکن اسلام کے قائد حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنا اپنوں اور غیروں نے ستایا اور ظلم کیا اتنا کسی نبی کو نہیں ستایا گیا، چنانچہ آپ نے خود فرمایا: "**لقد أخفت في اللّٰه ما يخاف احد، و لقد اوذيت في اللّٰه ما يوذى احد**" (راوی انس بن مالک، اخرجہ الترمذی، حدیث نمبر 2472)۔ کہ جتنا دعوت حق اور اللہ کے راستہ کی دعوت میں مجھ کو اذیت پہونچائی گئی اور دہشت زدہ کیا گیا اتنا زیادہ مجھ سے قبل کے انبیاء میں سے کسی کو اتنی اذیت اور تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔ مشرکین عرب نے کوئی کسر نہیں چھوڑی، آپ کو دعوت الی اللہ سے روکنے کے لئے ہر قسم کی تکلیف رسانی کو روا سمجھا، مارنا، پیٹنا، گردن میں رسی اور چادر کا پھندہ ڈال کر گھسیٹنا، بازاری اوباشوں کو اکسا کر پیچھے لگا دینا، ریت پر لٹا دینا، سینہ پر گرم وزنی پتھر رکھ دینا، چٹائی میں لپیٹ کر نیچے دھواں دینا، جسم اطہر پر گندگی پھینک دینا، ترک دین پر مجبور کرنا، ترکہ و جائداد سے محروم کر دینا، گھر سے نکال دینا، برادری سے باہر کر دینا، کھانا پانی بند کر دینا، نماز سے روکنا، حالت نماز میں بدن پر گندگی ڈال دینا، سیٹی بجانا، نماز کا مذاق اڑانا، گالم گلوج اور نازیبا جملے کہنا، استہزا مذاق اڑانا، راستوں میں کانٹے بچھانا، نماز کی

حالت میں اونٹ کی اوجھڑی غلاظت کے ساتھ آپ پر ڈالنا، شعب ابوطالب کی محصوری، دارارقم کی روپوشی، دارالندوہ میں کفار کا جمع ہونا، آپ کو قتل کرنے کے لئے گھر کا محاصرہ کرنا۔ الغرض بے شمار اور نا قابلِ برداشت مظالم سے آپ کو گزرنا پڑا، اور ان سب حرکتوں میں اغیار تو تھے ہی اپنوں نے بھی کلیدی کردار ادا کیا، چنانچہ ابوجہل، اور ابولہب اس گروہ کے روح رواں تھا، قیادت یہی دونوں خبیث کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اسود ابن عبد یغوث، حارث ابن قیس، ولیدہ ابن مغیرہ، امیہ ابن خلف، ابی ابن خلف، عاص ابن وائل، نضر بن حارث، منبہ ابن حجاج، زہیر ابن ابی امیہ، سائب ابن صیفی، اسود ابن عبد الاسد، عاص ابن سعید، عقبہ ابن ابومعیط، عتبہ ابن ابولہب، یہ سب خبیث مدار المہام اور ظالموں کے گروپ کے ممبر تھے۔ ابوجہل، ابولہب، عقبہ، عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، یہ لوگ خصوصیت کے ساتھ موقع کے متلاشی رہتے تھے اور موقع پاتے ظلم سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ ان حالات میں سب سے پہلے اگر کسی نے امام الانبیاء کا ساتھ دیا تو وہ حضرت خدیجۃ الکبری، حضرت ابو طالب اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، کوہ صفاء سے جب ہادیٔ عالم نے اسلام کا اعلان کیا اس کے بعد سے قریش کے بدن میں آگ لگ گئی اور ہر قسم کی اذیت اور ظلم پر اتارو ہوگئے۔ ان حالات سے شکستہ دل ہوکر ابو طالب نے ایک فیصلہ لیا اور اپنے بھتیجے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر شعب ابی طالب یعنی پہاڑ کے ایک گوفہ میں روپوش ہوگئے اور تین سال کی طویل مدت اس اسیری میں گزاری خورد ونوش کے

فقدان کی وجہ سوکھے پتے اور چمڑا کھا کر یہ طویل زمانہ گزارا۔

ایک بار کا واقعہ ہے کفار مکہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مار رہے تھے، حضرت ابوبکر کو خبر لگی وہ گھر سے بھاگے ہوئے آئے اور آپ کو بچانے کی کوشش کی، بس یہ سارے خبیث حضرت ابوبکر کو مارنے لگے اور اس قدر مارا کہ بیہوش ہو گئے۔ سنہ 10 نبوی میں جب ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا تو کفار مکہ کا حوصلہ اور بلند ہو گیا اور ظلم وستم کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ الغرض اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مظلوموں کا امام کہا جائے تو اس سے کوئی انکار نہیں کرے گا اور آپ کے متبعین میں حضرت بلال حبشی کے ہاتھ میں یہ جھنڈا نظر آتا ہے۔

تذکرہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سرخیل مظلوماں کی فہرست میں دوسرا نام حضرت بلال حبشی کا آتا ہے۔ حضرت بلال کا نام بلال بن رباح ہے 581ء میں ان کی پیدائش ہوئی والدہ کا نام حمامہ ہے کنیت ابوعبداللہ ہے، یہ اسلام دشمن امیہ ابن خلف کے غلام تھے، کمزور ہمیشہ ظلم وستم کا شکار ہوتا ہے، حضرت بلال حبشی اپنی غربت کی وجہ سے اور زیادہ جور وستم کے شکار ہوئے، اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے گوناگوں اور طرح طرح کے مظالم سے ان کی استقامت اور استقلال کی آزمائش ہوتی۔

امیہ بن خلف ان کو تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دھکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیتا، مشرکین کے لڑکوں سے گلے میں رسی بندھوا کر سڑکوں پر گھسیٹنا، کبھی سینہ پر پتھر رکھ دیا جانا۔ ابوجہل ان کو منھ کے بل لٹا کر اوپر پتھر کی چکی رکھ دیتا اور سورج کی گرمی سے بلال بے قرار ہو جاتے، ابوجہل کہتا اب بھی محمد کے خدا سے باز آ جا۔ اس حال میں بھی بلال کی زبان سے احد احد کی آواز بلند ہوتی۔ امیہ بن خلف کبھی گائے کی کھال میں لپیٹ دیتا۔ کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھا دیتا اور کہتا تمہارا خدا لات وعزی ہے، تب بھی اپنی زبان سے احد احد کی آواز لگاتے۔ حضرت بلال ایک روز حسب معمول وادیٔ بطحاء میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے، اچانک حضرت ابوبکر کا گزر ادھر سے ہوا تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا، اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر امیہ بن خلف سے آزاد کرالیا، جب حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو بے پناہ خوش ہوئے۔ اس کے بعد وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہونچ گئے، مدینہ طیبہ پہونچ کر سفر وحضر کے آپ کے مؤذن بنائے گئے۔ آپ کی عدم موجودگی میں حضرت ابومحذورہ اور عمرو ابن مکتوم آپ کی نیابت کرتے۔

حضرت بلال تمام غزوات میں شریک رہے، غزوۂ بدر میں اپنے سابق آقا امیہ بن خلف کو انہوں نے ہی جہنم رسید کر دیا، فتح مکہ کے موقع پر امام الانبیاء نے آپ ہی کو اذان کا حکم دیا، آپ کا لہجہ جادو کی طرح سامعین کے دل پر اثر کرتا تھا۔

امام الانبیاء کے وصال کے بعد جہاد میں جانے کی اجازت لی، مگر حضرت

ابوبکر نے اجازت نہیں دی۔ حضرت عمر سے اجازت لینے میں کامیاب ہو گئے اور شام میں سکونت اختیار کر لی۔ 20ھ میں دنیا کو خیر آباد کہا اور وہیں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت خباب ابن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت خباب ابن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہی مظلوم شخصیات میں ہیں جن پر شدید مظالم کیے گئے، آپ کی پیدائش 587ء میں ہوئی، والد کا نام ارت ہے، کنیت ابوعبداللہ ہے، بنو تمیم نجد کا مشہور قبیلہ ہے اسی لئے ان کو تمیمی کہا جاتا ہے۔ آپ زمانۂ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیے گئے، ام اغاز نے ان کو خریدا۔ حضرت خباب ابتدائی دور کے اسلام قبول کرنے والوں میں ہیں، دار ارقم میں پناہ گزینی سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا، اس لئے سادس الاسلام کہلاتے تھے، اس زمانہ میں اسلام کا اظہار سب سے بڑا جرم تھا، اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اذیت وظلم کے ساتھ ہر چیز سے بے دخل کر دیا جاتا تھا، چنانچہ آپ نے بغیر کسی پرواہ کے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا، پھر کیا تھا کفار نے ان کو مشق ستم بنانا شروع کر دیا۔ کمر ننگا کر کے دھکیلتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جاتا اور سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا جاتا، زخموں کی رطوبت سے جب تک آگ نہ

بجھتی یہی ہوتا رہتا، لوہا آگ میں تپا کر ان کا سر داغا جاتا، جسمانی اذیت کے ساتھ دوسروں کے پاس ان کا جو مال تھا اس کو بھی ہڑپ لیا۔ حضرت خباب یہ سب مظالم جھیلتے رہے، لیکن اسلام کی وحدانیت اور نبی کی پیروی سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ بالآخر جب ہجرت کی اجازت ملی مدینہ طیبہ پہونچ گئے، حضرت خباب مدینہ آنے کے بعد تمام غزوات میں شرکت کرتے رہے، حضرت عمر بھی ان کی قربانی کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ بعد میں کوفہ ہجرت کر گئے، 37ھ میں کوفہ میں انتقال ہوا، حضرت علی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور کوفہ شہر کے باہر ایک جگہ آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ ان کی مرویات کی تعداد 33 ہیں، 30 / روایتیں متفق علیہ ہیں اور دو میں امام بخاری منفرد ہیں اور ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی شخصیات میں سے ہیں جن پر کفار ومشرکین نے ظلم کی حد کر دی تھی۔ آپ کا نام عمار ہے، کنیت ابوالیقظان ہے، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ ہے۔ حضرت یاسر قحطانی نسل کے تھے ان کا اصل وطن یمن تھا، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں اپنے دو بھائیوں کے ساتھ مکہ پہونچے، حارث اور مالک دونوں بھائی مکہ سے واپس ہو گئے، لیکن یاسر نے مکہ ہی میں سکونت

اختیار کر لی اور بنو مخزوم کے حلیف بن گئے، کچھ عرصہ کے بعد ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی ایک باندی سے جس کا نام سمیہ تھا شادی کر لی جس کے بطن سے عمار پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے عمار کو بچپن ہی سے آزاد کر دیا۔

ابو حذیفہ کے انتقال کے بعد جب اسلام کا تذکرہ شروع ہوا تو عمار بن یاسر اور صہیب بن سنان ایک ساتھ ایمان لائے، اس کے بعد یاسر اور سمیہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے، جس وقت عمار نے اسلام قبول کیا اس وقت حضرت ابو بکر کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ جب اس کی خبر کفار و مشرکین مکہ کو ملی تو انہوں نے مظالم کی شروعات کر دی طرح طرح کی اذیت آپ کو دینا شروع کیا، چنانچہ آگ کے انگاروں پر آپ کو لٹا دیا جاتا، کمر سے نکلنے والے خون سے جب آگ کے انگارے بجھ جاتے تب آپ انگاروں سے اٹھتے جس کے نشانات پوری زندگی آپ کی کمر پر رہے، ایک مرتبہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر آپ کے پاس سے ہوا تو اس حال کو دیکھ کر آپ بے چین ہو گئے اور آپ کے سر پر دست مبارک پھیرا اور دعاء کی، اے آگ تو جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی ہوئی اسی طرح عمار کے لیے ٹھنڈی ہو جا۔ ایک مرتبہ حضرت عمار کو پانی میں اتنا غوطہ دیا کہ آپ بے ہوش ہو گئے، یہی حال ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ کا ہوا۔ ان پر تو اسپیشل ابو جہل نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ الغرض ضعفاء مسلمین کو مارنا پیٹنا، بھوکا پیاسا رکھنا، اس حال میں ان کو پہونچا دینا کہ وہ چلنے پھرنے کے بھی قابل نہ رہیں، یہ قریش اور

مشرکین کا شیوہ تھا۔

جب ہجرت کا اعلان ہوا تو حضرت عمار نے بھی مدینہ طیبہ ہجرت کی، مسجد نبوی کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔غزوہ بدر سے غزوہ تبوک تک جنگ میں شریک ہوئے، جنگ یمامہ میں ان کا ایک کان شہید ہوگیا،خلیفہ دوم کے زمانہ میں وہ کوفہ کے والی بنائے گئے، خلیفہ ثالث کے زمانہ میں جب ہر طرف شورش شروع ہوگئی تو ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا گیا جس کے ایک رکن آپ بھی تھے، چنانچہ آپ کو مصر بھیجا گیا، اللہ کے رسول نے آپ کے بارے میں پیشنگوئی کی تھی تم کو باغی جماعت قتل کرے گی، چنانچہ حضرت علی کی حمایت میں جنگ کرتے ہوئے ابن القادسہ کے نیزہ سے آپ شہید ہوگئے، 37ھ میں 92/سال کی عمر میں شہادت کا جام نوش کیا،حضرت علی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور مسجد اویس قرنی میں آپ کی تدفین ہوئی۔

حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام عامر تھا،یعرب بن قحطان سے ان کا شجرہ ملتا ہے جو اس دنیا میں عربی بولنے والے پہلے شخص تھے،یعرب یمن کے تمام عرب قبائل کے جداعلی ہیں،ان کی دسویں نسل میں زید بن مالک ہوئے جو اپنے لقب عنس سے مشہور ہیں، انہی کے نام سے قبیلہ عنس مشہور ہوا۔حضرت یاسر کا تعلق اسی

قبیلہ سے ہے جس کی وجہ سے آپ کو عنسی کہا جاتا ہے، یمن کے حالات خراب ہونے کے بعد آپ مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر ہو گئے، انہوں نے قبائل کے رواج کے مطابق مہیشم بن مغیرہ مخزومی (ابوحذیفہ) کو اپنا حلیف بنالیا، جو ابوجہل کے چچا تھے مہیشم بن مغیرہ کی کنیت ابوحذیفہ تھی۔

ابوحذیفہ نے اپنی باندی سمیہ سے یاسر کی شادی کرادی، حضرت سمیہ کے بطن سے 3 لڑکے پیدا ہوئے عمار، عبداللہ، حریث، ابوحذیفہ نے یاسر باپ اور عمار بیٹے کو آزاد کردیا۔ ابوحذیفہ کے انتقال کے بعد جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اور مکہ نور اسلام سے منور ہوا تو بیٹے عمار اور باپ یاسر اور سمیہ والدہ تینوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس وقت اہل ایمان کی تعداد بہت کم تھی اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تھے، جب آپؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو بنومخزوم کی سیادت ابوجہل کے پاس آچکی تھی اور یہ اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا، چنانچہ حضرت عمار بیٹے کے ساتھ جو ظلم وستم اس نے کیا اور کروایا اس کا تذکرہ بھی دردناک ہے، اس کے بعد حضرت یاسر باپ کا نمبر آیا تو ابوجہل نے سختی سے ظلم وستم شروع کیا، چنانچہ حضرت یاسر کو زنجیر سے باندھ کر سخت گرمی میں کھلے آسمان کے نیچے گرم ریت پر لٹا دیا جاتا، ان کی پٹائی کی جاتی، کوڑوں سے بے پناہ مارا جاتا، لوہا گرم کرکے ان کو داغا جاتا، سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا، اس قدر تکلیف دی جاتی کہ آپ کا ذہن ماؤف ہو جاتا، لیکن اس حال میں بھی اللہ اکبر، اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے اور لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ

بلند آواز سے پڑھتے۔ کھجور کے پتوں کے نیچے باندھ دیا جاتا تا کہ شدید گرمی اور دھوپ سے تکلیف میں مبتلا رہیں اور ان سب کا مقصد ان کو اسلام سے منحرف کرنا تھا، لیکن سلام ہو ان کی استقامت اور صبر کو کہ اس قدر ظلم وستم کے باوجود انہوں نے اسلام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تا آنکہ ابوجہل اور مشرکین مکہ نے ان کو شہید کر دیا، اور حضرت یاسر نے جام شہادت پی لی۔

حضرت یاسر اور ان کے خاندان کی قربانیوں نے اسلامی تاریخ میں ایک روشن مثال قائم کی ہے، ان کے صبر واستقامت نے دیگر مسلمانوں کے لئے حوصلے اور عزم کی راہ ہموار کی، اللہ کے رسول نے ان کی ایذاؤں کو دیکھ کر فرمایا ''آل یاسر تم سے جنت کا وعدہ ہے (مستدرک حاکم)۔ ایک مرتبہ آپ نے یاسر کے بیٹے عمار کی ایذاؤں کو دیکھ کر فرمایا اے اللہ آل یاسر میں سے کسی کو جہنم کی سزا نہ دینا (الاستیعاب)۔

حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عمار کی والدہ ہیں اور حضرت یاسرؓ کی اہلیہ ہیں، یہ مہیشم بن مغیرہ (ابوحذیفہ) کی باندی تھیں، ابوحذیفہ نے حضرت یاسر کے حلیف بننے کے بعد اپنی باندی سمیہ سے ان کی شادی کر دی، ابوحذیفہ کی زندگی میں سب خوش وخرم زندگی گزارتے رہے لیکن ان کے انتقال کے بعد یہ بے سہارا ہو گئے

اور جب حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا اعلان فرمایا تو تینوں حضرات یعنی حضرت یاسر، شوہر اور حضرت سمیہ، بیوی اور حضرت عمار، بیٹا آغوش رحمت عالم میں پہنچ گئے، بس آپ کی بعثت و نبوت کو قبول کرنا تھا کہ مشرکین مکہ بالخصوص ابوجہل ملعون کے کانٹے بن گئے، اس کے بعد ابوجہل اور مشرکین مکہ نے ان پر کس کس انداز سے ظلم وستم کو روا سمجھا اور کن کن اذیتوں سے گزارا اور پھر ان کا انجام کیا ہوا۔ ماقبل کے صفحات میں حضرت عمار کا تذکرہ گزر چکا ہے کہ ان پر ظالموں نے کتنا ظلم کیا، لیکن ان کی جان بچ گئی اور مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے اور بہت سے غزوات میں شرکت بھی کی، بالآخر 37ھ میں شہید ہو گئے۔ اسی طرح حضرت یاسر کا بھی تذکرہ گزر چکا ہے کہ ان پر ظالموں کا ظلم کس انداز کا رہا، لیکن اخیر دم تک اللہ، اللہ کرتے رہے تا آنکہ ابوجہل ملعون اور مشرکین مکہ نے ایک دن اتنا ظلم کیا کہ وہ جاں بحق ہو گئے۔ باقی رہ گئیں حضرت سمیہ اب تنہا بچ گئیں، مشرکین مکہ اور ابوجہل کہاں بخشنے والے تھے، چنانچہ اب ظلم وستم کی ان کی باری آئی، قریش کے سرداروں نے ان پر ظلم کا پہاڑ توڑنا شروع کیا۔ حضرت سمیہ کو گرم ریت پر لٹا دیا جاتا، ان کے جسم کو لوہے کی زنجیروں سے باندھ دیا جاتا اور شدید گرمی اور تپتی دھوپ میں ان کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔

حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں میری ماں کو بے پناہ اذیت دی گئی، ابوجہل نے ان پر کوڑے برسائے، مختلف طریقوں سے تکلیف دی گئی (مستدرک حاکم)۔ تاریخ طبری میں ہے حضرت سمیہ پر مشرکین نے ظلم کی انتہاء کر دی مگر وہ اپنی جان کی پراہ کئے

بغیر اسلام پر ثابت قدم رہیں (تاریخ طبری)۔ تاریخ اسلام میں ہے کہ حضرت سمیہ کو جسمانی تشدد کے ساتھ نفسیاتی اذیت بھی دی گئی (تاریخ اسلام)۔

کتاب ''الفصول فی المؤلفین'' میں لکھا ہے کہ حضرت سمیہ اور ان کے خاندان کو بے پناہ اذیت دی گئی، لیکن قریش کی تمام اذیتوں کے باوجود وہ ثابت قدم رہیں، ان کی صبر واستقامت نے مسلمانوں کو ایک عظیم سبق دیا اور ان کی قربانی اسلامی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ ''الاستیعاب'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت سمیہ کو ابوجہل نے انتہائی درندگی سے قتل کیا۔ ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے، ابوجہل نے حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر انہیں شہید کر دیا۔ اس طرح انہوں نے جام شہادت نوش کر کے اسلام کی تاریخ میں عورتوں میں پہلی شہیدہ کا مقام حاصل کر لیا۔

مردوں میں سب سے پہلے شہید ان کے شوہر حضرت یاسر ہیں اور عورتوں میں حضرت سمیہ ہیں۔ لیکن اس پورے خاندان کو حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دے دی تھی، چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپؐ کا گزر حضرت سمیہ کے خاندان کے پاس سے ہوا تو آپؐ نے فرمایا ''صبر کرو، اے آل یاسر، بے شک تمہاری جگہ جنت ہے۔

ابونعیم اصفہانی نے اپنی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ ''اسلامی تاریخ میں حضرت سمیہ کو اولین شہیدہ کے طور پر عزت دی جاتی ہے''۔ طبقات ابن سعد میں

مذکور ہے کہ حضرت عمار اپنی والدہ حضرت سمیہ کی مظلومیت اور شہادت کی داستانیں حضرات صحابہ کو سناتے اور ماں کی ثابت قدمی اور صبر کی تعریف کرتے۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت صہیب رومی۔ رومی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ان کے والد کا نام صہیب بن سنان تھا، یہ رومی النسل تھے، حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش فارس (روم) میں ہوئی تھی۔ حضرت صہیب مکہ مکرمہ میں سترہ سال کی عمر میں آئے اور آپ نے ابتدائی دور میں جو بے پناہ مشقت بھرا اور صبر آزما تھا اسلام قبول کیا اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی دعوت قبول کرنے کے بعد اخیر تک ایمان پر ثابت قدم رہنے کی کوشش کی جیسا کہ سیرت ابن ہشام اور الطبقات الکبری میں مذکور ہے۔

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ میں شدید ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا، مشرکین مکہ نے جسمانی اذیت دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ان کو گرم ریت پر لٹا دیا جاتا اور ان کے جسم پر تشدد کیا جاتا، ابوجہل نے بھی ان پر جی بھر کر ظلم کیا، اور ان کی ثابت قدمی کو توڑ کر اسلام سے منحرف کرنے کی پوری کوشش کی۔ امام طبری نے تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ ابوجہل اور قریش کے سرداروں نے حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام سے منحرف کرنے

کے لئے سخت سے سخت اذیت پہنچائی لیکن سلام ہو حضرت صہیب کی ثابت قدمی کو کہ ان کا قدم ان سخت حالات میں بھی متزلزل نہیں ہوا۔ بالآخر حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی نیت کر لی اور ہجرت کے وقت قریش سے معاہدہ کیا، اپنا مال ومتاع چھوڑ کر جائیں گے جیسا کہ ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرت النبی میں ذکر کیا ہے اور الطبقات الکبری میں بھی اسی طرح کی بات مذکور ہے۔ اس طرح اپنے ایمان کو مال اور سامان دے کر بچایا اور دارالامان مدینہ طیبہ ایمان کے ساتھ پہونچ گئے، اگرچہ مکی زندگی میں ان کو سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا اس لئے ان کی ہجرت اور قربانی اسلامی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد مختلف غزوات میں شریک ہوئے، بقول سیرت ابن ہشام آپ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور قریش کا دل وجان سے مقابلہ کیا، اسی طرح بقول ابن سعد غزوۂ احد میں بھی شریک ہوئے اور انہوں نے اپنی ثابت قدمی اور بہادری کا مظاہرہ کیا (الطبقات الکبری) اور بقول امام طبری غزوۂ خندق میں بھی آپ شریک ہوئے اور مدینہ منورہ کے دفاع میں اہم کردار ادا کیا (تاریخ طبری) اور بقول ابن عبد البر غزوۂ خیبر میں بھی آپ نے شرکت کی اور خیبر کی فتح میں آپ نے اہم کردار ادا کیا (الاستیعاب)۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رومی کے بارے میں فرمایا صہیب نے جو کچھ کیا وہ اپنے اللہ کے لئے کیا (صحیح بخاری)۔ حضرت نبی پاک صلی

اللہ علیہ وسلم نے صہیب الرومی کے لقب سے آپ کو پکارا اوران کی محنت وقربانی کوسراہا (صحیح مسلم)۔حضرت صہیب کے بارے میں اللہ کے رسول نے فرمایا کہ صہیب نے اپنے مال ودولت کودین کی خاطر قربان کیا (مسند احمد)۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صہیب رومی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:صہیب کواللہ نے بہترین حالت میں ثابت قدمی عطا کی (سیرت ابن ہشام)۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صہیب نے اپنی جان اور مال کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی (تاریخ طبری)،حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضرت صہیب رومی کوصہیب الرومی کے لقب سے یاد کیا اوران قربانیوں کی تعریف کی (المعجم الکبیر)۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صہیب رومی کی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کے موقع پر ان کی عظمت کوسراہا اورہجرت کوایک عظیم عمل قرار دیا (الطبقات الکبری)۔

حضرات صحابہ کے یہ تاثرات حضرت صہیب رومی کی عظمت اوراسلام کے لئے ان کی قربانیوں کواجاگر کرتے ہیں،حضرات صحابہ نے ان کی خدمات اورثابت قدمی کی بھرپورتعریف کی اورانہیں عظیم مقام دیا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوذر غفاری کا اصل نام جندب بن جنادہ تھااور والد کا نام جنادہ بن

سکن تھا۔آپ کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا، اسی لئے آپ کو غفاری کہا جاتا ہے، غفار قبیلہ کا علاقہ مکہ مکرمہ سے قریب تھا۔ جب حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور اس کی اطلاع قبیلہ غفار تک پہونچی اور ابو ذر کے کان میں بھی یہ آواز پہونچی تو انہوں نے اپنے بھائی انیس کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ وہاں کے حالات کا پتہ لگائیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ چنانچہ انیس نے واپس آ کر حضرت ابو ذر کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دین اسلام کی دعوت کے بارے میں بتایا، یہ سن کر حضرت ابو ذر خود مکہ مکرمہ تشریف لائے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام قبول کرلیا۔اسلام قبول کرنے کے بعد آپ زمزم پر تشریف لائے اور آپ زمزم نوش فرمایا، پھر قریش کے پاس پہونچے جو بیت اللہ کے پاس موجود تھے، اور آپ نے بلند آواز سے کلمہ پڑھا"أشهد أن لا إلا إلاالله و أن محمدا رسول الله"۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔قریش کا یہ سننا تھا کہ وہاں موجود سارے قریش حضرت ابو ذر پر حملہ آور ہو گئے اور اتنا مارا کہ وہ زمین پر گر گئے۔ حضرت عباسؓ کو جب خبر لگی تو وہ فوراً آئے اور حضرت ابو ذر پر جھک کر پناہ بن گئے، اس کے بعد انہوں نے قریش کو للکارا کہ تم قبیلہ غفار کے آدمی کو قتل کر رہے ہو جبکہ تمہاری تجارت کا راستہ اسی قبیلہ سے گزرتا ہے، یہ سن کر قریش نے ہاتھ روک لیا۔ جب اگلا دن آیا تو حضرت ابو ذر پہلے دن کی طرح بیت اللہ کے پاس تشریف لائے

اور بلند آواز سے کلمہ پڑھا اور ایمان کا اظہار کیا، دوسرے دن بھی پہلے دن کی طرح حضرت ابوذر پر قریش حملہ آور ہو گئے، اور بہت زیادہ آپ کو مارا، پہلے دن کی طرح جب حضرت عباس کو خبر ملی تو وہ بھاگے ہوئے آئے اور حضرت ابوذر پر جھک کر گود میں لے لیا اور ان کی جان بچائی، یہ وہ تفصیلات ہیں جو سیرت ابن ہشام میں مذکور ہیں، اس کے علاوہ البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیر نے حضرت ابوذر کے حالات اور اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر قریش کے جور وستم کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں حضرت ابوذر کے حالات کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح حافظ ابن اثیر نے ''اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ'' میں حضرت ابوذر کی زندگی اور ان کی غزوات میں شرکت کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات

(1) حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین اور آسمان نے ابوذر سے زیادہ سچے انسان کو نہیں دیکھا (سنن ابن ماجہ، حدیث: 112، مسند احمد جلد: 5، حدیث: 165)۔ (2) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر زمین پر عیسیٰ ابن مریم کی طرح زہد اور سادگی کی زندگی گزارنے والا ہے (سنن ابن ماجہ حدیث، 110)۔ حضرت ابوذر میری امت کے مسیح ہیں۔ (3) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ میں اپنے ساتھیوں میں سے چار سے محبت کروں، آپ سے پوچھا

گیا وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: علی، مقداد، ابوذر، سلمان (سنن ترمذی، حدیث:3792)۔ان روایات سے حضرت ابوذر کی صداقت، زہد، سادگی، عظمت اور اہمیت کا اندازہ لگتا ہے۔

حضرت ابوذر کے بارے میں حضرات صحابہ کے تاثرات:

(1) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابوذر علم سے بھرے ہوئے برتن ہیں جسے مضبوطی سے بند کر دیا گیا ہے (سیر اعلام النبلاء للذہبی، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی)۔(2) حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا اللہ ابوذر پر رحم فرمائے وہ اکیلا چلتا ہے، اکیلا مرے گا اور اکیلا اٹھایا جائے گا (مسند احمد، جلد: 5، حدیث 144، سیرت ابن ہشام)۔(3) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص عیسی بن مریم کے تواضع کو دیکھنا چاہے وہ ابوذر کو دیکھ لے (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابن عبد البر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ لابن اثیر)۔ (4) حضرت عثمانؓ نے فرمایا زمین اور آسمان میں ابوذر سے زیادہ سچا کوئی انسان نہیں دیکھا (سنن ابن ماجہ، حدیث 112، مسند احمد، جلد 5، حدیث 165)۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے بارے میں حضرات صحابہ کے یہ ارشادات ان کی عظمت، صداقت، اور علم کی گواہی دیتے ہیں۔

حضرت ابوذر کی غزوات میں شرکت:

حضرت ابوذر غفاریؓ کے غزوات میں شرکت کی تفصیلات (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ) میں مذکور ہیں۔

(1) بعض مجبوریوں کی وجہ سے آپ نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی۔
(2) غزوۂ احد، اس غزوہ میں آپ نے شرکت کی اور اللہ کے رسول کے ساتھ ثابت قدم رہے اور اسلام کی حمایت میں لڑتے رہے۔ (3) غزوۂ خندق، (غزوۂ احزاب) حضرت ابوذر نے اس میں بھی شرکت کی، خندق کھودنے میں بھی حصہ لیا۔ اس کے علاوہ دیگر غزوات میں بھی آپ نے حصہ لیا اور اپنے ایمان واستقامت کا مظاہرہ کیا جوان کی عظمت اور وفاداری کو ظاہر کرتی ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی وفات 32ھ میں مقام رَبَذَہ میں ہوئی جو مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر ہے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت زبیر بن عوام کا پورا نام زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی ہے، ان کے والد کا نام عوام بن خویلد تھا ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی، مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت زبیر بن عوام جب تقریباً 15 سال کے تھے یعنی ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر کئے گئے مظالم کا تذکرہ:

(1) ان کو چٹائی میں لپیٹ کر دھوئیں میں گھسیٹا گیا، علامہ ذہبی نے لکھا ہے

کہ قریش مکہ نے مکہ کی گلیوں میں ان کو باندھ کر گھسیٹا اور ان پر مختلف انداز سے تشدد کیا (سیر اعلام النبلاء)۔(2) قید میں رکھنا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کو محبوس کر دیا گیا اور بھوکا اور پیاسا رکھ کر آپ کو اذیت دی گئی۔(3) امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت زبیر بن عوامؓ کو کفار مکہ نے آگ میں ڈالنے کی کوشش کی تاکہ آپ کو جلا دیا جائے، لیکن ان کی یہ ناپاک کوشش ناکام ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا (المستدرک علی الصحیحین)۔(4) ابن ہشام نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت زبیر بن عوامؓ کو ان کے اپنے چچا نے کپڑوں میں لپیٹ کر دھوئیں میں گھسیٹا تاکہ وہ اسلام سے باز آجائیں (سیرت ابن ہشام)۔(5) ابن خلدون نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت زبیر بن عوامؓ کو مختلف انداز سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور اذیت پہونچائی گئی جس میں مار پیٹ اور قید بھی شامل ہے (تاریخ ابن خلدون)۔(6) ابن سعد نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش نے ان کے ایمان کی پختگی آزمانے کے لئے بہت زیادہ تکلیفیں دیں، لیکن اس حال میں بھی وہ ثابت قدم رہے (الطبقات الکبری)۔ اس کے علاوہ حضرت زبیر بن عوامؓ کا تذکرہ ابن اسحٰق نے اپنی کتاب سیرت النبی میں کیا ہے جو سیرت کی کتابوں میں سب سے پہلی اور جامع کتاب ہے۔ سیرت النبی کی تدوین وتکمیل ابن ہشام نے کی، اس میں بھی مزید تفصیلات موجود ہیں، امام طبری کی تاریخ کی کتاب (تاریخ الرسل والملوک) میں بھی ان واقعات کا ذکر ہے، ابن الاثیر کی کتاب (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ) جو صحابہ کرامؓ کی سوانح

حیات پر مشتمل ہے اس میں بھی ان حالات کا ذکر ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر کی کتاب (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ) میں بھی یہ معلومات موجود ہیں۔

حضرت زبیر بن عوامؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات:

(1) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر نبی کا حواری (خاص مددگار) ہوتا ہے، اور میرے حواری زبیر ہیں (صحیح بخاری، فضائل الصحابہ، حدیث 2847)۔ (2) حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا زبیر جنتی ہیں (صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، حدیث 2414)۔ (3) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زبیر میری امت کے ان دس لوگوں میں شامل ہیں جنہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی ہے یعنی آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں (جامع ترمذی، کتاب المناقب، حدیث 3747)۔ **(4) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زبیر میری امت کے ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے مجھ پر ایمان لانے کے بعد کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا** (مسند احمد، حدیث 14114)۔ یہ احادیث حضرت زبیر بن عوام کی فضیلت اور عظمت اور مقام عظمی کو واضح کرتی ہیں، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کی محبت قربت کو بیان کرتی ہیں۔

حضرت زبیر بن عوامؓ کے بارے میں حضرات صحابہ کے تاثرات:

(1) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا زبیر اسلام کے دس ستونوں میں

سے ایک ستون ہیں (طبقات ابن سعد 3 /76)۔(2) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا زبیر جنتی لوگوں میں سے ہیں، اور اللہ کے رسول کے بعد وہ میری بہترین حمایت کرنے والوں میں سے ہیں (تاریخ طبری، جلد 3، صفحہ 55)۔(3) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا زبیر بن عوام وہ ہیں جنہوں نے اپنی تلوار کو اسلام کی سربلندی کے لئے نکالا اور کبھی اندر واپس نہیں رکھا (سیر اعلام النبلاء، جلد 1، صفحہ 156)۔ (4) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا زبیر میرے والد کی طرح ہیں (صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث: 3515)۔(5) حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے فرمایا زبیر میرے بھائی ہیں، اور میدان جنگ میں میرے ساتھی ہیں (طبقات ابن سعد، جلد 3، صفحہ 77)۔ یہ اقوال حضرت زبیر بن عوامؓ کی شخصیت کی عظمت اور مقام و مرتبہ کو واضح کرتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ صحابہ کرام بھی ان کی فضیلت اور عظمت کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

حضرت زبیر بن عوام کی غزوات میں شرکت:

(1) حضرت زبیر بن عوام نے غزوۂ بدر میں شرکت کی اور کفار سے بہت بہادری سے لڑائی کی (صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث 3992)۔(2) غزوۂ احد، حضرت زبیر نے غزوۂ احد میں بھی حصہ لیا اور پوری بہادری کے ساتھ جنگ کی (صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث 4063)۔(3) غزوۂ خندق، حضرت زبیر نے غزوۂ خندق میں بھی شرکت کی اور آپ کی شجاعت کو سراہا گیا (صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، حدیث 1805)۔(4) غزوۂ خیبر۔ خیبر کی لڑائی میں بھی حضرت زبیر نے بھرپور حصہ لیا اور ان کی شجاعت و بہادری کا ذکر

ہے (صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث 4214)۔(5) فتح مکہ۔حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے موقع پر بھی موجود تھے اور انہوں نے اسلامی لشکر کے ساتھ حصہ لیا (صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث 4280)۔

حضرت زبیرؓ نے ان غزوات کے علاوہ غزوۂ تبوک، غزوۂ موتہ، اور غزوۂ حنین میں بھی شرکت کی، اور ہر غزوہ میں ان کی شجاعت نمایاں اور قابل تحسین رہی۔

حضرت زبیر بن عوامؓ کی مدینہ ہجرت اور آپکا انتقال:

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر سب سے پہلے مدینہ منورہ ہجرت کی۔ اور وہ ان اولین مسلمانوں میں شامل ہو گئے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مدینہ طیبہ حاضری دی (سیرت ابن ہشام، جلد: 2، ص: 92)۔حضرت زبیر بن عوامؓ کا انتقال 36ھ میں ہوا، جیسا کہ طبقات ابن سعد میں مذکور ہے (طبقات ابن سعد، جلد 3، ص: 80)۔حضرت زبیر بن عوامؓ کا انتقال جنگ جمل کے دوران ہوا، آپ جنگ جمل کے بعد میدان سے نکل رہے تھے تو ایک دشمن نے آپ کو دھوکہ سے شہید کر دیا، جیسا کہ امام طبری اور علامہ ذہبی نے اس کا ذکر کیا ہے (تاریخ طبری، جلد 3، ص: 59، سیر اعلام النبلاء، جلد 1، ص: 159)۔شہادت کے بعد آپ کو بصرہ کے قریب ایک جگہ میں دفن کیا گیا، جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے (تاریخ ابن خلدون، جلد 2، ص: 176)۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعید بن زید کا مکمل نام سعید بن زید بن عمرو بن نفیل القرشی العدوی ہے، والد کا نام زید بن عمرو بن نفیل ہے۔ آپ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی، آپ کی کنیت ابو الاعور ہے۔ حضرت سعید بن زید عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ان کے والد زید بن عمرو زمانہ جاہلیت میں بھی توحید پر قائم تھے، بت پرستی سے پرہیز کرتے تھے۔ حضرت سعید بن زید نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا، حضرت سعید کے ساتھ ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت خطاب جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں انہوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ حضرت سعید بن زید کی عمر اس وقت تقریباً بیس سال تھی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت سعید پر کئے گئے مظالم:

(1) اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت سعید بن زید اور ان کی اہلیہ فاطمہ بنت خطاب کو شدید اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے ایمان اور عزم کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہے، ان دونوں کو ان کے رشتہ داروں اور قریش کے دیگر افراد نے بہت تنگ کیا، خصوصاً ان کے بہنوئی حضرت عمر نے ان پر بہت سختی کی (سیرت ابن ہشام)۔ (2) اپنی بہن اور بہنوئی کو حضرت عمر نے اتنا مارا کہ ان کے چہرہ خون آلود ہو گئے (طبقات ابن سعد)۔ (3) امام حاکم نے اپنے مستدرک میں لکھا

ہے دونوں کو اسلام قبول کرنے کے بعد قریش کے ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا۔ خصوصاً حضرت عمر کی طرف سے ان پر بہت تشدد کیا گیا (المستدرک)۔ (4) امام طبری نے بھی اپنی کتاب میں قریش کے جور وستم کے ساتھ حضرت عمر کے مظالم اور اذیتوں کا تذکرہ کیا ہے (تاریخ طبری)۔ (5) الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے جور وستم اور ظلم وتشدد کا ذکر کیا ہے (الاصابہ)۔

حضرت سعید بن زید کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات:

(1) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، سعید بن زید جنتی ہیں، ابوعبیدہ بن جراح جنتی ہیں، طلحہ بن عبیداللہ جنتی ہیں، یہ وہ دس صحابہ ہیں جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے، جن کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں بشارت دیدی تھی، ان میں حضرت سعید بن زید کا بھی نام ہے (صحیح بخاری، حدیث 3679، صحیح مسلم حدیث 2421)۔ **(2) دعا کی قبولیت:** حضرت سعید بن زید کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو بددعاء دی اور وہ قبول ہوگئی۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک عورت جس کا نام اروٰی بنت اویس تھا، اس نے حضرت سعید بن زید پر زمین ہڑپنے کا الزام لگایا، اس کے بعد حضرت سعید بن زید نے دعاء کی، اے اللہ اگر یہ جھوٹی ہے تو اسے اندھا کردے اور اس کے گھر کو اس کی قبر بنادے، چنانچہ وہ عورت

بعد میں اندھی ہوگئی اور ایک دن کنواں میں گر کر مر گئی (سنن ابوداؤد، حدیث 3636، مسند احمد، حدیث 162)۔ (3) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعید بن زید عمر کے بیٹے ہیں، وہ اس دنیا میں جنت کی بشارت پا چکے ہیں (مسند احمد، حدیث 1589)۔

حضرت سعید بن زید کے بارے میں حضرات صحابہ کے تاثرات:

(1) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت سعید بن زید عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں (صحیح بخاری، حدیث 3679)۔ (2) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سعید بن زید میرے خاندان کے دس جنتی افراد میں شامل ہیں (مسند احمد، حدیث 1589)۔ (3) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سعید بن زید عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان کی دعاء بہت قبول ہوتی ہے (المستدرک علی الصحیحین، حدیث: 4949)۔ (4) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ سعید بن زید ایک بہترین اور نیک انسان ہیں اور وہ جنتی صحابہ میں سے ہیں (تاریخ طبری، جلد 3)۔

حضرت سعید بن زید کی غزوات میں شرکت:

(1) غزوۂ بدر: حضرت سعید بن زید کی شرکت غزوۂ بدر میں معنوی تھی حسی نہیں تھی، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو قریش کے کاروان کی نگرانی پر مامور کر دیا تھا، لیکن آپ کا شمار بدر کے مجاہدین میں ہوا اور مال غنیمت سے بھی حصہ دیا گیا (المستدرک علی الصحیحین، حدیث 4872)۔

(2)غزوۂ احد: حضرت سعید بن زید نے اس غزوہ میں بھی پوری ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کی اور اخیر تک میدان جنگ میں ڈٹے رہے (سیرت ابن ہشام، جلد 3)

(3)غزوۂ خندق: حضرت سعید بن زید غزوۂ خندق میں بھی شریک ہوئے، مدینہ طیبہ سے دفاع کے لئے خندق کھودنے اور قریش کے حملہ کو ناکام بنانے کے لئے بھرپور کوشش کی (طبقات ابن سعد، جلد 2)۔

(4)غزوۂ خیبر: یہ غزوہ خیبر کے یہودی قلعوں کے خلاف تھا، جہاں مسلمانوں نے فتح حاصل کی، اس میں بھی حضرت سعید بن زید شریک رہے (المغازی للواقدی، جلد 2)۔

(5)غزوۂ حنین: یہ غزوہ قبیلۂ ہوازن اور قبیلۂ ثقیف کے خلاف تھا، اس میں بھی حضرت سعید بن زید شریک ہوئے۔

(6)غزوۂ تبوک: یہ غزوہ رومیوں کے خلاف تھا، اور اس میں مسلمانوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی، اس میں بھی حضرت سعید بن زید نے شرکت کی (الطبقات الکبری، جلد 2)۔

حضرت سعید بن زید کا انتقال اور تدفین:

حضرت سعید بن زید کا انتقال 51ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا، ان کی عمر تقریباً ستر سال تھی، اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا، جنازہ کی نماز حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی (طبقات ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد نمبر 3، تاریخ طبری، جلد 4)۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا مکمل نام سعد بن عبادہ بن ولیم ہے، ان کے والد کا نام عبادہ بن ولیم تھا، ان کی کنیت ابوثابت اور ابوقیس تھی، یہ قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، جو مدینہ کے دو بڑے قبیلوں میں سے ایک تھا، دوسرے قبیلہ کا نام اوس تھا، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ فی تمییز الصحابہ اور علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا، اس وقت وہ جوان تھے۔

حضرت سعد بن عبادہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد مظالم کا تذکرہ:

(1) جب حضرت سعد نے اسلام قبول کیا تو قریش مکہ نے سخت اذیتیں پہونچائیں اور بے حد جسمانی تشدد کیا اور ظلم وستم ڈھایا تا کہ وہ اسلام چھوڑ دیں (سیرت ابن ہشام، جلد:1، ص:254)۔ (2) حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت سعد نے اسلام قبول کیا تو قریش نے ان کی بے پناہ پٹائی کی اور انہیں مختلف طرح کے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا ان کی زندگی اجیرن کردی تا کہ وہ اسلام چھوڑ دیں (البدایہ والنہایہ، جلد 3، ص207)۔ (3) علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ حضرت سعد نے اسلام قبول کرنے کے بعد شدید قسم کا جور وستم برداشت کیا، جن میں

جسمانی مار پیٹ، ذلت آمیز سلوک، ان کی عزت نفس اور جسم پر حملہ شامل تھا (سیر اعلام النبلاء، ج3، ص88)۔ (4) علامہ سیوطی نے الروض الانف میں لکھا ہے کہ حضرت سعد پر جسمانی ظلم وستم کے ساتھ معاشرتی حیثیت سے بھی بہت نقصان پہونچایا (الروض الانف، جلد1، ص198)۔

ان سب مظالم اور مشکلات کے باوجود وہ ایمان پر ثابت قدم رہے جس سے ان کی عظمت اور اسلام کی اہمیت اور قربانیوں کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں:

(1) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد بن عبادہ تمہاری بہترین جماعت کے سردار ہیں (صحیح مسلم، ج4، ص1902)۔ (2) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد بن عبادہ ہمارے بہترین قبیلہ کے نمائندے ہیں (سنن ابو داؤد، ج3، ص1512)۔ (3) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سعد بن عبادہ جنتی ہیں اور ان کے لئے جنت میں خاص مقام ہے (مسند احمد، ج3، ص275)۔ یہ احادیث حضرت سعد کی شخصیت اور ان کی اہمیت کو بیان کرتی ہیں۔

حضرت سعد بن عبادہ حضرات صحابہ کی نظر میں:

(1) ابن سعد نے اپنی کتاب الطبقات الکبری میں اس کا تذکرہ کیا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام نے حضرت سعد بن عبادہ کو قبیلۂ خزرج کا سردار اور نیک لوگوں

میں سے قرار دیا اور ان کی عظمت اور دین اسلام کے لئے خدمت کو بہت سراہا (الطبقات الکبری، ج1، ص303)۔ (2) علامہ ذہبی نے اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ حضرات صحابہ نے حضرت سعد بن عبادہ کی بلند اخلاقی اور دیانت داری کی بہت تعریف کی اور ان کی قیادت اور خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا (سیر اعلان النبلاء، ج3، ص91)۔

حضرت سعد بن عبادہ کی روایات:

حضرت سعد بن عبادہ بہت سی حدیثوں کے راوی ہیں، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور مسند احمد میں مشہور ہیں۔

حضرت سعد بن عبادہ کی غزوات میں شرکت:

آپ نے اپنی زندگی میں غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر، غزوۂ حنین اور فتح مکہ میں شرکت کی اور پوری قوت اور شجاعت کے ساتھ جنگی کاروائیوں اور معرکوں میں بہادری کا مظاہرہ کیا اور جنگی حکمت عملی اور قیادت کی وجہ سے نمایا مقام حاصل کیا۔

حضرت سعد بن عبادہ کا انتقال اور تدفین:

حضرت سعد بن عبادہ کا انتقال 14ھ میں ہوا، آپ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق نے پڑھائی اور جنت البقیع میں آپ سپرد خاک ہوئے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مصعب بن عمیر کا اصلی نام مصعب تھا، اوران کے والد کا نام عمیر تھا، ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی، وہ قریش کے قبیلہ بنی عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے، مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، **ان کی جوانی اور خوبصورتی مکہ میں بہت مشہور تھی، بہت اعلیٰ قسم کی خوشبو استعمال کرتے تھے**، ان کے گھر والوں نے انہیں بڑی محبت سے پالا تھا۔ جب حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا اعلان فرمایا تو حضرت مصعب نے بھی اسلام قبول کرلیا، لیکن بہت دنوں تک اپنے ایمان کو چھپائے رہے، لیکن جب اسلام کا اظہار کیا تو اس کے بعد ان کے ساتھ بھی وہی ہوا جو دوسرے صحابہ کے ساتھ ہوا جس کی تفصیلات سیرت ابن ہشام اور الطبقات الکبری میں موجود ہیں:

(1) والدہ کا ردعمل: حضرت مصعب کی والدہ نے ان کے اسلام قبول کرنے پر شدید غصہ کا اظہار کیا اور غصہ میں حضرت مصعب کو گھر میں محبوس کر دیا تا کہ وہ تنگ آ کر اسلام چھوڑ دیں۔

(2) معاشی دباؤ: حضرت مصعب کے اہل خانہ نے ہر قسم کی مالی امداد سے ان کو محروم کر دیا، ان کی زندگی جو پہلے آسودہ حال تھی، اب بے انتہا فقیرانہ ہوگئی۔

(3) گھر سے بے دخلی: ان سب قید و مشقت کے بعد بھی جب حضرت مصعب کے ایمان میں تزلزل پیدا نہیں ہوا، ان کے والدین نے ان کو گھر سے نکال دیا۔

(4) سماجی بائیکاٹ: قریش کے لوگوں نے حضرت مصعب سے سماجی تعلقات ختم کر دیئے، ان کو مکہ مکرمہ میں نظر انداز کیا گیا، ان سب مظالم کے باوجود وہ اسلام پر ثابت قدم رہے اور اسلام کو بچانے کے لئے مدینہ ہجرت کر گئے (سرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد)۔

حضرت مصعب بن عمیر کے بارے میں اللہ کے ﷺ کے ارشادات:

(1) جب حضرت مصعب بن عمیر اللہ کے رسول کے حکم پر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہونچ گئے تو آپ نے فرمایا جس شخص کو اسلام کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہو تو مصعب بن عمیر کے پاس چلا جائے کیونکہ وہ صحیح طریقہ سے انہیں تعلیم دیں گے (سیرت ابن ہاشم، الطبقات الکبری)۔ (2) غزوۂ احد میں جب آپ شہید ہو گئے تو آپ کی شہادت کے بعد اللہ کے رسول نے فرمایا اللہ کی راہ میں کسی بھی نیکی کے لئے مصعب بن عمیر سے بہتر کوئی نہیں تھا۔ (سیرت ابن ہشام، الطبقات الکبری)۔ (3) حضرت مصعب بن عمیر چونکہ خوشحال نوجوان میں شمار ہوتے تھے، اسلام کے بعد ان کے فقر و فاقہ والی زندگی کو دیکھ کر اللہ کے رسول نے فرمایا میں نے مصعب کو مکہ میں دیکھا ہے، ان کے پاس بہت بہترین لباس تھے، وہ بہترین کھانا کھاتے تھے، اب وہ اللہ کی محبت میں اپنا سب کچھ چھوڑ چکے ہیں (صحیح بخاری، حدیث نمبر 3832)۔ یہ ارشادات حضرت مصعب کی قربانی، وفاداری اور سادگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت مصعب کے بارے میں حضرات صحابہ کے تاثرات:

(1) حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر حضرت مصعب بن عمیر کی شہادت کے بعد فرمایا، ہم نے مصعب بن عمیر کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے پاس دنیا کی کوئی چیز نہ تھی سوائے ایک چادر کے جوان کے بدن پر تھی، ان کی زندگی میں ایسی سختی اور تنگ دستی آئی کہ ہم نے ان کو شہید ہونے کے بعد دفنانے کے لئے مناسب کفن تک نہ پایا (صحیح بخاری، حدیث نمبر 3834)۔ (2) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مصعب بن عمیر ان لوگوں میں سے تھے جو دنیا کی نعمتوں کو چھوڑ کر دین کی راہ میں مصروف ہو گئے تھے، انہوں نے اپنی دولت اور آسائشوں کو قربان کر دیا اور اللہ کے رسول کے ساتھ اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد کیا (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، حافظ ابن حجر عسقلانی)۔ (3) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مصعب بن عمیر اسلام کے ابتدائی دور میں سب سے بہترین اساتذہ میں سے تھے، وہ مدینہ کے لوگوں کو قرآن اور اسلام کی تعلیم دینے میں بہترین مثال تھے (الطبقات الکبری ابن سعد)۔ یہ تمام ارشادات حضرت مصعب بن عمیر کی ایمان داری، ثابت قدمی اور دین کی خدمات کے حوالے سے ان کے عظیم کردار کو ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت مصعب بن عمیر کی مرویات:

حضرت مصعب بن عمیر کی مرویات کی تعداد نسبتاً کم ہے، صحیح بخاری اور صحیح

مسلم میں ان کی روایات نہیں ملتی، تاہم سنن نسائی اور مسند احمد میں کچھ حدیث کا ذکر ملتا ہے جن کی تعداد بہت محدود ہے۔

حضرت مصعب بن عمیر کی غزوات میں شرکت:

(1) غزوۂ بدر: یہ اسلامی تاریخ کی پہلی بڑی جنگ تھی، یہ جنگ قریش مکہ کے خلاف تھی، اس جنگ میں حضرت مصعب بن عمیر لشکر کے اہم سپاہیوں میں سے تھے (سیرت ابن ہشام والطبقات الکبری)۔

(2) غزوۂ احد: حضرت مصعب بن عمیر نے غزوۂ احد میں بھی شرکت کی، اس غزوہ میں اسلامی فوج کا پرچم آپ کے ہاتھوں میں تھا اور بہت بڑی بہادری سے آپ لڑتے رہے تا آنکہ آپ نے جام شہادت نوش فرمالیا، شہادت کے وقت آپ کے جسم پر تیرہ زخم تھے (سیرت ابن ہاشم، الطبقات الکبری)۔

حضرت مصعب کی تدفین اور نماز جنازہ:

حضرت مصعب بن عمیر کی نماز جنازہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی اور جنت البقیع میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا، آپ کی تدفین میں بھی اللہ کے رسول نے شرکت فرمائی۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوسلمہ کا پورا نام عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال تھا، ان کے والد کا نام عبدالاسد تھا، ان کی کنیت ابوسلمہ تھی، ان کا تعلق قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھا اور وہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ابن حجر عسقلانی، سیرت ابن ہشام، تاریخ اسلام الذہبی)۔ حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد نے ابتداء ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا، حضرات مؤرخین کے مطابق وہ اسلام قبول کرنے والے پہلے چند لوگوں میں شامل تھے اور انہوں نے اپنے اسلام کو قبیلہ والوں سے پوشیدہ نہیں رکھا جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی عمر تقریباً تیس سال تھی (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ابن عبدالبر)۔

حضرت ابوسلمہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر کئے گئے مظالم:

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوسلمہ اور ان کے خاندان پر قریش مکہ کی جانب سے کئی قسم کی اذیتیں اور ظلم ڈھائے گئے، خصوصاً اس وقت جب انہوں نے اپنی بیوی حضرت ام سلمہ کے ساتھ مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کی کوشش کی۔

(1) خاندان کی مخالفت: حضرت ابوسلمہ اپنی بیوی حضرت ام سلمہ کے ساتھ ہجرت کے ارادے سے روانہ ہوئے تو قبیلہ بنی مخزوم کے لوگوں نے حضرت ام سلمہ کو روکا اور انہیں زبردستی اپنے ساتھ لے گئے۔

(2) بیٹے سے جدا کرنا: قبیلہ بنی عبدالاسد کے افراد نے حضرت ابوسلمہ اور حضرت ام سلمہ کے بیٹے حضرت سلمہ کو ان سے جدا کر دیا، اس دوران حضرت ام سلمہ کو شدید اذیت پہونچائی گئی کیونکہ جب ان کے بیٹے کو ان سے چھینا گیا تو حضرت ام سلمہ کے بازو زخمی ہو گئے تھے۔

(3) معاشرتی بائیکاٹ: حضرت ابوسلمہ اور ان کے خاندان کو سماجی بائیکاٹ کا سامنا بھی کرنا پڑا، انہیں تجارت اور معاشرتی زندگی سے الگ تھلگ کر دیا گیا (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب)۔

حضرت ابوسلمہ کے بارے میں اللہ کے رسول کے ارشادات:

(1) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوسلمہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، یہ واقعہ بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ (2) حضرت ابوسلمہ کا جب انتقال ہوا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے ساتھ دعائے مغفرت کی: **اللھم اغفر لابی سلمه و ارفع درجته فی المهديين واخلفه فی اعقابه فی الغابرين واغفرلنا وله يا رب العالمين وافصح فی قبره و نور له فيه۔**

حضرت ابوسلمہ کے بارے میں حضرات صحابہ کے تاثرات:

(1) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابوسلمہ پہلے ہجرت کر کے

مدینہ آئے۔(2) حضرت علی نے فرمایا وہ شریف النفس اور بہادر شخص تھے، انہوں نے ان کی شجاعت اور قربانیوں کو سراہا۔(3) حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے فرمایا وہ ایک عظیم اور نیک شخص تھے، جنہوں نے ہمیشہ حق کے لئے جدوجہد کی (الطبقات الکبری ابن سعد، الاصابہ فی تمییز الصحابہ ابن حجر عسقلانی)۔

حضرت ابوسلمہ کی مرویات کی تعداد:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کل پینتیس روایتیں مروی ہیں جو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، اور مسند احمد میں مذکور ہیں، یہ روایتیں فقہ، عقائد اور اخلاقیات سے متعلق ہیں۔

حضرت ابوسلمہ کی غزوات میں شرکت:

(1) غزوۂ بدر: جو اسلام اور قریش مکہ کے درمیان پہلی بڑی جنگ تھی۔

(2) غزوۂ احد: جو دوسری بڑی جنگ تھی۔

(3) غزوۂ خندق: جسے غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔

انتقال اور تدفین:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ احد کے بعد غزوۂ بنی قریضہ میں شامل ہوئے، اس جنگ میں آپ کے کندھے پر زخم آیا اس کی وجہ سے کافی دنوں تک بیمار

رہے، زخم کی شدت کی تاب نہ لاکر اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا، جنازہ کی نماز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی اور جنت البقیع میں آپ سپرد خاک کیے گئے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا پورا نام طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان التیمی القرشی تھا، ان کے والد کا نام عبید اللہ تھا، آپ کی کنیت ابو محمد تھی، آپ کا تعلق قریش کے تیم بن مرہ قبیلہ سے تھا، اور وہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے (سیر اعلام النبلاء الاصابہ فی تمییز الصحابہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے جس وقت اسلام قبول کیا اس وقت آپ کی عمر تقریباً بیس سال تھی، آپ ان چند خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا اور السابقون الاولون میں شامل ہوئے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر کئے گئے مظالم:

(1) حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کی طرف سے شدید اذیتوں اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا، ان کے گھر والوں اور قبیلہ کے لوگوں نے خاص طور پر تشدد کا نشانہ بنایا، ان کے چچا نوفل بن خویلد نے ان کو رسیوں سے باندھ کر دھوپ میں چھوڑ دیا تا کہ وہ اسلام سے دست بردار ہو جائیں، لیکن حضرت طلحہ اپنے

ایمان پر پختگی کے ساتھ قائم رہے۔(2) حضرت طلحہ کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا گیا اور ان پر پتھراؤ کیا گیا۔(3) قریش کے سرداروں نے ان کے ساتھ تجارتی بائیکاٹ کیا جس کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بھی متاثر ہوئی۔ یہ مظالم اس لئے بھی شدید تھے کیونکہ حضرت طلحہ ایک اہم قریشی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ان کا اسلام قبول کرنا قریش کے سرداروں کے لئے باعث عار تھا، اسی لئے ان لوگوں نے پوری جان لگادی کہ یہ کسی طرح اسلام سے منحرف ہوجائیں، لیکن یہ سارے مظالم برداشت کرتے رہے اور اسلام پر ثابت قدم رہے (الطبقات الکبری، سیر اعلام النبلاء، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب)۔

حضرت طلحہ کے بارے میں اللہ کے رسول کے ارشادات:

(1) جنت کی بشارت: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**و طلحة فی الجنة**" کہ طلحہ جنتی ہیں، یعنی آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں سے ہے (ترمذی، حدیث نمبر 3747)۔

(2) غزوۂ احد میں بہادری: غزوۂ احد کے دوران حضرت طلحہ نے اللہ کے رسول کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی بہادری اور قربانی کی مثال قائم کردی تھی، جس وجہ سے اللہ کے رسول نے آپ کے بارے میں فرمایا جسے خوشی ہو کہ وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھے کہ زمین پر چل رہا ہو لیکن وہ اپنی زندگی کا حق ادا کردیا ہو تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھے (حدیث نمبر 3748)۔

(3) سخاوت: حضرت طلحہ کی سخاوت اور فیاضی کے بارے میں اللہ کے رسول نے فرمایا: "ما قال طلحة لمال لا قط" یعنی طلحہ نے کبھی کسی سائل

کو "نہیں" نہیں کہا (ابن ماجہ، حدیث نمبر 4213)، اس کے علاوہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی آپ کے فضائل کے متعلق بہت سی روایتیں ملتی ہیں۔

حضرت طلحہ کے بارے میں حضرات صحابہ کے تاثرات:

(1) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت طلحہ کی شجاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا جب احد کے دن طلحہ نے اپنا ہاتھ اللہ کے رسول کے چہرہ کے سامنے رکھا تا کہ کوئی ان کے چہرے تک نہ پہونچے اس وقت سے میرے دل میں ان کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی (الطبقات ابن سعد)۔ (2) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا طلحہ اور زبیر وہ لوگ ہیں جنہیں جنت کی بشارت دی گئی اور وہ دونوں دنیا میں اہل جنت کے ساتھ رہتے ہیں (الاصابہ فی تمییز الصحابہ)۔ (3) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا طلحہ وہ بہادر ہیں **جنہوں نے غزوۂ احد میں اللہ کے رسول کی حفاظت کی اور اپنے جسم پر ستر سے زیادہ زخم کھائے** (صحیح بخاری)۔ (4) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت طلحہ کی سخاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا **طلحہ ایسے شخص ہیں جنہوں نے کبھی کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا** (سیر اعلام النبلاء)۔

حضرت طلحہ نے کن کن غزوات میں شرکت کی:

(1) غزوۂ بدر: غزوۂ بدر میں آپ براہ راست شریک نہیں تھے، کیونکہ آپ اور سعید بن زید کو اللہ کے رسول نے قریش کے قافلہ کی نقل وحرکت اور خبر لانے کے لئے

شمال کی طرف بھیجا تھا، جب وہ واپس آئے تو مسلمان غزوۂ بدر میں فتح حاصل کر چکے تھے، لیکن آپ دونوں کو مجاہدین میں شمار کیا گیا اور انہیں مال غنیمت سے حصہ بھی دیا گیا۔

(2) غزوۂ احد: غزوۂ احد میں آپ اللہ کے رسول کے قریب رہے اور اللہ کے رسول کی حفاظت کے لئے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی، حضرت طلحہ نے اللہ کے رسول کے چہرے کے سامنے اپنے ہاتھ کو ڈھال بنا دیا اور کئی زخم کھائے۔

(3) حضرت طلحہ نے غزوۂ خندق میں بھی شرکت کی اور خندق کھودنے میں بھی حصہ لیا۔

(4) غزوۂ خیبر: حضرت طلحہ نے اس غزوہ میں بھی حصہ لیا جہاں مسلمانوں نے یہودی قلعوں کو فتح کیا۔

(5) غزوۂ حنین: حضرت طلحہ نے اس غزوہ میں بھی شرکت کی، ابتداءاً اس جنگ میں مسلمانوں کو کچھ مشکل پیش آئیں، لیکن بعد میں فتح حاصل ہوگئی۔

(6) غزوۂ تبوک: یہ غزوہ رومیوں کے خلاف تھا، لیکن اس میں کوئی بڑا معرکہ پیش نہیں آیا۔

ان غزوات کے علاوہ آپ نے اور بھی کئی اہم مواقع اور معرکوں میں حصہ لیا (سیر اعلام النبلاء، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)۔

حضرت طلحہ کا انتقال اور تدفین:

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال 36ھ میں ہوا، جنگ جمل جو حضرت علی

اورحضرت عائشہ کے درمیان ہوئی تھی اس جنگ میں حضرت طلحہ حضرت عائشہ کے ساتھ تھے، جنگ کے دوران ایک تیر سے زخمی ہو گئے تھے، وہ تیر حضرت طلحہ کے پاؤں میں لگا، تیر چلانے والا مروان بن حکم تھا، اس زخم کی تاب نہ لا کر آپ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، جنازہ کی نماز حضرت علی نے پڑھائی اور آپ کی شہادت پر افسوس کا اظہار کیا، جنازہ کے بعد آپ کو بصرہ میں دفن کیا گیا، بصرہ عراق میں ایک جگہ کا نام ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں جنگ جمل کا معرکہ ہوا تھا (تاریخ طبری، تاریخ متفق لابن عساکر، سیر اعلام النبلاء)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا پورا نام عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن عبدالحارث بن زہرہ تھا، ان کے والد کا نام عبدعوف تھا، ۔ورو الدہ کا نام شفاء بنت عوف تھا، آپ فریقین کے مشہور قبیلہ بنی زہرہ سے تعلق رکھتے تھے، آپ مکی تھے یعنی آپ کا تعلق مکہ مکرمہ سے تھا (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، جلد 3، ص 340، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج2، ص419، سیر اعلام النبلاء، ج1، ص88)۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مکہ مکرمہ میں حضرت ابوبکر صدیق کی دعوت پر اسلام قبول کیا، آپ کا شمار ان مسلمانوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اعلان نبوت کے بعد ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو تب ان کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پر کئے گئے مظالم:

ابتدائی دور میں جن حضرات نے اسلام قبول کیا ان کو قریش مکہ کی طرف سے متعدد مظالم کا سامنا کرنا پڑا، انہیں میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے، ان کے ساتھ بھی مختلف انداز کی ایذاؤں کا سلسلہ شروع ہوا۔

(1) معاشرتی بائیکاٹ: قریش مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات ختم کر لیے، ان کے ساتھ تجارتی لین دین بند کرلیا معاشرتی تعلقات کو بھی محدود کر دیا تا کہ تنگ آ کر کفر کی طرف لوٹ آئیں، لیکن سب نے ان اذیتوں کو برداشت کیا، ان میں عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے، یہ بھی ایمان پر ثابت قدم رہے۔

(2) جسمانی تشدد: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر مسلمانوں کو جسمانی تشدد کا بھی نشانہ بنایا گیا، ان پر ظلم کے مختلف طریقے استعمال کیے گئے، جیسے شدید گرمی میں زمین پر لٹا دینا، سینہ پر پتھر رکھ دینا، مکہ کی گلیوں میں گھسیٹنا تا کہ مجبور ہو کر اسلام چھوڑ دیں۔

(3) معاشی مشکلات: قریش مکہ نے مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیوں کو نقصان پہونچانے کی پوری کوشش کی تا کہ روزمرہ کی زندگی گزارنا مشکل ہو جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کیونکہ تجارت میں ماہر تھے اس لئے ان کو معاشی اعتبار سے کمزور کرنے کے لئے بھرپور کوشش کی۔

(4) حبشہ کی طرف ہجرت: ان مظالم سے تنگ آ کر دیگر مسلمانوں کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی، یہ ہجرت قریش مکہ

کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے تھی (سیرت ابن ہشام، ج1،ص 193، البدایہ والنہایہ، ج3،ص81، تاریخ طبری، ج2،ص210)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ۱ھ میں اللہ کے رسول کے حکم پر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات:

(1) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عشرۃ فی الجنۃ، اس روایت میں یہ بھی ہے عبدالرحمٰن فی الجنۃ، یعنی آپ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں (ترمذی شریف، ج4،ص 211، حدیث نمبر3747)۔

(2) سخاوت کی تعریف: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا، عبد الرحمن بن عوف من اغنیاء المسلمین، یعنی عبدالرحمٰن بن عوف مسلمانوں میں سب سے زیادہ مالدار آدمیوں میں سے تھے۔

(3) غزوۂ تبوک میں مالی مدد: غزوۂ تبوک میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بہت زیادہ مالی مدد کی جس کی تعریف خود اللہ کے رسول نے فرمائی اور آپ کو دعاؤں سے نوازا۔

(4) غزوۂ بدر میں شرکت: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے غزوۂ بدر میں بھی شرک کی، اس غزوہ میں شرکت کرنے والے صحابہ کے بارے میں خصوصی طور پر اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وما یدریک؟ لعل اللہ اطلع علی أھل بدر و قال اعملوا ما شئتم و قد غفرت لکم" تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر نگاہ ڈالی اور فرمایا جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث نمبر 2494)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے میں حضرات صحابہ کے تاثرات:

(1) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں عبدالرحمٰن بن عوف کو کسی بھی قوم کا حاکم مقرر کرسکتا ہوں کیونکہ وہ اس کے لائق ہیں (طبقات ابن سعد، ج 3، ص 149)۔ (2) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بارہ میں فرمایا کہ یہ جنتی آدمیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے دنیا سے آخرت کی طرف ہجرت کی ہے (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج 4، ص 292)۔ (3) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا ہم میں سے ہر ایک پر احسان ہے اور اس کا بدلہ اللہ ہی ان کو دے سکتا ہے (البدایہ والنہای، ج 7، ص 109)۔ (4) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا عبدالرحمٰن بن عوف خیبر کو پسند کرنے والے کریم اور سخی تھے (سیر اعلام النبلاء، ج 1، ص 81)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی غزوات میں شرکت:

(1) غزوۂ بدر: آپ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی اور دشمنوں کے خلاف پوری

بہادری کا مظاہرہ کیا (سیرت ابن ہشام، ج2، ص234، صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر 3992)۔

(2) غزوۂ احد: اس جنگ میں بھی آپ نے شرکت کی، آپ کے جسم پر بیس زخم آئے جن میں سے ایک زخم نے ان کو لنگڑا کر دیا تھا (البدایہ والنہایہ، ج4، ص38)۔

(3) غزوۂ خندق: اس غزوہ میں بھی آپ نے شرکت کی اور خندق کھودنے میں حصہ لیا (سیرت ابن ہشام، ج3، ص61)۔

(4) غزوۂ خیبر: خیبر کے قلعہ کی فتح میں بھی آپ نے اہم کردار ادا کیا (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج2، ص158)۔

(5) صلح حدیبیہ: حدیبیہ کے مقام پر اللہ کے رسول اور قریش کے درمیان ہونے والی صلح میں آپ موجود تھے (صحیح بخاری، کتاب الشروط، حدیث نمبر 2731)۔

(6) غزوۂ تبوک: اس غزوہ میں آپ نے مالی مدد کی اور خود بھی شریک ہوئے (مسند احمد، ج1، ص184)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا انتقال اور تدفین:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا انتقال 32ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا، آپ کے انتقال کی وجہ طبعی موت تھی، آپ کی جنازہ کی نماز حضرت عثمان بن عفان نے پڑھائی اور جنت البقیع میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا (سیرت ابن ہاشم، ج4، ص328، البدایہ والنہایہ 7، ص182، طبقات، ج3، ص139)۔

حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ کا پورا نام ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ہے، ان کے والد کا نام عتبہ بن ربیعہ تھا، ان کا تعلق قریش کے قبیلہ بنوعبد شمس سے تھا، جو قریش کے مشہور سرداروں میں شمار ہوتے تھے، حضرت ابوحذیفہ کی کنیت ابوحذیفہ ہے اور ان کا اصلی نام ہشیم تھا، ان کا شمار ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والے افراد میں ہوتا ہے، یہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، انہوں نے حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، سیر اعلام النبلاء)۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوحذیفہ پر کئے گئے مظالم:

کیونکہ حضرت ابوحذیفہ نے بھی ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا تھا، اس لئے قریش مکہ نے دیگر مسلمانوں کی طرف آپ پر بھی سخت مظالم کئے، کیونکہ آپ کے والد عتبہ بن ربیعہ قریش کے معززین میں سے تھے، اللہ کے رسول کے مخالفین میں صف اول کے لوگوں میں شامل تھے، اس لئے بیٹے کے اسلام قبول کرنے پر سخت ناراض ہوئے، ان مظالم میں جسمانی تشدد اور ذہنی اذیتیں شامل تھیں، جو ان کے قبیلہ کی طرف سے دی گئی تھیں، جب خاندان والے ساری اذیت پہونچا کر بھی اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں کر سکے تو آپ کا سماجی بائیکاٹ کیا۔ علامہ ذہبی نے

سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے ان کے خاندان نے انہیں قید کرنے کی کوشش کی تا کہ انہیں اسلام سے دور کیا جا سکے۔علامہ ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کو جسمانی اذیتیں بھی دی گئیں، جیسے بھوکا پیاسا رکھنا، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ انہیں مکہ کی تپتی ہوئی زمین پر بھی لٹایا گیا، لیکن ساری سختیوں کو جھیل کر اسلام پر ثابت قدم رہے، اپنی جگہ سے نہ جھکے نہ ہلے بلکہ صبر اور استقامت کا دامن ہمیشہ تھامے رکھا۔

حضرت ابوحذیفہ کے بارے میں اللہ کے رسول کے ارشادات:

(1) ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے شہداء کے بارہ میں فرمایا تم جاؤ جنتی ہو، یہ ارشاد حضرت ابوحذیفہ کے بارے میں بھی تھا کیونکہ آپ بھی اس معرکہ میں شامل تھے (صحیح بخاری)۔(2) ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ان میں ابوحذیفہ بھی ہیں (صحیح مسلم)۔(3) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوحذیفہ اور ان کے غلام سالم جنت میں ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔

حضرت ابوحذیفہ کے بارے میں صحابہ کے تأثرات:

(1) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ابوحذیفہ اپنے زمانہ میں اپنے مقام کے اعتبار سے سردار تھے (الاصابہ فی تمییز الصحابہ)۔ (2) حضرت سالم نے فرمایا ابوحذیفہ کے ساتھ رہنے سے میں نے زندگی کی حقیقی خوشیوں کو پایا (سیر اعلام النبلاء)۔

(3) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں نے ابوحذیفہ کو انتہائی خوش اخلاق اور سچائی پر مبنی پایا (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب)۔

حضرت ابوحذیفہ کی غزوات میں شرکت:

(1) غزوۂ بدر: یہ اسلام اور کفر کے درمیان پہلی بڑی جنگ تھی، اس میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، لیکن اللہ نے انہیں فتح نصیب فرمائی حضرت ابوحذیفہ کے والد عتبہ بن ربیعہ بھی اسی جنگ میں مارے گئے۔

(2) غزوۂ احد: یہ جنگ بھی مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہوئی تھی، اس میں حضرت ابوحذیفہ شریک ہوئے اور ایمانی قوت کا مظاہرہ کیا۔

(3) غزوۂ خندق: یہ جنگ قریش اور ان کے اتحادیوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کے لئے کیا تھا، لیکن مسلمانوں نے خندق کھود کر شہر کو محفوظ کرلیا، اس میں بھی حضرت ابوحذیفہ شریک ہوئے۔

(4) غزوۂ بنوقریضہ: غزوۂ خندق کے بعد فوراً غزوۂ بنوقریضہ کا آغاز ہوگیا کیونکہ بنوقریضہ کے یہودیوں نے جنگ خندق کے دوران مسلمانوں کے خلاف قریش کا ساتھ دیا تھا جس کی وجہ سے ان کے خلاف کاروائی کرنی پڑی اس میں بھی حضرت ابوحذیفہ شریک ہوئے۔

(5) غزوۂ خیبر: مسلمانوں نے خیبر کے یہودی قلعوں کو فتح کیا، اس جنگ میں بھی حضرت ابوحذیفہ شریک ہوئے اور اپنی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

(6) غزوۂ حنین: اس جنگ میں مسلمانوں کو ابتداءً مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کی، اس میں بھی حضرت ابوحذیفہ شریک رہے۔

حضرت ابوحذیفہ کا انتقال اور تدفین:

حضرت ابوحذیفہ کا انتقال 12ھ میں ہوا، جنگ یمامہ جو خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں مرتدین کے خلاف لڑی گئی تھی، اس جنگ میں حضرت ابوحذیفہ نے شجاعت کا ثبوت دیا اور بالآخر آپ نے اسی جنگ میں جام شہادت نوش فرمالیا، اس جنگ میں آپ کے ساتھ دوسرے بہت سے صحابہ شہید ہوئے، سب کی نماز جنازہ اجتماعی طور پر حضرت خالد بن ولید نے پڑھائی جو اس جنگ کے سپہ سالار تھے، اور تمام شہداء کو یمامہ ہی میں سپرد خاک کردیا گیا، یہ مقام موجودہ سعودیہ عرب کے علاقہ نجد میں واقع ہے۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سعد ابن ابی وقاص کا پورا نام سعد بن مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب القرشی ہے، ان کے والد کا نام مالک بن وہیب تھا، حضرت سعد کا لقب ابواسحاق ہے، ان کا تعلق قبیلہ قریش کے خاندان بنو زہرہ سے تھا، اور یہ قریش کے اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی

طرف سے رشتہ دار تھے (سیر اعلام النبلاء، الطبقات الکبری، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب)۔

حضرت سعد نے سترہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، انہوں نے اسلام قبول کرنے کا شرف اس وقت حاصل کیا جب اللہ کے رسول نے ابتدائی زمانۂ نبوت میں اسلام کی دعوت دی تھی، حضرت سعد ان ابتدائی مسلمانوں میں ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق کے ذریعے اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت سعد بن وقاص کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر کیے گئے مظالم کا تذکرہ:

(1) اسلام قبول کرنے کے بعد مخالفت اور مظالم کا سامنا: اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت سعد بن وقاص کو قریش مکہ ان کے خاندان کی طرف سے شدید مخالفت اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا، ان کی والدہ جو اپنے بیٹے کے مسلمان ہونے پر ناراض تھی نے انہیں دھمکی دی کہ وہ اس وقت تک کھانا نہیں کھائیں گی جب تک کہ وہ اسلام کو نہ چھوڑ دے، حضرت سعد کی والدہ نے کئی دنوں تک بھوک ہڑتال کی مگر انہوں نے اسلام چھوڑنے سے انکار کر دیا اور اپنی والدہ کو صاف کہہ دیا کہ اگر ان کی سو جانیں بھی ہوں وہ سب ایک ایک کر کے قربان کرنے کو تیار ہیں لیکن اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے، لیکن ان کی والدہ نے یہ کہنے کے باوجود بھوک ہڑتال جاری رکھا یہاں تک کہ وہ کمزور ہو کر بے ہوش ہو گئیں۔

(2) قریش کا دباؤ: حضرت سعد کو قریش کی طرف سے بھی سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، ان کو طرح طرح کے دباؤ کا سامنا کرنا پڑا تا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو جائیں، مگر انہوں نے ہمیشہ ثابت قدمی دکھائی اور دین اسلام پر قائم رہے۔

(3) معاشرتی بائیکاٹ: حضرت سعد اور دیگر ابتدائی زمانے میں قبول کرنے والے مسلمان معاشرتی بائیکاٹ کے بھی شکار ہوئے جس میں ان کے ساتھ خرید وفروخت، نکاح اور دیگر معاملات کی بندش شامل تھی (الطبقات الکبری)۔

حضرت سعد کے بارے میں اللہ کے رسول کے ارشادات:

(1) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کے بارے میں فرمایا: "**اللھم سدد رمیتہ و أجب دعوتہ**" اے اللہ ان کے تیر کو ٹھیک نشانے پر لگا اور ان کی دعا کو قبول کرنا (صحیح بخاری وصحیح مسلم)۔(2) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی، یعنی یہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں (سنن ترمذی، کتاب المناقب)۔(3) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں بہادری سے تیراندازی کو دیکھ کر فرمایا "**ارم یا سعد، فداک أمی و أبی**" اے سعد تیر چلاتا جا میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں (صحیح بخاری ومسلم)۔(4) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: سعد میرے ماموں ہیں، ان جیسا شخص کوئی اپنا ماموں دکھائے (ترمذی کتاب المناقب)۔

حضرت سعد کے بارے میں حضرات صحابہ کے تاثرات:

(1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کے بارے میں فرمایا: سعد مضبوط قوت حافظہ رکھتے تھے، بڑے ذہین، سخی اور شریف تھے (الطبقات الکبری)۔ (2) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کے بارے میں فرمایا: میں نے سعد سے زیادہ ماہر تیر انداز اور ان سے زیادہ سخی آدمی نہیں دیکھا (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب)۔ (3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سعد اللہ کے رسول کے ان صحابہ میں سے تھے جنہیں جنت کی بشارت دی گئی تھی (الطبقات الکبری)۔ (4) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سعد وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا (صحیح مسلم)۔

حضرت سعد کی مرویات کی تعداد:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الإصابۃ فی تمییز الصحابہ میں لکھا ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کی تعداد 270 کے قریب ہیں جو صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد ابن حنبل میں موجود ہیں۔

حضرت سعد کا انتقال اور ان کی تدفین:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال 56ھ میں ہوا، اس وقت ان کی عمر تقریباً 80 سال تھی۔ حضرت سعد نے اک لمبی اور بابرکت زندگی گزاری، وفات کے وقت وہ اسلام کے ابتدائی دور کے آخری زندہ صحابی میں سے تھے، ان کی وفات کے وقت تک

مدینہ منورہ کے لوگ ان کی بزرگی اور خدمات کی وجہ سے ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ حضرت سعد کی تدفین جنت البقیع میں عمل میں آئی جہاں بہت سے صحابہ اور اہل بیت بھی مدفون ہیں۔ حضرت سعد کی نماز جنازہ مدینہ کے اس وقت کے گورنر اور خلیفۂ وقت مروان بن حکم نے پڑھائی، جیسا کہ الطبقات الکبری میں مذکور ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوعبیدہ بن جراح کا اصلی نام عامر بن عبد اللہ بن جراح الفہری القرشی ہے، ان کے والد کا نام عبد اللہ بن جراح تھا، ان کی کنیت ابوعبیدہ ہے، حضرت ابوعبیدہ قبیلۂ قریش کے فہر بن مالک بن النضر کی اولاد میں سے تھے، مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے (سیرت ابن ہشام، ج2، ص333، البدایہ والنہای، ج7، ص25، تاریخ طبری، ج2، ص333)۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوعبیدہ پر کئے جانے والے مظالم کا تذکرہ:

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ مکرمہ میں قریش اور اپنے خاندان کی طرف سے شدید مظالم اور تکالیف کا سامنا کیا، مستند اور معتبر تاریخ کی کتابوں میں ان مظالم کی تفصیلات درج ہیں: (1) سیرت

ابن ہشام میں مذکور ہے کہ حضرت ابوعبیدہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد قریش نے ان پر مختلف طرح کے مظالم کئے، ان پر جسمانی تشدد کیا گیا، ان کے کاروبار میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں، انہیں سماجی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا۔(2) البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ کو اپنے خاندان کے لوگوں کی طرف سے شدید مخالفت اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، ان پر مالی دباؤ ڈالا گیا، ان کو ہراساں کرنے کے لئے مختلف طرح کے حربے اپنائے گئے۔(3) امام طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ پر قریش نے شدید دباؤ ڈالا اور انہیں مختلف طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا، ان پر جسمانی تشدد کیا گیا اور سماجی بائیکاٹ بھی کیا گیا۔(4) حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں حضرت ابوعبیدہ پر کئے جانے والے مختلف طرح کے مظالم اور تکالیف کا ذکر کیا ہے۔ ان مظالم اور اذیتوں کے باوجود حضرت ابوعبیدہ کا توحید پر جمے رہنا آپ کی استقامت اور ایمان کی مضبوطی کو بتلاتا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے بارے میں اللہ کے رسول کے ارشادات:

(1) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں (بخاری ومسلم، حدیث نمبر 3744، 2419)۔

(2) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اپنی امت میں سے خلیفہ بناتا تو ابوعبیدہ بن جراح کو خلیفہ بناتا (ترمذی، حدیث نمبر 3757)۔(3) سیرت ابن ہشام میں حضرت ابوعبیدہ کے بارے میں اللہ کے رسول کے کئی ارشادات مذکور ہیں، جن میں

ان کی فضیلت اور اعلیٰ مقام کا ذکر ہے، اسی طرح حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اللہ کے رسول کے کئی ارشادات کا ذکر کیا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے بارے میں حضرات صحابہ کے ارشادات:

(1) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضرت ابوعبیدہ بن جراح زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بناتا (بخاری، حدیث نمبر 3742)۔(2) حضرت عمر کا یہی ارشاد مصنف ابن ابی شیبہ میں اس طرح ہے، اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بناتا کیونکہ میں نے اللہ کے رسول کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ اس امت کے امین ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ، ج6، ص370)۔(3) حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو میں تمہیں ابوعبیدہ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، یعنی میرے بعد ابوعبیدہ کو خلیفہ بنانا۔ اسی طرح سے سیرت ابن ہشام میں بھی مختلف حضرات صحابۂ کرام سے آپ کے فضائل کا ذکر ہے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات کی تعداد:

حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی مرویات کی تعداد تقریباً بیس سے پچیس تک ہیں جن میں اہم مسائل اور ہدایات کا ذکر ہے، جو مختلف احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، بخاری شریف میں صرف آپ کی ایک حدیث ہے، اسی طرح مسلم میں بھی ایک حدیث ہے، سنن ابوداؤد میں تین حدیث ہیں، سنن ترمذی میں آپ کی دو

روایتیں ہیں، سنن نسائی میں آپ کی صرف ایک روایت ہے، سنن ابن ماجہ میں بھی ایک روایت ہے، مسند احمد ابن حنبل میں چودہ روایتیں ہیں، مسند حاکم میں بھی آپ کی کچھ حدیثیں ہیں، مؤطا امام مالک میں بھی آپ کی روایتیں ہیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی غزوات میں شرکت:

(1) غزوۂ بدر: حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے غزوۂ بدر میں شرکت کی (سیرت ابن ہشام، ج2، ص273)۔

(2) غزوۂ احد: اس جنگ میں بھی آپ نے شرکت کی اور اپنی بہادری کا مظاہرہ کیا (البدایہ والنہایہ، ج4، ص19)۔

(3) غزوۂ خندق: آپ نے غزوہ خندق میں بھی بھرپور حصہ لیا (سیرت ابن ہشام، ج3، ص218)۔

(4) غزوۂ خیبر: اس غزوہ میں بھی آپ نے شرکت کی (البدایہ والنہایہ، ج4، ص170)۔

(5) غزوۂ موتہ: حضرت ابوعبیدہ نے اس غزوہ میں بھی شرکت کی جو رومیوں کے خلاف لڑی گئی تھی (تاریخ طبری، ج2، ص182)۔

(6) غزوۂ حنین: اس غزوہ میں بھی آپ نے شرکت کی جو قبیلۂ ھوازن اور قبیلۂ ثقیف کے خلاف لڑی گئی تھی (البدایہ والنہایہ، ج5، ص87)۔

(7) غزوۂ تبوک: اس غزوہ میں بھی آپ نے شرکت کی جو رومیوں کے خلاف لڑی گئی تھی (سیرت ابن ہشام، ج4، ص161)۔

(8) غزوۂ بنو مصطلق: اس غزوہ میں بھی آپ نے شرکت کی جو قبیلۂ بنو مصطلق کے خلاف لڑی گئی تھی (البدایہ والنہایہ، ج4، ص186)۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح کا انتقال اور تدفین:

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال اٹھاون سال کی عمر میں 18ھ میں طاعون عمواس میں ہوا، آپ کی نماز جنازہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور تدفین ملک شام (سوریہ) میں عمل میں آئی ان کا مزار موجودہ اردن کے علاقہ میں ہے (تاریخ طبری، طبقات، ابن سعد، سیرت ابن ہشام، البدایہ والنہایہ)۔

حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل نام افلح تھا، ان کے والد کا نام لیساء تھا، کنیت ابوفکیہہ تھی، یہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے، انہوں نے حضرت بلال حبشی کے ساتھ ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا، اسلام قبول کرنے کے بعد فریقین کی جانب سے شدید اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، ابن عبدالبر نے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں ان پر کئے گئے مظالم کا قدرے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابوفکیہہ پر قریش کی طرف سے کئے گئے مظالم

ابن عبد البر کے بقول حضرت ابوفکیہہ کو قریش لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر کھینچتے تھے، ان کو جلتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا تھا، ان کے گلے میں رسی باندھ کر گھسیٹا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہوجاتے، ان کے مظالم کی شدت اس قدر تھی وہ زندگی اور موت کی کش مکش میں آجاتے، ان ساری اذیتوں کا حاصل حضرت ابوفکیہہ کو اسلام چھڑوا کر قریش کے بتوں کی پوجا کی طرف لانا تھا، لیکن وہ ہمیشہ ثابت قدم رہے اور کبھی اسلام سے نہیں ہٹے، بلکہ ایمان کی مضبوطی کے ساتھ ہر امتحان میں کامیاب رہے۔

ابن اسیر نے اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حضرت ابوفکیہہ کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہیں قریش کی طرف سے غلامی اور کمزور ہونے کی بنا پر شدید جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا، آپ کو گرم پتھروں پر لٹا کر سینے پر وزنی چٹان رکھی جاتی تھی، انہیں بھوکا پیاسا رکھا جاتا تھا، اور بے ہوشی کی حالت تک پہنچا دیا جاتا، مگر انہوں نے ہر ظلم کو برداشت کیا اور دین اسلام پر ثابت قدم رہے، تقریباً یہی باتیں انکے بارہ میں امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں حضرت ابوفکیہہ کے بارہ میں لکھا ہے۔ حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرمہ میں اسلام کی راہ میں بے پناہ مصائب جھیلنے کے بعد دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرلی، ان کی ہجرت اللہ کے رسول کی ہجرت کے قریب قریب تھی، اور وہ ان صحابہ میں

شامل ہوگئے جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے ہجرت کی، آپ کا شمار بھی السابقون الاولون من المہاجرین والانصار میں ہوتا ہے، کیونکہ آپ غیر معروف صحابہ میں سے ہیں، اس لئے آپ کی تجہیز وتکفین کے سلسلہ میں تاریخ کی مستند اور معتبر کتابوں میں کوئی بات نہیں ملتی ہے اور نہ ہی صحاح ستہ کی حدیث کی دوسری کتابوں میں آپ سے نقل کردہ کوئی روایت ملتی ہے اور نہ ہی آپ کے فضائل کے سلسلہ میں کوئی روایت ملتی ہے، اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

حضرت ابولبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ابولبیبہ کا پورا نام لبیبہ بنت حارث تھا، ان کے والد کا نام حارث بن حسن تھا، وہ قبیلہ بنو ہلال سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کا آبائی علاقہ مکہ مکرمہ تھا، یہ آزاد خاتون تھیں، غلامی سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ حضرت لبیبہ اسلام قبول کرنے والی ابتدائی خواتین میں شامل تھیں، انہوں نے نبوت کے ابتدائی سالوں میں اسلام قبول کیا، مستند تاریخی کتابوں کے مطابق وہ حضرت خدیجہ کے ذریعے اسلام کی طرف راغب ہوئیں اور بہت جلد اسلام قبول کرلیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابولبیبہ پر ہونے والے مظالم کا تذکرہ:

اسلام قبول کرنے کے بعد کفار مکہ کی جانب سے سخت ترین اذیتیں اور مظالم

کا سامنا کرنا پڑا، قریش کے سرداروں کی طرف سے شدید تشدد اور ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا، ان کو سخت جسمانی تشدد کے ساتھ کفار مکہ نے انہیں بار بار دھوپ میں باندھ کے بھوکا پیاسا رکھا، مختلف طریقوں سے تکلیف پہنچائی، ان مظالم کا مقصد انہیں اسلام سے منحرف کرنا تھا، مگر انہوں نے کسی بھی لمحے اسلام سے وابستگی کو ترک نہیں کیا، قریش کے سرداروں نے ان سارے مظالم کے ساتھ ان کو گرم ریت پر لٹا دیا تا کہ وہ اسلام سے تائب ہو جائیں، حضرت عمر نے بھی ان پر ظلم وستم کیا اور انہیں سخت اذیتیں دیں، ایک روایت کے مطابق عمر بن خطاب نے حضرت لبیبہ کو اتنا مارا کہ وہ خود ہی تھک کر بیٹھ گئے، لیکن حضرت لبیبہ نے ان تمام تکالیف کے باوجود اپنے ایمان کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور "السابقون الأولون من المهاجرين والأنصار" کی صف میں شامل ہو گئیں، اس طرح حضرت لبیبہ نے بھی عورتوں کے لئے اپنے کو ایک مثال اور نمونہ بنا لیا، بہر حال آپ کا شمار ان صحابیات میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں عظیم قربانیاں دیں اور اللہ کی رضا کے لیے ظلم اور مشکلات کا سامنا کیا جو ان کے بلند مقام ومرتبے کا ثبوت ہے۔

تذکرہ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا

مستند تاریخی کتابوں کے حوالے سے حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کے بارے

میں تفصیلات درج کی جارہی ہیں:

(1) پورا نام: حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کا پورا نام ''زنیرہ'' ہی تھا۔ بعض روایات میں ''زنیرہ الرومیۃ'' بھی آیا ہے، مگر اس بارے میں زیادہ تر مورخین متفق نہیں ہیں۔

(2) والد کا نام: ان کے والد کا نام مستند روایات میں نہیں ملتا، جس کی وجہ سے تاریخ میں ان کے والد کے نام کا ذکر نہیں ہے۔

(3) تعلق: حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اصل میں روم کی رہنے والی تھیں، اسی لیے ان کو ''زنیرہ الرومیۃ'' کہا جاتا ہے، مگر بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ وہ قبیلہ قریش کی ایک باندی تھیں۔

(4) قبول اسلام: حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کیا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت تھی۔

(5) اسلام قبول کرنے کا وقت: انہوں نے اسلام مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور میں قبول کیا، جب کہ مسلمان سخت آزمائشوں کا سامنا کررہے تھے۔

(6) قبول اسلام کی دعوت: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا اور ان کو اسلام کی دعوت دی تھی جسے انہوں نے قبول کرلیا۔ یہ تفصیلات مستند تاریخی روایات اور سیرت کی کتابوں، جیسے کہ ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' از ابن حجر

عسقلانی اور ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' از ابن عبدالبر، سے ماخوذ ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت زنیرہ الرومیہ پر کئے گئے مظالم کا تذکرہ:

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کا شمار ان اولین صحابیات میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور اس راہ میں بے شمار مصائب و مشکلات کا سامنا کیا۔ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کا تعلق مکہ کی باندیوں میں سے تھا، اور آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خریداری اور آزادی سے پہلے کفار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنیں۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کو پہنچنے والے مظالم:

(1) اسلام قبول کرنے پر سخت سزائیں: جب حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا تو کفار مکہ نے آپ کو مختلف اذیتوں سے دوچار کیا۔ آپ کو شدید گرم زمین پر لٹایا جاتا اور آپ کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا تاکہ آپ اسلام سے باز آجائیں، لیکن آپ کا ایمان مضبوط تھا اور آپ نے کبھی بھی کلمۂ حق کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کیا۔

(2) آنکھوں کی روشنی سے محروم کرنا: حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر ظلم کا نشانہ بنایا گیا کہ آپ کی بینائی بھی متاثر ہوگئی۔ کفار مکہ نے آپ کے اندھے ہونے کا الزام اسلام پر لگایا اور کہا کہ یہ محمد ﷺ کے دین کی وجہ سے ہوا ہے، مگر حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا نے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور اپنے ایمان پر قائم رہیں۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی بینائی واپس لوٹا دی جس سے کفار مکہ حیران رہ گئے۔

(3) آزادی کی قیمت: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو کفار کے چنگل سے آزاد کروایا۔ آپ کی آزادی کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھاری قیمت ادا کی، لیکن ان کے ایمان کی مضبوطی اور حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کی قربانیاں اس کی اصل قیمت تھیں۔

مستند حوالہ جات:

(1) الاصابہ فی تمییز الصحابہ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا اور ان کی اسلام کے لیے قربانیوں کو سراہا ہے۔

(2) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کے اسلام قبول کرنے اور ان پر ڈھائے گئے مظالم کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(3) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ: ابن الاثیر رحمہ اللہ نے بھی ان کے حالات اور ان کی قربانیوں کو بیان کیا ہے۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کی مثال ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ حق کی راہ میں آنے والی تکالیف کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر

یقین رکھنا چاہیے۔

حضرت زنیرہ الرومیہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات:

اگرچہ حضرت زنیرہ الرومیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق براہ راست نبی کریم ﷺ کے اقوال حدیث کی مستند کتابوں میں کم موجود ہیں، تاہم آپ کی تکالیف اور ثابت قدمی کا ذکر تاریخی اور سیرت کی کتب میں موجود ہے، جن میں آپ کی مظلومیت اور صبر کا تذکرہ ہے۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی دعائیں ان کے حق میں قبول ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی کو واپس لوٹا دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو کفار کے ظلم وستم سے نجات دلانے کے لیے خرید کر آزاد کر دیا تھا، جیسا کہ انہوں نے کئی دیگر غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ کیا تھا جو اسلام قبول کر چکے تھے۔

خلاصہ:

حضرت زنیرہ الرومیہ رضی اللہ عنہا کی زندگی اسلام کی راہ میں ثابت قدمی اور صبر کی اعلیٰ مثال ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات کا براہ راست ذکر کم ملتا ہے، لیکن آپ ﷺ کے صحابہ کے ساتھ محبت، ہمدردی، اور ان کی نجات کے لیے آپ کی کوششیں ان کی عظمت کو اجاگر کرتی ہیں۔ ان کا ایمان اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہر مسلمان کے لیے مشعل راہ ہے۔

تذکرہ حضرت ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا کے متعلق تاریخی کتب میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ ذیل میں جو کچھ تفصیلات موجود ہیں وہ بیان کی جارہی ہیں:

(1) نام اور نسب: حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا کا مکمل نام کتب تاریخ میں واضح طور پر موجود نہیں ہے۔ عام طور پر انہیں ام عبیس کے نام سے جانا جاتا ہے اور بعض روایات میں ان کا نام حضرت عبیس رضی اللہ عنہا کے حوالے سے آیا ہے۔ ان کے والد کے نام کے بارے میں بھی کوئی مستند روایت دستیاب نہیں ہے۔

(2) قوم اور قبیلہ: یہ بھی واضح نہیں کہ حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا کا تعلق کس قبیلے سے تھا۔ البتہ یہ مکہ مکرمہ کی رہائشی تھیں اور ابتدائی مسلمانوں میں شامل تھیں۔

(3) قبول اسلام: حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا نے اسلام کے ابتدائی ایام میں ہی اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کی دعوت کے حوالے سے خاص طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ دیگر خواتین صحابیات کے ساتھ بھی ہوا۔

(4) قبول اسلام کی دعوت: مستند تاریخی کتب میں، جیسے ابن ہشام کی ''سیرت ابن ہشام'' اور ''الاستیعاب'' از ابن عبدالبر، میں حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا کے قبول اسلام کے واقعہ کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ تاہم یہ بات واضح

ہے کہ وہ ابتدائی مسلمانوں میں شامل تھیں اور انہوں نے دعوت اسلام قبول کی۔ یہ تفصیلات مستند روایات کی روشنی میں ممکنہ حد تک فراہم کی گئی ہیں، البتہ ان کی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے بارے میں بہت کم معلومات مستند تاریخی کتب میں ملتی ہیں۔

حضرت ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر کیے گئے مظالم کا تذکرہ:

حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا ان صحابیات میں سے ہیں جنہوں نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا اور مکہ مکرمہ میں شدید ترین مظالم کا سامنا کیا۔ ان کا اصل نام زینب بنت عبد اللہ تھا۔ حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا نے جب اسلام قبول کیا تو قریش نے ان پر بھی اسی طرح ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جیسے دیگر کمزور اور نادار مسلمانوں پر کیا کرتے تھے۔ انہیں بھوکا پیاسا رکھنا، جسمانی اذیت دینا اور مکہ کی گلیوں میں گھسیٹنا، یہ سب ان مظالم کا حصہ تھا جن کا انہیں سامنا کرنا پڑا۔ مستند کتابوں میں یہ ذکر ملتا ہے کہ حضرت ام عبیس اور دیگر صحابہ کرام کو دارِ ارقم میں چھپ کر نماز پڑھنے پر مجبور کیا گیا تاکہ مشرکین کے ظلم وستم سے بچا جا سکے۔ حضرت ام عبیس کے مظالم کے واقعات کا ذکر مختلف تاریخی کتابوں جیسے ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' از ابن حجر عسقلانی اور ''اسد الغابہ'' از ابن اثیر میں موجود ہے۔ ان کتابوں کے مطابق قریش نے حضرت ام عبیس اور دیگر صحابہ کو اسلام کی راہ سے ہٹانے کی بہت کوششیں کیں، مگر ان کی ثابت قدمی نے ہر بار ان کو ناکام کر دیا۔ حضرت ام عبیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مظالم کے حوالے سے استیعاب میں لکھا ہے۔ حضرت ام عبیس (رضی اللہ عنہا) نے اسلام قبول

کرنے کے بعد بہت سی مشکلات اور مظالم کا سامنا کیا۔ تاریخ کی کتاب ''استیعاب'' میں ان کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو قریش کے سرداروں نے ان پر ظلم وستم ڈھانے شروع کر دیے۔

(1) پہلا ظلم: حضرت ام عبیس کو ان کے شوہر اور قریش کے دوسرے لوگوں نے شدید جسمانی اذیت دی۔

(2) دوسرا ظلم: انہیں شدید اقتصادی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ ان کی مالی مدد بھی بند کر دی گئی۔

(3) تیسرا ظلم: ان پر سماجی اور نفسیاتی دباؤ بھی ڈالا گیا، تاکہ وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں۔ ان تمام مظالم کے باوجود حضرت ام عبیس نے اسلام کے راستے پر ثابت قدمی دکھائی اور اپنے ایمان کی حفاظت کی۔

حضرت ام عبیس کے بارے میں اللہ کے رسول کا ارشاد:

حضرت ام عبیس، جو کہ اسلامی تاریخ میں ایک مشہور شخصیت ہیں، کے بارے میں اسلامی مصادر میں کچھ روایات موجود ہیں۔ حضرت ام عبیس کا نام 'ام عبیس' نہیں بلکہ 'ام المومنین' ہے۔ ان کے بارے میں معروف روایات اور احادیث کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(1) قبول اسلام کے بعد کی روایت: حضرت ام عبیس ایک خاتون تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور

اپنے قبول اسلام کا ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایمان داری کی تعریف کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایمان اور اسلام کی پذیرائی کی اور انہیں دعائیں دیں۔

(2) **احادیث کی کتابوں میں ذکر:** حضرت ام عبیس کے بارے میں احادیث کی کتابوں میں چند روایات ملتی ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے ساتھ محبت اور احترام کا اظہار شامل ہے۔ خاص طور پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے، اس کا ایمان مضبوط ہونا چاہئے اور اس کو اسلامی احکام کی پیروی کرنی چاہئے۔

(3) **ترمذی اور دیگر مصادر:** صحیح بخاری، صحیح مسلم، اور سنن ترمذی میں حضرت ام عبیس کے بارے میں کوئی خاص تفصیلی حدیث موجود نہیں ہے، لیکن اسلامی روایات میں ان کا ذکر ان کی ایمان داری اور قبول اسلام کے بعد کی حالت کی وجہ سے ملتا ہے۔

حضرت ام عبیس کے بارے میں حضرات صحابہ کے ارشادات:

حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے اقوال اور حدیث کی کتابوں میں کچھ ذکر موجود ہے۔ حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا تھا، اور ان کے بارے میں احادیث میں درج ذیل تفصیلات ملتی ہیں:

(1) ابن سعد کی ''طبقات'' میں حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا تھا اور ان کا نام ''العبیس'' تھا، جو بعد میں ''ام عبیس'' بن گیا۔(2) ابن حبان کی ''صحیح ابن حبان'' میں حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا کی اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے اور ان کے ساتھ بیٹھنے کا ذکر ہے۔(3) نسائی کی ''سنن نسائی'' میں حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا کے بارے میں بعض روایات ملتی ہیں جو ان کے اسلام قبول کرنے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے تعلقات کی وضاحت کرتی ہیں۔ یہ روایات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت ام عبیس رضی اللہ عنہا کی اسلامی تاریخ میں ایک اہم جگہ ہے اور ان کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی تعلق تھا۔

حضرت ام عبیس کا انتقال اور تدفین:

حضرت ام عبیس (رضی اللہ عنہا) کا انتقال 65 ہجری میں ہوا۔ ان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔ ان کی جنازے کی نماز حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے پڑھائی۔ تدفین بھی مدینے منورہ میں ہو۔

ہجرت کے بعد مسلمانوں کے لئے مشکلات

ہجرت کے بعد اگر چہ مسلمانوں کو کفار مکہ کے ظلم وستم سے نجات مل گئی تھی، مگر

مدینہ منورہ میں ایک نیا دور شروع ہوا، جس میں انہیں مختلف محاذوں پر سخت آزمائشوں اور چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے، مسلمانوں کے سامنے قریش مکہ کی عسکری قوت کھڑی تھی، جو ہر لمحے مسلمانوں کو کچلنے کے لیے تیار تھی۔ دوسری جانب، اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ، مذہبی و سیاسی محاذ پر مسلمانوں کے مخالف تھے۔ ان کا مقابلہ کھلم کھلا تھا، جس کے لیے مسلمانوں کو اپنی حکمت عملی مرتب کرنی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ تشویشناک صورتحال منافقین کی تھی، جو اسلام کا لبادہ اوڑھے مسلمانوں کو اندر سے کھوکھلا کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ یہ منافقین مار آستین تھے، ان کی سازشیں اور فریب مسلمانوں کے لیے سب سے خطرناک تھے۔ کیونکہ ظاہر میں وہ مسلمان کہلاتے تھے، لیکن دل سے اسلام کے دشمن تھے۔ ان کی چالوں سے بچنا اور مسلمانوں کو ان کی شر انگیزیوں سے محفوظ رکھنا بے حد دشوار تھا۔ مزید برآں، کفار مکہ کی خفیہ چالیں بھی وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچاتی رہیں۔ مکّہ والوں نے مختلف مواقع پر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں اور تعلیم و تدریس کے بہانے سے صحابہ کرام کو بلا کر ان کے قتل کے منصوبے بنائے، جس کے نتیجے میں کئی معزز صحابہ شہید ہو گئے۔ یہ واقعات مسلمانوں کے لیے غم واندوہ کا باعث بنے، مگر ہر مصیبت میں ان کا ایمان مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ مسلمانوں کو ان تینوں طاقتوں کا سامنا ایک ساتھ کرنا تھا۔ ان کی ثابت قدمی، عزم، اور خلوصِ نیت نے ہر آزمائش میں ان کا ساتھ دیا، اور وہ ان حالات کا مقابلہ حکمت و تدبر سے کرتے رہے، جس کے نتیجے میں اسلام کی روشنی

پوری دنیا میں پھیل گئی۔

فتنوں کا آغاز:

اسلام نے ہمیشہ اپنے ہر مقابلے سے ٹکرا کر اپنی حقانیت کو منوایا اور اپنی برتری ثابت کی، مگر منافقین نے داخلی فتنے پیدا کر کے اسلام کی سیاسی برتری کو کمزور کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ ان منافقوں کا باقاعدہ ظہور شہادت عثمان غنی سے ہوا، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ شہادت فاروق اعظم ہی ان کی منظّم سازش کی پہلی سیڑھی تھی، تو شاید تاریخ بھی اس بات کی تصدیق کرے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلؤ فیروز کے ساتھ دو اور فتنہ پرور عناصر شامل تھے جو سازش میں برابر کے شریک تھے۔ اسی طرح، بانی رفض عبداللہ بن سبا کا کردار بھی تاریخ کے صفحات میں ایک منافق اور مفسد کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس شخص نے اسلام اور آلِ رسول کی محبت کا نقاب اوڑھ کر یہودی نظریات کو فروغ دیا اور اسلام کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے مٹانے کی کوشش کی۔ اس مردود کی سازشیں بعض اوقات اتنی مؤثر ثابت ہوئیں کہ وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوا۔

اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ عبداللہ بن سبا کی فتنہ پردازیاں اور اس کی اسلام دشمنی، اسلام کے سیاسی استحکام کو کمزور کرنے کی ایک گہری سازش تھی۔ اس نے نہ صرف مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دی بلکہ اپنے ناپاک ارادوں سے

امت مسلمہ کے اتحاد کو توڑنے میں بھی کردار ادا کیا۔ تاہم، اسلام کے اصل اصول اور اس کی حقانیت نے ہر دور میں ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور اپنے حق پر قائم رہا۔

خوارج کا وجود اور فتنہ پروری:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہ اور تابعین کے رجحانات میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض مورخین نے صحابہ اور تابعین کو دو گروہوں یعنی ''عثمانی'' اور ''علوی'' کے نام سے موسوم کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسی اختلاف کی شدت کی وجہ سے خوارج کی تحریک وجود میں آئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل اور جنگ جمل و صفین کی تباہیوں سے متاثر ہو کر ایک گروہ نے سوچا کہ مسلمانوں کو ان فتنوں سے بچانے کی راہ نکالی جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل اور حضرت معاویہ و عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر حملے اسی سوچ کا نتیجہ تھے اور اسی گروہ کے کارنامے تھے۔

واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ کی تپش:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی تاریخ کا ایک نیا موڑ سامنے آیا جب آپ نے اپنی حکومت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر کے یزید کو اپنی جانشینی عطا کر دی۔ یہ ایک منفرد عمل تھا جس نے مستقبل کی سیاست کو ایک نیا رخ دیا۔ یزید کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ نے حق کی خاطر آواز بلند کی۔ اس کشمکش نے نہ صرف اسلامی دنیا میں فکری و عملی تبدیلیوں کی بنیاد رکھی بلکہ دو عظیم اور دلخراش واقعات یعنی واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ کو بھی جنم دیا۔

واقعہ کربلا کا تذکرہ ہو تو دل غم واندوہ سے بھر جاتا ہے، جہاں خانوادۂ نبوت نے بے مثال قربانی دے کر ظلم و جبر کے خلاف ہمیشہ کے لیے ایک ایسا معیار قائم کر دیا جو رہتی دنیا تک انسانیت کو ظلم کے خلاف ڈٹ جانے کا درس دیتا رہے گا۔ اسی طرح واقعہ حرہ، جو یزید کی حکومت کے ظلم وستم کی ایک اور دل خراش مثال ہے، اسلامی تاریخ میں ایک ایسا باب ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں واقعات درحقیقت جرات، استقلال اور حق کے لیے قربانی کے انمول سبق پیش کرتے ہیں۔ حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جدوجہد نے اسلام کے اصولوں کو زندہ کیا اور جابر حکمرانوں کے سامنے حق گوئی کی شمع روشن کی۔

حضرت عثمان کی شہادت اور ایک نئے دور کا اغاز

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت مسلمہ میں جو گروہی تقسیم پیدا ہوئی، اس کی بنیاد پر اسلامی معاشرے میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ یہ تین گروہ بنوامیہ کے طرف دار، شیعانِ علی، اور خوارج، ہر ایک کی اپنی تاریخ اور اپنے مقاصد

تھے۔اس وقت کے صحابہ وتابعین پر فطری طور پر یہ لازم تھا کہ وہ حالات کے پیش نظر ان گروہوں میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہوتے۔تاہم، اس تقسیم کو صرف سیاسی ومعاشرتی نقطہ نظر سے دیکھنا ایک سطحی جائزہ ہوگا۔ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ تمام افراد اور گروہ اپنے مخصوص عقائد اور نظریات کے حامل تھے،اور اُن کے دلوں میں دین کی سربلندی اور امت کی وحدت کا شدید جذبہ تھا۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حامیوں کا مؤقف،حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں کا جذبہ حق، اور خوارج کی اپنی سوچ،سب نے ایک پیچیدہ معاشرتی اور مذہبی مسئلہ کو جنم دیا۔اس دور میں صحابہ اور تابعین کے رجحانات اور ان کے فیصلے اور نظریات عمیق فہم،علم، اور دین سے محبت کی بناء پر تھے۔امت کی اس تقسیم کو ایک امتحان کے طور پر دیکھنا چاہیے، جس کے ذریعے اسلام کے اصولوں کی پاسداری اور امت کے اتحاد کو ازسرنو سمجھنے کی کوشش کی گئی۔

بنوامیہ کا تعارف اور اس کے افکار وخیالات

بنوامیہ،عرب کی مشہور قریش قبیلے کی ایک شاخ ہے جس کی نسبت امیہ بن عبدشمس کی طرف کی جاتی ہے۔امیہ،قریش کے معزز سردار عبدشمس بن عبدمناف کے فرزند تھے۔بنوامیہ کا دورِ حکومت سن 41 ہجری سے 132 ہجری تک رہا، جسے اسلامی

تاریخ میں دورِ خلافتِ بنوامیہ کہا جاتا ہے۔

بنوامیہ کا آغاز:

بنوامیہ کا سلسلہ امیہ بن عبد شمس سے شروع ہوتا ہے، جو بنوامیہ کے جدامجد تھے۔ان کے بعد بنوامیہ کی سیاسی طاقت حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوئی۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاندانی اعتبار سے قریش کے قبیلے بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔بنوامیہ کی حکومت کا باقاعدہ آغاز 41 ہجری میں ہوا جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی، اور اس سال کو ''عام الجماعۃ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

بنوامیہ کے عقائد اور سوچ:

بنوامیہ کا بنیادی مذہب اسلام تھا، اور وہ توحید، نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، اور اصولِ شریعت پر ایمان رکھتے تھے۔البتہ، ان کے سیاسی عقائد ونظریات میں ایک فرق تھا۔بنوامیہ نے خلافت کے بجائے سلطنتی طرزِ حکومت کو اپنایا، اور انہوں نے موروثی سیاست کی بنیاد رکھی، جسے اکثر علماء اور مسلم تاریخ دانوں نے خلافتِ راشدہ سے ایک انحراف قرار دیا ہے۔

بنوامیہ کی سیاست:

بنوامیہ کی سیاست کا بنیادی مقصد اسلامی حکومت کو مضبوط کرنا اور عرب قوم کو

متحد رکھنا تھا۔ انہوں نے اسلامی فتوحات کو وسیع کیا، اور ایران، شمالی افریقہ، اور اندلس (اسپین) کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔ تاہم، ان کی حکومت میں کچھ مواقع پر ظلم و جبر اور خاندانی عصبیت بھی دیکھی گئی، جس کی وجہ سے کچھ علاقوں میں بغاوتیں بھی ہوئیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا واقعۂ کربلا بھی اسی دورِ حکومت کا ایک الم ناک حصہ ہے۔

بنوامیہ کے افکار و خیالات:

بنوامیہ کی حکومت میں علم، ثقافت، اور تعمیراتی کاموں کو بھی فروغ دیا گیا۔ دمشق میں اموی مسجد (جامع اموی) ان کی تعمیراتی سرگرمیوں کا ایک اہم نمونہ ہے۔ انہوں نے قرآن اور اسلامی علوم کی حفاظت اور اشاعت کے لیے کام کیا، لیکن سیاسی اور حکومتی مسائل میں ان کی ترجیحات ذاتی اور خاندانی اقتدار کی مضبوطی پر مرکوز رہیں۔

تاریخی کتب کے حوالے:

''البدایۃ والنہایۃ'' از ابن کثیر: اس کتاب میں بنوامیہ کے عروج و زوال کی تفصیل ملتی ہے۔ ''تاریخ الطبری'' از امام طبری: یہ کتاب بنوامیہ کے عہد کی تفصیلات پر ایک مستند ماخذ ہے۔ ''فتوح البلدان'' از بلاذری: اس کتاب میں بنوامیہ کے دور کی فتوحات اور ان کی حکمرانی کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ''تاریخ الخلفاء'' از امام سیوطی: اس میں بنوامیہ کے حکمرانوں اور ان کے کارناموں کا ذکر موجود ہے۔

خلاصہ:

بنو امیہ، اسلام کے ابتدائی دور کے طاقتور اور متنازع حکمران تھے۔ ان کا عروج حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے شروع ہوا اور 132 ہجری میں عباسی خلافت کے قیام کے ساتھ ان کا زوال ہوا۔ بنو امیہ نے اسلامی حکومت کو وسیع کیا، لیکن ان کی حکومت میں خاندانی عصبیت اور موروثی سیاست کو فروغ ملا۔ ان کے عہد میں اسلامی ثقافت اور تعمیراتی کاموں کو بھی عروج ملا۔

گروہ نمبر دو شیعان علی منظر و پس منظر

''شیعان علی'' (علی کے پیروکار) وہ گروہ ہے جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خلافت اور امامت کا اصل حقدار مانتا ہے۔ اس گروہ کا آغاز ابتدائی اسلامی تاریخ میں اس وقت ہوا جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت مسلمہ میں خلفاء کے بارے میں اختلافات پیدا ہوئے۔

1- بانی:

شیعہ گروہ کے بانی کو ایک مخصوص شخصیت سے منسوب کرنا مشکل ہے، لیکن اس فکر کی بنیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ہی پڑی تھی۔ بعد میں

اس گروہ کے نظریات کی ترتیب اور ترویج میں مختلف لوگوں نے کردار ادا کیا، جن میں سے عبداللہ بن سبا کو خاص طور پر ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ عبداللہ بن سبا یہودی مذہب سے تعلق رکھتا تھا، جو بعد میں اسلام قبول کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا داعی بنا۔

2-وقت اور پس منظر:

شیعہ گروہ کے باقاعدہ وجود میں آنے کا وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے جڑا ہوا ہے۔ اسلامی تاریخ میں یہ گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کے نام پر پیدا ہوا۔ بعد کے زمانے میں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعان علی ایک منظّم فرقے کی شکل اختیار کر گیا۔

3-عقائد:

شیعان علی کے بنیادی عقائد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو خلافت و امامت کا حقدار ماننا، اہل بیت کی محبت اور ان کی پیروی کو واجب سمجھنا شامل ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو براہ راست اللہ کی طرف سے امامت کا منصب دیا گیا تھا۔ بعد میں اس گروہ میں مختلف عقائد شامل ہوئے، جیسے: اماموں کی معصومیت (کہ ائمہ معصوم ہوتے ہیں اور ان سے کوئی غلطی نہیں ہوتی)۔ نص (وحی

یا الہام کے ذریعے امامت کا تعین)۔تولا (اہل بیت کی محبت) اور تبرا (اہل بیت کے دشمنوں سے بیزاری)۔

4-مستند تاریخی کتابوں کے حوالے:

شیعان علی کے آغاز اور ان کے عقائد کی تفصیلات درج ذیل تاریخی کتابوں میں پائی جاتی ہیں:

''الفرق بین الفرق'' از امام عبدالقاہر البغدادی: اس کتاب میں شیعہ فرقے کے ابتدائی عقائد اور ان کے پس منظر کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

''المِلَل وَالنِّحَل'' از شہرستانی: اس کتاب میں اسلامی فرقوں کی تاریخ اور عقائد کا مفصل تذکرہ ملتا ہے، جس میں شیعہ گروہ کے عقائد بھی شامل ہیں۔

''تاریخ طبری'': اس کتاب میں ابتدائی اسلامی دور کے واقعات، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت، اور شیعہ نظریات کی پیدائش کے بارے میں اہم معلومات ملتی ہیں۔

''البدایہ والنہایہ'' از ابن کثیر: اس کتاب میں خلفائے راشدین کے دور کی مکمل تاریخ درج ہے، جس میں شیعہ نظریات کے بارے میں بھی بیان موجود ہے۔

یہ تاریخی کتب اس گروہ کے آغاز، پس منظر، اور عقائد کی تفصیلات کے بارے میں مستند معلومات فراہم کرتی ہیں۔

گروہ نمبر تین خوارج اور ان کے عقائد

'خوارج' ایک وہ گروہ ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وجود پایا۔ اس فرقے کے وجود کا سبب مسلمانوں کے اندر افتراق و اختلاف تھا، خصوصاً جنگ صفین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والے واقعات۔ جب جنگ صفین کے دوران صلح کے لئے تحکیم (ثالثی) کی تجویز آئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ایک گروہ نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافر قرار دیا۔ یہی لوگ بعد میں ''خوارج'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

1-خوارج کا بانی:

تاریخی روایات کے مطابق، خوارج کا اصل بانی ایک جماعت تھی نہ کہ کوئی مخصوص فرد۔ البتہ اس جماعت میں 'عبداللہ بن وہب الراسبی' نامی شخص نمایاں تھا اور اس نے ان لوگوں کی قیادت کی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔

2-خوارج کے وجود کا پس منظر:

خوارج کے وجود میں آنے کا پس منظر 'جنگ صفین' اور تحکیم کا مسئلہ تھا۔

خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو کہ وہ ثالثی کو تسلیم کریں گے، غلط قرار دیا۔ ان کے نزدیک فیصلہ صرف اللہ کی کتاب کے مطابق ہونا چاہیے اور کوئی بھی ثالث بننے کا حق نہیں رکھتا۔ اس واقعے کے بعد انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف بغاوت کر دی۔

3-خوارج کے عقائد:

خوارج کے عقائد میں سے چند اہم عقائد درج ذیل ہیں:

"تکفیر: خوارج کا سب سے نمایاں عقیدہ یہ تھا کہ جس شخص سے کبیرہ گناہ سرزد ہو جائے، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کی توبہ کے بغیر اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

"خلافت: ان کے نزدیک خلافت کے لئے قریش سے ہونا ضروری نہیں بلکہ کوئی بھی مسلمان خلافت کا حقدار بن سکتا ہے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی قبیلے یا قوم سے ہو۔

"تحکیم": خوارج تحکیم (ثالثی) کو کفر سمجھتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک فیصلہ صرف اللہ کی کتاب کے مطابق ہونا چاہئے، نہ کہ کسی انسان کی ثالثی کے ذریعے۔

"معصیت: ان کا عقیدہ تھا کہ اگر کسی امام یا خلیفہ سے معصیت سرزد ہو جائے، تو اس کے خلاف خروج اور بغاوت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

4-مستند تاریخی حوالہ جات:

خوارج کے حالات اوران کے عقائد کے بارے میں معتبر تاریخی کتب میں تفصیلات ملتی ہیں، جن میں خاص طور پر درج ذیل کتابیں شامل ہیں:

'تاریخ طبری: امام محمد بن جریر الطبری کی کتاب "**تاریخ الامم والملوک**" میں خوارج کے ظہور اوران کے عقائد کے بارے میں تفصیلی ذکر موجود ہے۔

'البدایہ والنہایہ: حافظ ابن کثیر کی یہ مشہور تاریخی کتاب بھی خوارج کی تاریخ اوران کے عقائد پر روشنی ڈالتی ہے۔

'تاریخ ابن خلدون: اس کتاب میں ابن خلدون نے خوارج کے عروج وزوال اوران کے نظریات کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔

انداز ظلم وستم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت میں تین بڑے گروہ وجود میں آئے: بنوامیہ، شیعان علی، اور خوارج۔ یہ تینوں گروہ قبائلی عصبیت اور فرقہ واریت کے رجحانات سے بھرے ہوئے تھے۔ بنوامیہ سیاسی اور عسکری طاقت کے حامل تھے اوران کی حکمرانی میں جوسزائیں مقرر کی جاتیں، انہیں روکنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔ بعض صحابہ کرام کو کھلم کھلا اذیت نہیں دی جاتی تھی، لیکن خفیہ سازشوں کے ذریعے

انہیں نقصان پہنچایا جاتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو زہر آلود نیزے سے زخمی کیا گیا، اور کئی دیگر صحابہ کو بھی مقامی افواج کے ذریعے تکلیف پہنچائی گئی۔ حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کو بھی اس ظلم کا سامنا کرنا پڑا۔ ان پر تشدد کبھی کسی بے بنیاد جرم کا بہانہ بنا کر کیا جاتا اور کبھی محض ان کی عزت و مقام کو کم کرنے کے لیے۔ یہ ظلم و ستم صرف جسمانی اذیت تک محدود نہ تھا، بلکہ جیلوں میں قید، کوڑوں کی سزا، اور قتل جیسی سنگین سزائیں بھی دی جاتیں۔ اہل علم اور اصحاب فضل وکمال کو عوام میں ذلیل ورسوا کیا جاتا، ان کی گردنوں پر نشان لگائے جاتے، انہیں مجمع عام میں بدزبانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ان حالات میں صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کے ساتھ کی جانے والی بدسلوکی نہ صرف ان کی عزت وعظمت کے خلاف تھی بلکہ اسلامی اقدار کے بھی منافی تھی۔ ان پر ہونے والا ظلم ان کے درجات کو مزید بلند کرنے کا سبب بنا، لیکن امت میں فرقہ واریت اور نفرت کی جڑیں گہری ہوتی چلی گئیں، جس کا اثر آج تک باقی ہے۔

50 ہزار علماء واولیاء کا قتل ناحق

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلامی تاریخ میں جو فتنے اور

انتشار کا دور شروع ہوا، اس کی جڑیں ایک منافق یہودی، عبداللہ بن سبا، کی سازشوں میں تھیں۔ عبداللہ بن سبا، جو فرقہ رافضیہ کا بانی سمجھا جاتا ہے، نے اسلام کی وحدت اور استحکام کو تہ و بالا کرنے کے لیے گہری چالیں چلیں۔ اس نے اپنی حکومت کا دعویٰ تو نہیں کیا، لیکن بڑی مکاری سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں آواز بلند کرتے ہوئے مسلمانوں میں اختلافات کی آگ بھڑکا دی، جس کا نقصان امت کو آج تک بھگتنا پڑ رہا ہے۔ بعد کے ادوار میں بنوامیہ کے حکمرانوں میں سب سے بڑا ظالم و جابر حجاج بن یوسف تھا، جس نے ظلم و ستم کی تمام حدیں پار کر دیں۔ حجاج کا دور ایک خونریز اور دہشتناک دور تھا، جس میں پچاس ہزار علماء اور اولیاء کو ناحق قتل کیا گیا۔ اس کے ظلم کی شدت کو دیکھتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''اللہ کی قسم! خدا کی زمین ظلم و ستم سے بھر چکی ہے''۔ ''اس دور میں شام میں ولید، عراق میں حجاج، حجاز میں عثمان بن حبارہ، اور مصر میں قرہ بن شریک جیسے حکمرانوں نے ظلم کا بازار گرم رکھا۔ تاریخی روایات میں امام طبری بیان کرتے ہیں کہ قریش کی ایک شاخ، آیہ، حجاج کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مدینہ منورہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی اور ہندوستان کے ساحلوں پر آ کر بس گئی۔ یہ واقعہ 152ھ کا ہے۔ یوں ظلم و جبر کا سلسلہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور تک جاری رہا، جو اس تاریک دور میں ایک امید کی کرن بن کر ابھرے اور عدل و انصاف کو بحال کیا۔ یہ خلاصہ اسلامی تاریخ کے اس پرآشوب دور کی تصویر پیش کرتا ہے، جہاں ظلم و ستم کا دور دورہ تھا، مگر حق و عدل کے علمبرداروں کی قربانیوں اور جدوجہد نے امت کو استقامت کی راہ دکھائی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی آمد

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دور خلافت اسلامی تاریخ میں ایک درخشاں باب کے طور پر جانا جاتا ہے، حالانکہ ان کی خلافت کی مدت صرف دو سال اور پانچ مہینے پر محیط رہی، لیکن اس مختصر عرصے میں انھوں نے ایسی اصلاحات کیں جو امت مسلمہ کے لیے سکون اور راحت کا سبب بنیں۔

پس منظر:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا تقرر خلافت کے اس دور میں ہوا جب بنو امیہ کی حکومت پر سخت تنقید کی جارہی تھی۔ ان کے پیشرو حکمرانوں نے اپنے ذاتی مفادات اور اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے ظلم و جبر کا سہارا لیا، اور امت کے عمومی حالات نہایت خراب تھے۔ لوگوں پر بے جا ٹیکس لگائے گئے، اور بہت سے علاقوں میں بدامنی اور ناانصافی کا ماحول عام تھا۔ ایسے میں امت کو ایک ایسے خلیفہ کی ضرورت تھی جو عدل و انصاف پر مبنی حکومت قائم کرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلے

ظالمانہ حکومتی نظام کوختم کیا اور عدل و انصاف پر مبنی حکمرانی کا آغاز کیا۔ انھوں نے بیت المال کو عوامی فلاح کے لیے استعمال کیا اور لوگوں سے غیر قانونی ٹیکسز ختم کر دیے۔ ان کی حکومت میں ہر شہری کو بنیادی حقوق ملے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ انھوں نے اپنے خاندان کے ناجائز امتیازات کوختم کرتے ہوئے بیت المال سے ملنے والی ناجائز مراعات واپس لی۔

ظلم کا خاتمہ:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ظلم وستم کے خاتمے کے لیے بہت سی بنیادی اصلاحات کیں۔ سب سے پہلے انھوں نے ان لوگوں کے حق میں فیصلے دیے جن کے ساتھ ظلم ہوا تھا اور جن کے حقوق غصب کیے گئے تھے۔ انھوں نے اپنے گورنروں کو سختی سے ہدایت دی کہ وہ عوام کے ساتھ انصاف کریں اور کسی قسم کا ظلم برداشت نہ کریں۔

اقتصادی انصاف:

ان کے دور میں بیت المال کا درست استعمال کیا گیا، اور معاشرے کے ہر طبقے کو اس سے فائدہ پہنچا۔ بہت سے مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں زکات لینے والا کوئی نہ تھا، کیونکہ ہر شخص کو اپنی ضروریات پوری کرنے کا سامان مہیا تھا۔ یہ ان کی اقتصادی پالیسیوں اور عوامی فلاح کے پروگراموں

کی کامیابی کا ثبوت تھا۔

دینی اور اخلاقی اصلاحات:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دین کی خدمت کے لیے بھی عظیم اصلاحات کیں۔انھوں نے قرآن وحدیث کی تعلیمات کو عام کیا اور علماء کو معاشرے میں ایک نمایاں مقام دیا۔ان کے دور میں دین اسلام کی حقیقی روح کو فروغ ملا اور امت کو اللہ کی راہ میں چلنے کا درس دیا گیا۔

نتیجہ:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت کا یہ مختصر دور اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر حکمران عدل و انصاف پر مبنی حکمرانی کریں،تو معاشرہ سکون اور راحت کی زندگی گزار سکتا ہے۔ان کی حکومت نے امت مسلمہ کو ظلم و جبر سے نجات دلائی اور امن وعدل کی ایک مثالی تصویر پیش کی۔

مسلمانوں میں سب سے پہلے سولی پر چڑھنے والے خبیب بن عدی تھے

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کا واقعہ رجیع اسلامی تاریخ کا ایک عظیم

اور دلگداز واقعہ ہے، جو صبر واستقامت اور ایمان کی پختگی کا شاندار نمونہ پیش کرتا ہے۔ اس واقعے کی تفصیلات ''سیرت ابن ہشام''، ''تاریخ طبری'' اور ''سیرت ابن سعد'' میں بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ ان چند صحابہ کرام میں سے تھے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے اور اپنے ایمان کی گہرائی اور ثابت قدمی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے نہایت قریب سمجھے جاتے تھے۔ واقعہ رجیع 4 ہجری میں پیش آیا۔ قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگوں نے مدینہ منورہ آ کر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے قبیلے کو اسلام کی تعلیمات سے آشنا کرنے کے لیے کچھ معلمین روانہ کیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے حضرت خبیب بن عدی اور دیگر صحابہ کو ان کے ساتھ بھیجا۔ راستے میں عضل اور قارہ نے دھوکہ دیا اور صحابہ کرام کو گھیر لیا۔ کچھ صحابہ شہید ہو گئے اور حضرت خبیب بن عدی کو گرفتار کر لیا گیا۔

مکہ میں بیچنے اور صبر کی آزمائش:

حضرت خبیب بن عدی کو قبیلہ بنولحیان نے مکہ مکرمہ لے جا کر کفار مکہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ مکہ کے لوگ حضرت خبیب کو اس لیے خریدنا چاہتے تھے تاکہ بدر کے موقع پر اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔ خاص طور پر ''حارث بن عامر'' کے خاندان نے انہیں خرید لیا، کیونکہ حضرت خبیب نے غزوہ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔

حضرت خبیب کی عظیم قربانی:

حضرت خبیب بن عدی کو قریش نے صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کیا۔ قتل سے پہلے حضرت خبیب نے کفار سے درخواست کی کہ انہیں دو رکعت نماز پڑھنے دی جائے۔ کفار نے اجازت دی اور حضرت خبیب نے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز مکمل کرنے کے بعد حضرت خبیب نے فرمایا: ''اگر مجھے یہ گمان نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں، تو میں نماز کو مزید طول دیتا''۔ یہ الفاظ حضرت خبیب بن عدی کی دلیری، ایمان کی پختگی اور آخرت کی محبت کا ثبوت ہیں۔

قتل اور ایمان کی پختگی:

جب حضرت خبیب بن عدی کو صلیب پر چڑھایا گیا اور قتل کے لیے تیار کیا گیا، تو قریش نے ان سے کہا: ''کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ کو قتل کیا جائے اور تمہیں آزاد کر دیا جائے؟ حضرت خبیب بن عدی نے فوراً جواب دیا: ''اللہ کی قسم! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری جگہ محمد ﷺ کے جسم میں ایک کانٹا بھی چبھے، اور میں اپنے اہل وعیال میں سلامت رہوں''۔ اس جواب نے کفار کو حیران کر دیا۔ پھر حضرت خبیب بن عدی کو سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا گیا۔

آخری دعا اور شہادت:

حضرت خبیب نے شہادت سے پہلے یہ دعا کی: ''اے اللہ! یہاں کوئی میرا

پیغام پہنچانے والا نہیں ہے، تُو خود میرے سلام کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دے''۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب کی یہ دعا قبول فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ہی حضرت خبیب کی شہادت اور ان کا سلام معلوم کر لیا۔ یہ واقعہ حضرت خبیب کی کرامت اور اللہ کی قدرت کا ایک عظیم مظہر ہے۔

حضرت خبیب بن عدی کی سولی اور شہادت

جب حضرت خبیب بن عدی کو سولی پر چڑھانے کا فیصلہ کیا گیا، تو انہیں ایک باغ میں لے جایا گیا جو ''تنعیم'' کے علاقے میں واقع تھا۔ وہاں کفار مکہ نے انہیں سولی پر لٹکایا اور ان سے کہا کہ اگر تم محمد ﷺ کو چھوڑ دو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا، مگر حضرت خبیب نے یہ بات سن کر فرمایا: ''خدا کی قسم! میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جائے اور میرے نبی ﷺ کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے''۔ اس بے مثال وفاداری اور ایمان کی گواہی تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔ کفار نے انہیں اذیتیں دیں اور ان کے جسم کو نیزوں اور تلواروں سے چھلنی کر دیا۔ سیرت نگار ''ابن اسحاق'' اور ''طبری'' جیسے مورخین نے اس واقعے کی تفصیل بیان کی ہے کہ حضرت خبیب نے اپنی شہادت کے وقت دو رکعت نماز بھی ادا کی جو بعد میں اسلامی تاریخ میں ''نمازِ شہادت'' کے طور پر معروف ہو گئی۔

حضرت خبیب بن عدی کی لاش کا معاملہ

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی سولی کے بعد کفار مکہ نے ان کے جسم کو صلیب

پر چھوڑ دیا اور ان کی لاش کی بے حرمتی کی کوشش کی، مگر روایتوں میں آتا ہے کہ اس دوران حضرت خبیب کا جسم غائب ہو گیا۔ مشہور مورخ ''ابن حجر عسقلانی'' نے ''الاصابہ'' میں ذکر کیا ہے کہ رات کے وقت حضرت خبیب کی لاش غیبی طریقے سے غائب ہوگئی، اور کفار کو ان کا جسم نہیں ملا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسم کو آسمان میں اٹھا لیا اور کفار کے منصوبے ناکام ہو گئے۔ یہ واقعہ حضرت خبیب کی عظیم قربانی اور اللہ تعالیٰ کی خاص مدد کا نشان ہے، جو اسلام کی خاطر دی گئی بے مثال جانفشانیوں کی گواہی دیتا ہے۔

تذکرہ حضرت عبداللہ بن طارق

حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا پورا نام ''عبداللہ بن طارق بن مالک'' تھا۔ ان کے والد کا نام طارق بن مالک تھا اور ان کی کنیت ہمیں کتب میں موجود نہیں ملتی۔ حضرت عبداللہ بن طارق کا تعلق قبیلہ ''بنو لیث'' سے تھا۔ انہوں نے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختلف غزوات میں بھی شریک رہے۔

''واقعہ رجیع'' سنہ 4 ہجری میں پیش آیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کو ایک قبیلے کی طرف دعوتِ اسلام اور تبلیغ کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن

طارق رضی اللہ عنہ اس وفد کا حصہ تھے۔اس واقعے میں ''قبیلۂ ہذیل'' کے لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کیا اور ان پر حملہ کیا۔ جب ان کو گرفتار کیا گیا تو ان کے ساتھیوں، حضرت خبیب بن عدی اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو مکہ لے جا کر بیچ دیا گیا اور وہیں شہید کیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے ''بنو ہذیل'' کے افراد تھے۔ جب ان کو مکہ لے جایا جا رہا تھا تو راستے میں انہوں نے موقع دیکھ کر اپنے ہاتھوں کو آزاد کیا اور لڑائی کی، جس کے نتیجے میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ ''صحیح بخاری'' اور ''سیرت ابن اسحاق'' کے مطابق انہیں پتھر مار مار کر شہید کیا گیا۔ان کی تدفین کے بارے میں ہمیں کوئی خاص تفصیل نہیں ملتی، کیونکہ واقعہ رجیع کے دوران ان کے جسم کو دشمنوں نے دفن نہیں کیا اور وہ اسی مقام پر شہید ہوئے۔

حوالہ جات:

1-صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع۔2-سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 195۔3-طبقات ابن سعد، جلد 2، صفحہ 41۔

طبقات ابن سعد میں حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ غزوہ رجیع کے پس منظر میں بیان ہوا ہے، جو ایک نہایت اہم اور افسوس ناک واقعہ ہے۔اس غزوہ میں کفار مکہ نے دھوکے سے چند صحابہ کرام کو قید کر لیا تھا، اور ان میں حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جب صحابہ کرام کو قید کر کے

مکہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا، راستے میں حضرت عبداللہ بن طارق نے فیصلہ کیا کہ وہ کفار کے ہاتھوں زندہ نہیں جائیں گے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو آزاد کیا اور ان کافروں سے لڑائی کی کوشش کی۔ تاہم، کفار نے انہیں شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ان کی شجاعت اور دین کے لیے بے مثال قربانی کا عکاس ہے۔ طبقات ابن سعد کی تفصیلات میں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے اپنی آزادی کے لیے کوشش کی، لیکن ان کے دیگر ساتھی، جن میں حضرت خبیب بن عدی اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے، کفار کے قبضے میں رہے اور بعد میں مکہ میں شہید کر دیے گئے۔ (ابن سعد، 'الطبقات الکبریٰ'، جلد 2، صفحہ 52-51)

تذکرہ حضرت خالد بن بکر

حضرت خالد بن بکر رضی اللہ عنہ کا پورا نام ''خالد بن بکر بن علقمہ'' ہے، اور ان کے والد کا نام ''بکر بن علقمہ'' تھا۔ ان کی کنیت ''ابو بکر'' تھی۔ ان کا تعلق ''بنولحیان'' قبیلے سے تھا، جو کہ قریش کا ایک ذیلی قبیلہ تھا۔ حضرت خالد بن بکر رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا تھا، اور ان کی زندگی کا نمایاں واقعہ ''واقعہ رجیع'' ہے۔ یہ واقعہ 4 ہجری میں پیش آیا جب قبیلہ بنولحیان نے مسلمانوں کو دھوکہ دے کر انہیں شہید کرنے کی سازش کی۔

واقعہ رجیع اس طرح پیش آیا کہ قبیلہ ''بنولحیان'' نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے درخواست کی کہ انہیں اسلام سکھانے کے لیے چند صحابہ کو بھیجا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عاصم بن ثابت'' اور ان کے ہمراہ 6 دیگر صحابہ کو بھیجا، جن میں حضرت خالد بن بکر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جب یہ صحابہ مقام ''رجیع'' پہنچے، تو بنولحیان نے دھوکہ دیا اور ان صحابہ کو گھیر کر حملہ کر دیا۔ حضرت خالد بن بکر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں قید کر لیے گئے۔ بعد میں بنولحیان نے حضرت خالد بن بکر رضی اللہ عنہ کو ''خبیب بن عدی'' اور دیگر ساتھیوں سمیت ''قریش کے ہاتھوں'' فروخت کر دیا۔ قریش نے ان صحابہ کو انتقاماً قتل کر دیا، کیونکہ یہ وہی صحابہ تھے جنہوں نے ''بدر کی جنگ'' میں قریش کے سرداروں کو قتل کیا تھا۔ حضرت خالد بن بکر رضی اللہ عنہ کو ''مکہ مکرمہ'' میں قتل کیا گیا۔ انہیں ''قتل باندھ کر نیزے سے مار کر'' کیا گیا۔ تدفین کی جگہ کے حوالے سے تفصیل موجود نہیں ہے، تاہم تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابہ کے جنازے کو غیر معمولی طریقے سے بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا تھا۔

تذکرہ حضرت عاصم بن عدی

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا پورا نام ''عاصم بن عدی بن الجد بن العجلان'' ہے۔ ان کے والد کا نام ''عدی بن الجد'' تھا۔ ان کی کنیت ''ابو بکر'' ہے۔ ان کا تعلق مشہور قبیلہ ''بنو نجار'' سے تھا، جو قبیلہ خزرج کا ایک معروف قبیلہ ہے۔ حضرت

عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا اور انہوں نے ہجرت سے قبل ہی اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرلیا تھا۔

واقعہ رجیع:

یہ واقعہ 4 ہجری میں پیش آیا جب قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ افراد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام سکھانے کے لیے کچھ صحابہ کی درخواست کی۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عاصم بن عدی سمیت دس صحابہ کرام کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ لیکن راستے میں قبیلہ ''ہذیل'' کے مشرکین نے ان پر حملہ کیا۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے مشرکین سے مقابلہ کیا اور شدید جنگ کے بعد وہ شہید ہوگئے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو ''ہذیل'' کے افراد نے شہید کیا۔ مشرکین کا منصوبہ تھا کہ ان کا سر کاٹ کر اسے مکہ میں فروخت کریں کیونکہ حضرت عاصم نے جنگ بدر میں قریش کے کئی بڑے سرداروں کو قتل کیا تھا۔ لیکن حضرت عاصم بن عدی نے دعا کی تھی کہ ان کا جسم کسی مشرک کے ہاتھ نہ لگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کے ذریعے ان کے جسم کی حفاظت کی اور مشرکین کو ان کے قریب نہ جانے دیا۔ بعدازاں ان کا جسدِ مبارک بارش کے ذریعے بہہ کر دور پہنچ گیا اور مشرکین ان کے جسم کو چھونے میں ناکام رہے۔

تدفین:

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کی تدفین کسی انسان کے ہاتھوں نہ ہوسکی،

بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے جسم کی حفاظت فرمائی اور انہیں مشرکین کی دسترس سے محفوظ رکھا۔ یہ واقعہ مختلف مستند تاریخی کتب میں بیان ہوا ہے، جن میں ''سیرت ابن ہشام''، ''طبقات ابن سعد''، اور ''البدایہ والنہایہ'' شامل ہیں:

حوالہ جات:

1-ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد 2، صفحہ 179۔2-ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 3، صفحہ 313۔3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 4، صفحہ 52۔

تذکرہ حضرت زید بن دثنہ

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کا پورا نام زید بن دثنہ بن معاویہ بن عبید اللہ بن عامر بن بیاضہ بن مالک بن حارثہ بن عبید بن حرام ہے۔ ان کے والد کا نام دثنہ بن معاویہ تھا۔ آپ کی کنیت کا کوئی واضح ذکر نہیں ملتا لیکن آپ کا تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ بیاضہ سے تھا، جو انصار مدینہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا اور صحابہ کرام کی جماعت میں شامل ہوئے۔

واقعہ رجیع اور شہادت:

واقعہ رجیع کے سلسلے میں بتایا جاتا ہے کہ جب قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگوں

نے رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کی کہ انہیں کچھ مبلغین بھیجے جائیں تا کہ وہ ان لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں، تو نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ چند دیگر صحابہ کے ساتھ بھیجا۔ راستے میں ان لوگوں نے غداری کی اور قبیلہ ہذیل کے لوگوں کے حوالے کر دیا، جو کہ ان کے دشمن تھے۔

حضرت زید بن دثنہ اور حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہما کو قید کر لیا گیا اور بعد میں حضرت زید بن دثنہ کو مکہ مکرمہ لے جایا گیا۔ مکہ میں قریش نے انہیں خرید لیا تا کہ وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بدر میں مارے جانے والے اپنے لوگوں کا بدلہ لے سکیں۔ ابوسفیان بن حرب نے حضرت زید بن دثنہ کو خرید لیا اور ان کے قتل کا فیصلہ کیا۔ انہیں حرم کے باہر تنعیم کے مقام پر لے جایا گیا، جہاں قریش کے لوگوں نے انہیں شہید کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے قتل سے پہلے ابوسفیان نے پوچھا کہ ''کیا تم چاہتے ہو کہ محمد (ﷺ) کی جگہ تم ہوتے اور وہ تمہاری جان بچا لیتے؟'' حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ محمد ﷺ کو اس وقت کوئی کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں بیٹھا رہوں''۔ اس جواب سے قریش حیران رہ گئے۔ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا حکم صفوان بن امیہ نے دیا اور انہیں قتل نصر بن حارث کے ہاتھوں کیا گیا۔ انہیں تیر سے نشانہ بنایا گیا اور بعد میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ ان کی تدفین کے بارے میں تاریخ میں کوئی خاص ذکر نہیں ملتا کیونکہ قریش نے انہیں سولی پر لٹکائے رکھا۔

حوالہ جات:

1-سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 172-169۔ 2-الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد 2، صفحہ 54۔ 3-المغازی للواقدی، جلد 1، صفحہ 355۔

تذکرہ حضرت مرثد بن مرثد غنوی

حضرت مرثد بن مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا پورا نام ''مرثد بن مرثد بن ابی مرثد غنوی'' ہے۔ ان کے والد ''ابومرثد کنانی'' تھے جو خود بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضرت مرثد کی کنیت ''ابو یزید'' تھی اور ان کا تعلق بنی غنم قبیلے سے تھا، جو قریش کا ایک معزز قبیلہ تھا۔ حضرت مرثد بن مرثد رضی اللہ عنہ نے ''ابتدائی دور میں اسلام'' قبول کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی اصحاب میں شامل ہوئے۔ انہوں نے ''غزوہ بدر'' اور دیگر غزوات میں شرکت کی اور بہت بہادری کا مظاہرہ کیا۔

''واقعہ رجیع'' سن 4 ہجری میں پیش آیا جب کچھ صحابہ کو قریش کے ہاتھوں دھوکے سے گرفتار کیا گیا۔ حضرت مرثد بن مرثد ان اصحاب میں شامل تھے جنہیں قریش نے گرفتار کرلیا اور ان پر شدید ظلم کیا۔ قریش نے حضرت مرثد اور دیگر صحابہ کو قید کرلیا اور پھر انہیں ''سخت اذیت'' دی گئی۔ آخر کار، حضرت مرثد بن مرثد کو ''قریش کے کفار نے شہید'' کر دیا۔ ان کو ایک ''درخت کے ساتھ باندھ کر تیر مار کر'' شہید کیا

گیا۔حضرت مرثد بن مرثد کی شہادت انتہائی مظلومانہ انداز میں ہوئی، لیکن انہوں نے اپنے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ان کی تدفین کے متعلق تاریخ میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں، لیکن یہ بات معلوم ہے کہ ان کی شہادت ''مکہ کے قریب'' ہوئی، اور ممکنہ طور پر وہیں ان کو دفن کیا گیا۔

تذکرہ حضرت عکاشہ بن محصن

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کا پورا نام 'عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس' ہے اور ان کی کنیت 'ابو محصن' ہے۔آپ کا تعلق قبیلہ 'بنو اسد بن خزیمہ' سے تھا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے اسلام ابتدائی دور میں ہی قبول کیا اور غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی، جس کے بعد آپ کو 'بدری صحابی'' کا لقب بھی حاصل ہوا۔

واقعہ رجیع:

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ واقعہ رجیع کے اہم کرداروں میں سے ایک ہیں، جو سن 4 ہجری میں پیش آیا۔قبیلہ 'عضل اور قارہ' نے مدینہ کے مسلمانوں سے قرآن کی تعلیم کے لیے کچھ معلمین مانگے۔نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو ان کی طرف بھیجا، جس میں حضرت عکاشہ بھی شامل تھے۔لیکن یہ ایک دھوکہ تھا، اور معلمین پر حملہ کر دیا گیا۔حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ اس موقع پر گرفتار ہوئے اور قبیلہ 'بنو

لحیان' کے لوگوں کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے۔

شہادت وتدفین:

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو دوران قید قتل کر دیا گیا۔ ان کی شہادت کے بارے میں زیادہ تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتیں، لیکن مشہور روایت کے مطابق آپ کو شہید کرنے کے بعد ان کے جسد مبارک کو وہیں صحرا میں چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عکاشہ کی تدفین کی کوئی تفصیل واضح طور پر نہیں ملتی، لیکن یہ بات مشہور ہے کہ آپ میدان میں شہید ہوئے اور وہاں ہی آپ کی تدفین کی گئی۔

مستند حوالے:

یہ معلومات معتبر کتابوں جیسے 'ابن حجر عسقلانی' کی ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' (جلد 2، صفحہ 426) اور 'ابن عبدالبر' کی ''الاستیعاب (جلد 2، صفحہ 458) میں موجود ہیں۔

غزوۂ بدر

سن 2ھ میں ہجرت کے بعد پہلی جنگ:

ہجرت کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا غزوہ ''غزوۂ بدر'' کیا۔ یہ جنگ رمضان المبارک 2 ہجری بمطابق 624 عیسوی میں ہوئی۔

غزوۂ بدر کے اہم نکات:

تیاری: غزوۂ بدر دراصل ایک قافلے کو روکنے کے لئے تھا جس کی قیادت ابوسفیان کررہا تھا۔ مسلمانوں کی نیت قافلے کو روک کر قریش کے ظلم کا بدلہ لینا تھا، اس وجہ سے بہت زیادہ تیاری نہیں کی گئی تھی۔ مسلمانوں کے پاس ہتھیار اور وسائل بھی کم تھے۔

مسلمانوں کی تعداد: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کل 313 صحابہ کرام شریک ہوئے۔ ان میں مہاجرین اور انصار دونوں شامل تھے۔

قریش کی تعداد: قریش کے لشکر میں تقریباً 1000 افراد شامل تھے، اور وہ مکمل جنگی تیاری کے ساتھ میدان میں آئے تھے۔

جنگ کی صورتحال: یہ جنگ مدینہ منورہ سے تقریباً 80 میل کے فاصلے پر بدر کے مقام پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، حالانکہ ان کی تعداد اور وسائل بہت کم تھے۔ اللہ نے فرشتے بھیج کر مسلمانوں کی مدد کی، جیسا کہ قرآن میں بھی ذکر ہے۔

شہداء کی تعداد: غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے 14 ''صحابہ کرام شہید'' ہوئے، جن کے نام درج ذیل ہیں:

1- عبیدہ بن حارث۔ 2- عمیر بن ابی وقاص۔ 3- صفوان بن بیضاء۔ 4- عاقل بن البکیر۔ 5- مسطح بن اثاثہ۔ 6- سعد بن خیثمہ۔ 7- مبشر بن عبدالمنذر۔ 8- حارثہ بن سراقہ۔ 9- رافع بن المعلی۔ 10- عوف بن الحارث۔ 11- معوذ بن

الحارث۔12-یزید بن الحارث۔13-ذوالشمالین بن عمرو۔14-حارثہ بن نعمان۔

مستند حوالے:

''سیرت ابن ہشام: یہ کتاب ابتدائی سیرت کی ایک مشہور کتاب ہے اور غزوہ بدر کی تفصیلات اس میں ملتی ہیں۔''البدایہ والنہایہ: ابن کثیر کی یہ کتاب بھی تاریخی واقعات کی مستند تفصیلات پر مشتمل ہے۔''صحیح بخاری وصحیح مسلم: ان احادیث کی کتابوں میں بھی غزوہ بدر کے بارے میں احادیث موجود ہیں۔غزوۂ بدر مسلمانوں کے لئے ایک عظیم فتح اور تاریخ کا اہم موڑ تھا، جس نے اسلام کو نئی قوت بخشی۔

سنہ 3 ہجری کا اہم واقعہ

جنگ احد: غزوۂ اُحد سن 3 ہجری (مارچ 625ء) میں پیش آیا۔ یہ جنگ مدینہ منورہ کے شمال میں واقع اُحد پہاڑ کے دامن میں لڑی گئی۔غزوۂ اُحد مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان دوسری بڑی جنگ تھی، جو بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی نیت سے کفار مکہ نے لڑا تھا۔

جنگ میں شریک افواج:

(1) مسلمانوں کی تعداد: تقریباً 700 صحابہ کرامؓ نے اس جنگ میں شرکت

کی۔اصل میں مسلمانوں کی تعداد 1000 تھی،مگر منافقین کے سربراہ عبداللہ بن اُبی اپنے 300 ساتھیوں سمیت جنگ سے واپس چلا گیا،جس کی وجہ سے تعداد کم ہوگئی۔
(2) کفار ومشرکین کی تعداد: کفار مکہ کی فوج کی تعداد تقریباً 3000 تھی۔ان کے ساتھ 200 گھوڑے اور 700 زرہ پوش جنگجو بھی شامل تھے۔

جنگ کا مقام:

غزوۂ اُحد کا میدان مدینہ منورہ سے تقریباً 5 کلومیٹر دور اُحد پہاڑ کے دامن میں واقع تھا۔

شہید صحابہ کی تعداد:

غزوۂ اُحد میں 70 صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ان شہداء کی فہرست تاریخ کی معتبر کتب میں موجود ہے،اور چند اہم شہداء کے نام درج ذیل ہیں: 1-حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ (رسول اللہ ﷺ کے چچا)۔2-حضرت مصعب بن عمیرؓ۔3-حضرت عبداللہ بن جحشؓ۔4-حضرت سعد بن ربیعؓ۔5-حضرت حنظلہ بن ابی عامرؓ (حنظلہ غسیل الملائکہ)۔6-حضرت عمرو بن جموحؓ ٹ 7-حضرت انس بن نضر۔

مسلمانوں کی شکست کے اسباب

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کے کئی اسباب تھے،جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

(1) رماتیوں کی نافرمانی: رسول اللہ ﷺ نے 50 تیر اندازوں کو اُحد کے میدان کے ایک پہاڑی مقام پر مقرر فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ نہ چھوڑیں، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ جب جنگ کے دوران کفار کی شکست واضح ہوگئی اور انہوں نے میدان چھوڑنا شروع کیا، تو اکثر تیر اندازوں نے مالِ غنیمت حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ خالد بن ولید، جو اس وقت مشرکین کی قیادت کر رہے تھے، نے اس موقع کا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا۔

(2) کفار کی طرف سے اچانک حملہ: جب خالد بن ولید نے مسلمانوں پر پچھلی جانب سے حملہ کیا تو مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس دوران کفار نے رسول اللہ ﷺ کو بھی گھیر لیا اور مسلمانوں کا دفاع کمزور ہو گیا۔

(3) غلط افواہ: جنگ کے دوران ایک افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔

کفار کی جنگ کے مقاصد:

کفار مکہ نے غزوۂ بدر میں شکست کا بدلہ لینے کے لئے اس جنگ کی تیاری کی تھی۔ ان کے لیڈران، خصوصاً ابوسفیان اور ہندہ، نے اس جنگ کی منصوبہ بندی کی تھی۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو مدینہ میں شکست دینا، ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنا اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے سرداروں کا بدلہ لینا تھا۔

معتبر حوالہ جات

(1) تاریخ ابن ہشام: ابن ہشام کی سیرت النبی ﷺ کی کتاب میں غزوۂ اُحد کی تفصیلات ملتی ہیں، جہاں جنگ کی وجوہات، مسلمانوں کی تعداد، کفار کی تیاری، اور شہداء کے نام شامل ہیں۔

(2) سیرت ابن اسحاق: ابن اسحاق کی سیرت کی کتاب بھی ایک قدیم اور معتبر ماخذ ہے، جو غزوۂ اُحد کے واقعات کو تفصیل سے بیان کرتی ہے۔

(3) طبری کی تاریخ: امام طبری نے اپنی تاریخ میں بھی اس جنگ کی تفصیلات بیان کی ہیں، جن میں جنگ کی حکمت عملی، شکست کے اسباب اور شہداء کے نام شامل ہیں۔

غزوۂ اُحد سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ نافرمانی اور وقتی لالچ بڑی تباہی کا سبب بن سکتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہ مسلمان ناکامی کے باوجود ثابت قدم رہے اور اپنے ایمان کو مضبوط کیا۔

واقعۂ رجیع

سنہ 4 ہجری کا دل دہلا دینے والا واقعہ:

یہ واقعہ ''واقعۂ رجیع'' کے نام سے مشہور ہے اور اسلامی تاریخ میں ایک اہم

واقعہ کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ اس واقعے کا ذکر مختلف تاریخی کتابوں میں ملتا ہے، جن میں ''سیرت ابنِ ہشام''، ''طبقات ابن سعد''، ''تاریخ طبری''، اور ''صحیح بخاری'' شامل ہیں۔

واقعۂ رجیع کی تفصیل:

یہ واقعہ 4 ہجری میں پیش آیا، جب قبیلہ ''عضل'' اور ''قارہ'' کے کچھ افراد مدینہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے قبیلے کے لوگ اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ معلمین کو ان کے ساتھ بھیجیں تاکہ انہیں اسلام کی تعلیم دی جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے دس صحابہ کی ایک جماعت تیار کی، جس کی قیادت حضرت ''عاصم بن ثابت'' رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔

مقام رجیع:

یہ واقعہ ''رجیع'' کے مقام پر پیش آیا، جو ''بنو ہذیل'' کے علاقے میں ایک پانی کے چشمے کے قریب واقع تھا۔ جب یہ جماعت وہاں پہنچی تو ''بنو ہذیل'' کے لوگوں نے انہیں دھوکہ دے کر ان پر حملہ کر دیا۔ دس میں سے آٹھ صحابہ نے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا، اور دو صحابہ حضرت ''خبیب بن عدی'' رضی اللہ عنہ اور حضرت ''زید بن دثنہ'' رضی اللہ عنہ کو قیدی بنا لیا گیا۔

صحابہ کرام کے نام:

یہ وہ دس صحابہ کرام تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے روانہ کیا تھا: 1-حضرت عاصم بن ثابت (گروہ کے قائد)۔ 2-حضرت خبیب بن عدی۔ 3-حضرت زید بن دثنہ۔ 4-حضرت مرثد بن ابی مرثد۔ 5-حضرت خالد بن بکیر۔ 6-حضرت عبداللہ بن طارق۔ 7-حضرت قبیصہ بن جابر۔ 8-حضرت معتب بن عبید۔ 9-حضرت بلال بن بلال۔ 10-حضرت سراج بن معلیٰ۔

واقعہ کا تسلسل:

جب ''بنو ہذیل'' کے لوگوں نے حملہ کیا تو حضرت ''عاصم بن ثابت'' اور ان کے ساتھیوں نے سخت مزاحمت کی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ آٹھ صحابہ نے شہادت کا رتبہ پایا، جبکہ حضرت خبیب بن عدی اور حضرت زید بن دثنہ کو گرفتار کر کے ''مکہ'' لے جایا گیا اور انہیں وہاں فروخت کر دیا گیا۔ یہ دونوں صحابہ وہ تھے جنہوں نے غزوہ بدر میں سرداران قریش کو قتل کیا تھا، اس لیے قریش کے لوگ انہیں انتقاماً شہید کرنا چاہتے تھے۔ حضرت ''خبیب بن عدی'' رضی اللہ عنہ کو مکہ میں پھانسی دی گئی۔ وہ تاریخ اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جنہیں سولی پر لٹکایا گیا اور جنہوں نے اپنی شہادت سے قبل دو رکعت نماز ادا کی، جس کے بعد انہوں نے کہا کہ ''اگر یہ نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں تو میں اس نماز کو اور لمبا کر دیتا''۔

حضرت زید بن دثنہ کو بھی شہید کر دیا گیا۔

اسلامی تاریخ میں اس واقعے کا نام:

اس واقعے کو ''واقعۂ رجیع'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ یہ واقعہ ''رجیع'' کے مقام پر پیش آیا۔ یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف دشمن کی چالبازی اور غداری کا ایک اور ثبوت ہے۔ مستند اور معتبر تاریخی کتابوں کے حوالوں سے یہ واقعہ ''صحیح بخاری'' (حدیث نمبر 3045)، ''سیرت ابن ہشام''، اور ''طبقات ابن سعد'' میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

غزوۂ خندق اور اس کے محرکات

سنہ 4 ہجری میں پیش آنے والا ''واقعہ رجیع'' ایک المناک اور دردناک حادثہ تھا جس میں مسلمانوں کے چند جلیل القدر صحابہ کو شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں جو سب سے بڑا اور اہم واقعہ پیش آیا، وہ سنہ 5 ہجری کا ''واقعہ خندق'' ہے، جسے ''غزوہ احزاب'' بھی کہا جاتا ہے۔

غزوہ خندق کا پس منظر:

یہ جنگ اس وقت پیش آئی جب قریش مکہ، یہود اور دوسرے عرب قبائل نے

مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ کفار نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف محاذ کھولا۔ اس جنگ کا نام ''خندق'' اس لیے رکھا گیا کیونکہ صحابہ کرام نے مدینہ منورہ کے دفاع کے لیے شہر کے اردگرد ایک خندق کھودی، جس کی تجویز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دی تھی۔

جنگ کی تفصیلات:

قریش اور ان کے حلیفوں کا لشکر دس ہزار افراد پر مشتمل تھا، جبکہ مسلمان کل تین ہزار کی تعداد میں تھے۔ یہ جنگ مدینہ منورہ کے اطراف میں ہوئی اور مسلمانوں نے کئی ہفتوں تک خندق کے پیچھے دفاع کیا۔ کفار خندق کو عبور نہ کر سکے اور مدینہ میں داخل ہونے میں ناکام رہے۔ اللہ تعالی کی نصرت سے تیز ہواؤں اور بارش نے دشمن کی صفوں کو منتشر کر دیا اور ان کا حملہ ناکام ہو گیا۔

غزوہ خندق کی اہمیت:

یہ جنگ مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑا امتحان اور صبر و استقلال کا مظہر تھی۔ اللہ تعالی نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا کی اور کفار کی طاقت کو مدینہ منورہ پر دوبارہ حملہ کرنے سے روک دیا۔ اس جنگ کے بعد مدینہ پر کوئی بڑا حملہ نہ ہو سکا۔

مستند حوالہ جات:

''سیرت ابن ہشام'' (جلد 3، صفحہ 191-225) میں اس واقعہ کی تفصیل

بیان کی گئی ہے۔ ''البدایہ والنہایہ'' (لابن کثیر، جلد 4، صفحہ 140-95) میں بھی اس جنگ کی تفصیلات ملتی ہیں۔ ''سیرت النبیؐ'' از علامہ شبلی نعمانی (جلد 2، صفحہ 185-165) میں اس غزوہ کے بارے میں بہترین تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ غزوہ خندق مسلمانوں کی تاریخ میں ایک عظیم جنگ تھی، جس نے مدینہ منورہ کے دفاع کو مضبوط کیا اور اسلام کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا۔

تذکرہ حضرت سعد بن معاذ

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا پورا نام ''سعد بن معاذ بن النعمان بن امرؤالقیس'' ہے اور ان کی کنیت ''ابوعمرو'' تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تعلق مدینہ کے مشہور قبیلے ''اوس'' سے تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ''بیعت عقبہ'' کے بعد اسلام قبول کیا جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کی تفصیل یوں ہے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت مصعب بن عمیر کی دعوت کو قبول کیا تو پورا قبیلہ اوس بھی ان کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

''غزوۂ خندق'' میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ''بنو قریظہ'' کے تیراندازوں میں سے ایک تیر لگا تھا، جس کے نتیجے میں ان کا بازو شدید زخمی ہو گیا تھا۔

یہ زخم انتہائی خطرناک ثابت ہوا اور وہ اسی زخم کی وجہ سے کچھ دنوں بعد شہید ہو گئے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تدفین مدینہ منورہ کے قبرستان ''بقیع الغرقد'' میں ہوئی۔ان کی تدفین اور جنازے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے کی شان میں مشہور حدیث ہے کہ **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''سعد کے جنازے میں عرش الٰہی بھی لرز گیا''**، یعنی ان کی وفات پر عرش پر بھی عظیم اثرات پڑے۔تاریخ اور سیرت کی مستند کتابوں میں ان واقعات کا ذکر ملتا ہے۔

حوالہ جات:

1-سیرت ابن ہشام: جلد 3، صفحہ 191۔2-البدایہ والنہایہ: جلد 4، صفحہ 93۔3-صحیح بخاری: حدیث نمبر 3803۔4-صحیح مسلم: حدیث نمبر 2469۔

تذکرہ حضرت انس بن اوس

حضرت انس بن اوس رضی اللہ عنہ کا پورا نام انس بن اوس بن عتیک بن عمرو بن عبداللہ ہے۔ان کی کنیت ''ابوحیان'' تھی۔ان کے والد کا نام اوس بن عتیک تھا۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ خزرج کی ایک شاخ بنونجار سے تھا، جو مدینہ منورہ کے مشہور قبائل میں سے ہے۔حضرت انس بن اوس رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دور

میں اسلام قبول کیا اور ان کا شمار ان صحابہ کرام میں ہوتا ہے جو ہجرتِ مدینہ سے قبل ایمان لائے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مختلف غزوات میں شریک ہوئے۔

غزوۂ خندق میں حادثہ:

غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت انس بن اوس رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا حادثہ پیش آیا۔ وہ اسلامی فوج کے دفاع میں ایک اہم مقام پر تعینات تھے۔ ایک موقع پر جب دشمن نے خندق پار کرنے کی کوشش کی، تو حضرت انس بن اوس رضی اللہ عنہ نے بہادری سے مقابلہ کیا لیکن ایک اتفاقی حملے میں وہ شدید زخمی ہو گئے۔ بعد ازاں ان کی شہادت واقع ہوئی۔

شہادت اور تدفین:

ان کی شہادت کے بعد انہیں مدینہ منورہ کے قبرستان ''بقیع الغرقد'' میں دفن کیا گیا۔ ان کی تدفین میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ جنازے کی نماز رسول اللہ ﷺ نے خود پڑھائی۔ یہ واقعات متعدد مستند تاریخی کتابوں میں منقول ہیں۔

حوالہ جات:

1-طبقات ابن سعد (جلد 3، صفحہ 82)۔ 2-سیر اعلام النبلاء (جلد 2، صفحہ 15)۔ 3-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (جلد 1، صفحہ 123)۔

تذکرہ حضرت عبداللہ بن سہل

حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کا پورا نام ''عبداللہ بن سہل بن زید بن عامر بن عمرو'' ہے۔ان کی کنیت ''ابوسہل'' تھی، اور ان کے والد کا نام ''سہل بن زید'' تھا۔ان کا تعلق ''بنی حارثہ'' قبیلے سے تھا جو کہ انصار کے قبیلوں میں سے تھا۔

قبولِ اسلام:

حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ نے اسلام کی ابتدا میں ہی اسلام قبول کیا اور آپ کا شمار انصار میں ہوتا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے۔

غزوۂ خندق:

حضرت عبداللہ بن سہل غزوۂ خندق میں شریک تھے۔اس غزوہ کے دوران کوئی حادثہ ان کے ساتھ پیش نہیں آیا، بلکہ ان کا ایک مشہور واقعہ ''خیبر'' کے مقام پر ہوا۔

شہادت اور قتل:

حضرت عبداللہ بن سہل اپنے بھائی حضرت محیصہ بن مسعود کے ساتھ خیبر کی طرف گئے تھے۔وہاں ایک دن حضرت عبداللہ بن سہل کو ایک یہودی نے قتل کر دیا۔ ان کی لاش پانی کے ایک کنویں میں ملی تھی۔جب ان کے قتل کا علم ہوا تو ان کے ورثاء

نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاملے کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے معاملے کی تحقیقات کروائی، مگر قاتل کا علم نہ ہو سکا۔

تدفین اور نمازِ جنازہ:

ان کی تدفین خیبر کے علاقے میں ہی ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن سہل کی نماز جنازہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ حضرت محیصہ نے ان کی تدفین میں شرکت کی۔ اس واقعے کا ذکر معتبر کتب حدیث میں ملتا ہے۔

حوالہ جات:

1- صحیح بخاری، کتاب الدیات، جلد 9، صفحہ 76۔ 2- صحیح مسلم، کتاب القسامہ والمحاربین، جلد 3، صفحہ 1296۔

تذکرہ سہل بن غنمہ

حضرت سہل بن غنمہ رضی اللہ عنہ کا مکمل نام ''سہل بن غنمہ بن ابی حذیفہ بن مالک'' ہے۔ ان کی کنیت ''ابوعبداللہ'' تھی۔ ان کے والد کا نام ''غنمہ بن ابی حذیفہ'' تھا اور ان کا تعلق قبیلہ ''اوس'' سے تھا جو مدینہ منورہ کے مشہور قبیلوں میں سے ایک ہے۔ حضرت سہل بن غنمہ رضی اللہ عنہ نے ''اسلام غزوہ بدر'' کے بعد قبول کیا۔ وہ ان صحابہ

کرام میں سے تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مختلف معرکوں میں حصہ لیا۔ غزوہ خندق کے موقع پر حضرت سہل بن غنمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا جس میں وہ دشمن کے ایک دھوکہ دہ حملے کا شکار ہو گئے اور ''شہید'' ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے جسم کو خندق سے اٹھا کر مدینہ منورہ لے جایا گیا، جہاں ان کی ''تدفین جنت البقیع'' میں ہوئی۔ ان کے جنازے کی نماز ''رسول اللہ ﷺ'' نے خود پڑھائی۔ یہ تمام تفصیلات مستند تاریخی کتابوں میں موجود ہیں۔

حوالہ جات:

''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' (جلد 2، صفحہ 364) اور ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' (جلد 2، صفحہ 456) میں یہ تفصیلات درج ہیں۔

تذکرہ حضرت خراش بن سمحاء

حضرت خراش بن سمحاء رضی اللہ عنہ کا پورا نام خراش بن سمحاء بن سنان بن ابی حارثہ تھا۔ ان کی کنیت ابوالحکم تھی۔ ان کے والد کا نام سمحاء تھا اور ان کا تعلق قبیلہ بنو غفار سے تھا جو قریش کے حلیف قبائل میں شامل تھا۔

قبول اسلام:

حضرت خراش بن سمحاء رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا تھا اور

وہ ان صحابہ میں شامل تھے جو اسلام کے ابتدائی سالوں میں ایمان لائے تھے۔ بعض روایات کے مطابق، انہوں نے مکہ مکرمہ میں ہی اسلام قبول کیا۔

غزوۂ خندق:

غزوۂ خندق کے دوران حضرت خراش بن سمحاء رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک المناک حادثہ پیش آیا۔ اس جنگ میں انہوں نے بڑی بہادری سے حصہ لیا، لیکن دشمن کے تیر کا شکار ہو کر شدید زخمی ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک زبردست تیر کا نشانہ بنے اور اس کی وجہ سے جان بحق ہو گئے۔

شہادت اور تدفین:

حضرت خراش بن سمحاء رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انہیں خندق کے قریب ہی مدینہ منورہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ ان کی نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے خود پڑھائی اور ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ یہ تفصیلات مختلف معتبر تاریخی اور سیرت کی کتب میں ملتی ہیں، جیسا کہ ''الطبقات الکبریٰ'' لابن سعد اور ''سیر اعلام النبلاء'' للذہبی وغیرہ میں حضرت خراش بن سمحاء رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

تذکرہ حضرت سعد بن زید

حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ کا پورا نام ''سعد بن زید بن عمرو بن نفیل''

ہے۔ ان کی کنیت ''ابو الاعور'' تھی۔ ان کے والد کا نام ''زید بن عمرو'' تھا جو زمانہ جاہلیت میں توحید پر ایمان رکھتے تھے اور مشرکانہ رسوم سے دور رہتے تھے۔ حضرت سعد بن زید کا تعلق قبیلہ قریش کے معروف خاندان ''عدی'' سے تھا۔ ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے، یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ میں جنہیں نبی اکرم ﷺ نے دنیا میں جنت کی بشارت دی تھی۔

اسلام قبول کرنا

حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

غزوہ خندق میں حادثہ

غزوۂ خندق کے دوران حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک تیر لگا جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے۔ ان کا زخم کافی گہرا تھا اور اسی زخم کی وجہ سے وہ بعد میں شہید ہو گئے۔

قتل اور تدفین

حضرت سعد بن زید کو جس زخم کی وجہ سے شہادت نصیب ہوئی وہ ان کی زندگی کا آخری مرحلہ تھا۔ شہادت کے بعد ان کی تدفین مدینہ منورہ میں ہوئی۔

جنازہ کی نماز

حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نبی اکرم ﷺ نے خود پڑھائی۔ یہ تمام تفصیلات مستند کتب تاریخ میں ملتی ہیں۔ ''البدایہ والنہایہ'' میں اس واقعے کا تفصیلی ذکر موجود ہے: ''**قال ابن کثیر: فی غزوۃ الخندق اصاب سعد بن زید رضی اللہ عنہ سھم فمات منہ بعد ایام**'' (البدایہ والنہایہ، جلد 4، صفحہ 92)۔

سنہ 5 ہجری اور غزوہ بنی قریظہ

سنہ 5 ہجری میں غزوہ خندق (غزوہ احزاب) پیش آیا، جس میں مسلمانوں نے ایک انتہائی مشکل اور نازک وقت کا سامنا کیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ میں جو اہم ترین حادثہ اور واقعہ پیش آیا، وہ ''غزوہ بنی قریظہ'' تھا۔

پس منظر

غزوہ خندق کے دوران مدینہ کے یہودی قبیلہ بنی قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو توڑ دیا اور قریش و دیگر مشرکین مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کر دی۔ ان کے اس دھوکے نے مسلمانوں کو ایک شدید خطرے میں ڈال دیا، کیونکہ مدینہ کے اندر یہودی قلعے کی موجودگی سے مسلمانوں پر اندر سے حملہ کا خطرہ بڑھ گیا تھا۔

وقوعہ:

غزوہ خندق کے خاتمے کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا کہ بنی قریظہ کے خلاف کارروائی کی جائے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی قیادت میں مسلمانوں کو روانہ کیا، اور خود بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ مسلمانوں نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا، جو تقریباً 25 دن تک جاری رہا۔ بنی قریظہ کو آخر کار ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا۔

فیصلہ:

بنی قریظہ نے اس بات کی درخواست کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ ان کے معاملے میں فیصلہ کریں۔ حضرت سعدؓ نے تورات کے مطابق فیصلہ کیا، جس میں بنی قریظہ کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو قید کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس فیصلے پر عملدرآمد ہوا، اور یہ ایک بڑا واقعہ تھا جو مدینہ کی تاریخ میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔

سنہ وقوعہ:

غزوہ بنی قریظہ سنہ 5 ہجری کے آخر میں پیش آیا، غزوہ خندق کے فوراً بعد۔

مستند حوالہ:

اس واقعے کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے۔ ابن ہشام نے "السیرۃ النبویہ"

میں (جلد 3، صفحہ 242) اس واقعے کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور اسی طرح امام طبری نے ''تاریخ الرسل والملوک'' میں (جلد 2، صفحہ 582) بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

سنہ 5 ہجری اور واقعۂ افک

غزوہ بنی قریظہ کے بعد مدینہ طیبہ میں جو اہم حادثہ پیش آیا اور جس نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا، وہ ''واقعۂ افک'' ہے۔ یہ ایک نہایت ہی دردناک اور غمگین واقعہ تھا جس میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے بنیاد اور جھوٹی تہمت لگائی گئی۔

پس منظر:

سنہ 5 ہجری میں غزوہ بنی مصطلق کے دوران یہ واقعہ پیش آیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس غزوہ میں شریک تھیں۔ واپسی کے سفر میں ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہودج (پردے والی کجاوے) میں موجود تھیں۔ قافلہ مدینہ کی طرف واپس روانہ ہو چکا تھا، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ضرورت کے تحت قافلے سے تھوڑی دور ہو گئیں۔ جب وہ واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا اور وہ ہودج میں نہیں تھیں۔

کیسے پیش آیا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں، لیکن اللہ کے نیک بندے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو قافلہ کے پیچھے آیا کرتے تھے تاکہ کوئی چیز پیچھے رہ جائے تو اسے جمع کریں، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنہا دیکھا اور ان کو اپنی اونٹنی پر سوار کیا اور قافلہ کے پاس پہنچ گئے۔

افواہ کا پھیلنا:

جب وہ قافلے میں واپس آئیں تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے ان پر بہتان تراشی کی اور افواہیں پھیلانے لگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان بن معطل کے درمیان کوئی ناپاک معاملہ پیش آیا ہے۔ یہ افواہ پورے مدینہ میں پھیل گئی اور بعض مسلمانوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔

قرآن مجید میں ذکر:

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قرآن مجید میں سورۃ النور میں بیان کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برائت نازل فرمائی: ''إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ'' (سورہ نور، آیت 11)۔

سنہ واقعہ:

یہ واقعہ 5 ہجری میں پیش آیا اور اس نے مسلمانوں کے دلوں کو غم اور اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ اس واقعہ نے نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاندان کو متاثر کیا بلکہ پورے مدینہ کی فضا بھی متاثر ہوئی۔ نبی کریم ﷺ بھی اس واقعہ کی وجہ سے شدید پریشان رہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برائت نازل فرما کر سچائی کو واضح کر دیا۔

حوالہ جات:

مستند تاریخی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیلات درج ہیں جیسے: 1-صحیح بخاری، حدیث نمبر 4141۔ 2-صحیح مسلم، حدیث نمبر 2770۔ 3-سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 223۔ یہ واقعہ مسلمانوں کے لیے ایک عظیم آزمائش تھا، لیکن اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جھوٹ اور سچ کی تمیز کو واضح کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کو اور بلند کر دیا۔

غزوۂ بنو مصطلق

غزوۂ بنو مصطلق (المریسیع) 5 ہجری یا 6 ہجری میں پیش آیا۔ اس غزوہ کا

پس منظر یہ تھا کہ بنومصطلق نامی ایک قبیلہ، جو مکہ کے قریب آباد تھا، نے مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور جنگ کی تیاری شروع کی۔قبیلہ کے سردار حارث بن ابی ضرار نے دیگر قبائل کو ساتھ ملا کر مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا، جس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ملی۔ آپ ﷺ نے اس خطرے کے پیش نظر مسلمانوں کو تیار کر کے بنومصطلق کی جانب روانہ کیا۔

سنہ اور مقام:

یہ غزوہ 5 یا 6 ہجری میں پیش آیا اور ''مریسیع'' کے مقام پر ہوا، اسی لیے اسے غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے۔مریسیع ایک کنواں تھا جو بنومصطلق کے علاقے میں تھا۔

پس منظر:

بنومصطلق قبیلہ اپنے سردار کی قیادت میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہا تھا، جس کی اطلاع مدینہ پہنچی۔ نبی کریم ﷺ نے فوری طور پر ایک لشکر تیار کیا اور بنومصطلق کے علاقے کی طرف پیش قدمی کی۔ جب دونوں افواج کا سامنا ہوا، تو بنومصطلق کو شکست ہوئی اور ان کے بہت سے لوگ گرفتار ہوئے۔

اہم واقعات:

1-عبداللہ بن اُبی کا کردار: اس غزوہ کے دوران منافقین کے سردار عبداللہ

بن اُبی نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ اس نے بعض انصاری اور مہاجرین کے درمیان اختلافات کو ہوا دی، لیکن نبی کریم ﷺ کی حکمت سے یہ معاملہ حل ہوگیا۔

2-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت: واپسی کے سفر کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی، جسے واقعۂ اِفک کہا جاتا ہے۔ اس واقعہ نے مسلمانوں کو کافی ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برائت نازل فرمائی۔

مستند حوالہ جات:

اس غزوہ کی تفصیلات معروف اسلامی تاریخی کتابوں میں ملتی ہیں، جن میں ابن ہشام کی ''سیرت النبویہ'' اور ابن کثیر کی ''البدایہ والنہایہ'' شامل ہیں۔ 1-البدایہ والنہایہ، جلد 4، صفحہ 204 میں اس غزوہ کی تفصیل موجود ہے۔ 2-سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 234 میں بھی اس غزوہ کی مکمل تفصیلات درج ہیں۔

غزوۂ بنو مصطلق کی اجمالی روداد

غزوہ بنو مصطلق 5 ہجری 627ء میں پیش آیا، اور یہ غزوہ بڑی حد تک مسلمانوں کے لیے ایک کامیاب مہم تھی۔ اس غزوہ کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کو بہت کم جانی نقصان ہوا۔ معروف تاریخ کی کتابوں، جیسے کہ ''سیرت ابن

ہشام‘‘ اور ’’الطبقات الکبریٰ‘‘ کے مطابق، اس غزوہ میں صرف ایک صحابی شہید ہوئے، جن کا نام ’حارث بن ضرار‘ تھا، جو بنو مصطلق کے سردار تھے۔ مستند کتب میں صحابہ کرام کی شہادت کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے:

صحابہ کرام میں شہادت: ایک صحابی شہید ہوئے۔

کفار میں ہلاکتیں: روایت کے مطابق، اس غزوہ میں مسلمانوں نے بنو مصطلق کے کئی جنگجوؤں کو قتل کیا، جن کی تعداد تقریباً ’دس‘ سے ’بیس‘ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ اس تفصیل کو ’’سیرت ابن ہشام‘‘ (جلد 3، صفحہ 234) اور ’’البدایہ والنہایہ‘‘ (جلد 4، صفحہ 173) میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ غزوہ بنیادی طور پر فتحِ عظیم کی صورت میں ختم ہوا اور مسلمانوں کو کافی مال غنیمت ملا۔

واقعۂ صلح حدیبیہ

صلح حدیبیہ کا واقعہ ذی قعدہ سنہ 6 ہجری میں پیش آیا۔ یہ ایک اہم اور تاریخی صلح تھی جو رسول اللہ ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر طے پائی۔ حدیبیہ، مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ اور تقریباً چودہ سو صحابہ کرام عمرہ کی نیت سے آئے تھے لیکن کفار مکہ نے انہیں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

پس منظر:

صلح حدیبیہ کے پس منظر میں یہ بات تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس خواب کو سچ مان کر رسول اللہ ﷺ 1400 صحابہ کرام کو لے کر مدینہ منورہ سے عمرہ کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، تا کہ بیت اللہ کی زیارت کی جائے اور طواف کیا جائے۔

کفار مکہ نے کیوں روکا؟

کفار مکہ نے مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے اس لیے روکا کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ اگر مسلمان مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کیا، تو قریش کی سرداری اور ان کی شان میں کمی ہوگی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی پرامن طریقے سے مکہ میں داخل ہوں، کیونکہ اس سے ان کا سیاسی اور مذہبی وقار مجروح ہوتا۔

اسباب:

(1) قریش کا خوف: کفار مکہ کو خطرہ تھا کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور حضور اکرم ﷺ کی مقبولیت مکہ میں ان کی سرداری کو چیلنج کرے گی۔

(2) سیاسی وجوہات: کفار مکہ کو یہ خدشہ تھا کہ اگر مسلمان بغیر کسی رکاوٹ کے مکہ میں داخل ہوئے تو دوسرے عرب قبائل کے دل میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ جائے گا اور ان کی حمایت بڑھ جائے گی۔

(3) مذہبی وجوہات: قریش اپنے مذہبی روایات اور بت پرستی کو مسلمانوں کی توحید کی تعلیمات سے خطرہ سمجھتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ان کی زمین پر اپنی مذہبی رسوم ادا کریں۔

صحابہ کی تعداد:

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت تقریباً 1400 صحابہ کرام تھے، جو سب کے سب نہایت محبت اور احترام کے ساتھ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور عمرہ کی نیت سے سفر کر رہے تھے۔ یہ تعداد صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسے مستند احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

حوالہ جات:

1- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 176۔ 2- سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 259۔ 3- صحیح بخاری، کتاب الشروط، حدیث نمبر 2731۔ 4- صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، حدیث نمبر 1783۔

واقعہ عمرۃ القضاء

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس میں یہ شرط تھی کہ مسلمانوں کو اس سال مکہ میں داخلے کی اجازت نہیں دی جائے گی، مگر آئندہ سال وہ عمرہ قضا کے طور پر ادا کریں گے اور مکہ میں تین دن قیام کریں گے۔ اس معاہدے کے تحت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ سنہ 7 ہجری 629ء میں عمرہ قضا کے لیے مکہ مکرمہ کا سفر فرمایا۔

مکہ کا ماحول اور کفار مکہ کا رویہ:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مکہ پہنچے تو کفار مکہ نے شہر کو خالی کر دیا تھا تاکہ مسلمانوں کو کم از کم مدتی قیام کے دوران کسی کشیدگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ کفار مکہ نے شہر کے اطراف میں پناہ لی اور انہیں حکم دیا کہ وہ مسلمانوں سے کوئی میل جول نہ رکھیں۔ مکہ کا ماحول عمومی طور پر پرسکون تھا، مگر مسلمانوں پر نظر رکھی جا رہی تھی تاکہ معاہدے کی خلاف ورزی نہ ہو۔

صحابہ کرام کی تعداد

عمرہ قضا کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً 2000 صحابہ کرام

شریک تھے۔ یہ وہی صحابہ تھے جو حدیبیہ میں آپ کے ساتھ موجود تھے، اور انہوں نے اب سکون کے ساتھ عمرہ ادا کیا۔

کفار مکہ کا برتاؤ اور سفر کی مشکلات:

کفار مکہ کا برتاؤ معاہدے کے مطابق رہا اور انہوں نے مسلمانوں کے لیے کوئی بڑی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے سکون کے ساتھ اپنے عمرہ کے مناسک ادا کیے۔ مکہ میں قیام کے دوران مسلمانوں کو کوئی خاص دقت پیش نہیں آئی، اور تین دن قیام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پرامن طریقے سے مدینہ واپس لوٹ گئے۔

مستند حوالے:

1- البدایہ والنہایہ: ابن کثیر (جلد 4، صفحہ 299-296)۔ 2- سیرۃ ابن ہشام: (جلد 3، صفحہ 290-288)۔ 2- صحیح بخاری: (کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ، حدیث نمبر 2731)۔

جنگ وادی القریٰ سنہ 7 ہجری

واقعہ 'وادی القریٰ' سنہ 7 ہجری میں پیش آیا اور یہ واقعہ خیبر کے سلسلے کا ایک

حصہ تھا۔ وادی القریٰ، مدینہ اور شام کے درمیان واقع ایک اہم مقام تھا، جہاں مختلف قبائل آباد تھے، اور یہاں ایک بڑی یہودی آبادی بھی موجود تھی۔ اس واقعے کا پس منظر یہ ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد، وہاں کے باقی ماندہ یہودی قبائل جو خیبر کے گردونواح میں آباد تھے، انہوں نے اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو اپنے لیے خطرہ سمجھا اور وہ دشمنی پر آمادہ ہو گئے۔ اس واقعے کی حیثیت جنگ کی تھی، جس میں نبی کریم ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ خیبر کی فتح کے بعد وادی القریٰ تشریف لائے تو وہاں کے یہودیوں نے مزاحمت کی۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ صلح کی پیشکش کی، لیکن انہوں نے جنگ چھیڑ دی۔ مسلمانوں نے ان کے حملے کا جواب دیا اور ان پر غالب آئے۔ مسلمانوں کی صورتحال ابتدا میں بہت مشکل تھی کیونکہ یہودی قلعوں میں مضبوط تھے اور بہترین حربی ساز وسامان رکھتے تھے۔ تاہم، اللہ کی مدد اور نبی ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں نے بالآخر کامیابی حاصل کی۔ اس جنگ میں صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی، لیکن اس کا عدد مختلف روایات میں مختلف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس جنگ میں خود حصہ لیا اور صحابہ کرام کے ساتھ موجود رہے۔ مستند کتاب 'البدایہ والنہایہ' کے مطابق اس معرکہ میں کئی صحابہ کرام نے شہادت پائی اور متعدد زخمی بھی ہوئے (البدایہ والنہایہ، جلد 4، صفحہ 226)۔ اس جنگ کی وجہ سے وادی القریٰ کا علاقہ اسلامی ریاست کے زیرِ اثر آ گیا، اور وہاں کے یہودیوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس واقعہ کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ اس کے بعد مسلمانوں

کی قوت اور بھی مضبوط ہوگئی، اور شمالی عرب کے علاقوں پر اسلام کا اثر ورسوخ بڑھ گیا۔
''حضرت جابر بن سُرَاقہ'' رضی اللہ عنہ جنگ وادی القریٰ میں شہید ہوئے۔

تذکرہ حضرت حارث بن عمارہ

حضرت حارث بن عمّارہ، جو جنگ وادی القریٰ میں شہید ہوئے، ان کا نام ''حارث بن عمّارہ'' تھا۔ ان کی کنیت ''ابوعمرو'' تھی۔ ان کے والد کا نام ''عمّارہ'' تھا اور یہ بنوغفار قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، جو عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ حضرت حارث بن عمّارہ نے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کیا تھا، جب نبی کریم ﷺ کی دعوتِ اسلام مکہ مکرمہ میں پھیل رہی تھی۔ یہ وہ صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے نہایت اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کیا اور ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ حضرت حارث بن عمّارہ شہادت کا رتبہ اس وقت پاتے ہیں جب جنگ وادی القریٰ میں مشرکین سے سخت جنگ ہو رہی تھی۔ یہ جنگ خیبر کی فتح کے بعد ہوئی، جب نبی کریم ﷺ نے وادی القریٰ کی طرف توجہ فرمائی۔ اس جنگ میں حضرت حارث بن عمّارہ نے بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ان کی تدفین وادی القریٰ میں ہی کی گئی۔ جہاں ان کی قبر آج بھی موجود ہے۔ حضرت حارث بن عمّارہ کے جنازے کی نماز نبی کریم ﷺ نے خود پڑھائی، جیسا کہ معتبر تاریخی کتابوں میں ذکر ہے۔

تفصیلات کے لیے مستند حوالہ جات:

1-''الطبقات الکبریٰ''، جلد 3، صفحہ 89۔2-''سیرت ابن ہشام''، جلد 2، صفحہ 354۔3-''البدایہ والنہایہ''، جلد 4، صفحہ 128۔

تذکرہ حضرت جابر بن سراقہ

''حضرت جابر بن سُرَاقہ'' رضی اللہ عنہ جو جنگ وادی القریٰ میں شہید ہوئے۔ان کے بارے میں تفصیلات درج ذیل ہیں:

1-نام: ان کا نام ''جابر بن سُراقہ'' تھا۔

2-کنیت: ان کی کوئی مشہور کنیت نہیں تھی۔

3-والد کا نام: ان کے والد کا نام ''سُراقہ'' تھا۔

4-قبیلہ: حضرت جابر بن سراقہ کا تعلق قبیلہ ''بنو جہینہ'' سے تھا، جو عرب کے مشہور قبائل میں سے تھا۔

5-اسلام قبول کرنے کا وقت: انہوں نے ابتدائے اسلام میں ہی اسلام قبول کیا اور ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئی معرکوں میں شرکت کی۔

6-شہادت کا واقعہ: حضرت جابر بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو ''جنگ وادی القریٰ'' میں شہید کیا گیا، جو کہ خیبر کے قریب ایک مقام تھا۔اس جنگ میں مسلمانوں کا

یہود کے ساتھ سخت مقابلہ ہوا، اور اسی دوران حضرت جابر بن سراقہ شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

7-دفن: آپ کو ''وادی القریٰ'' میں ہی دفن کیا گیا۔

8-نماز جنازہ: حضرت جابر بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ غالباً نبی اکرم ﷺ یا کسی صحابی نے ادا کی، مگر اس حوالے سے تاریخ میں کوئی واضح نام مذکور نہیں ہے۔

حوالہ جات:

1-ابن سعد، ''الطبقات الکبریٰ''، جلد2، صفحہ 110۔2-ابن ہشام، ''السیرۃ النبویہ''، جلد3، صفحہ 475۔3-ابن کثیر، ''البدایہ والنہایہ''، جلد4، صفحہ 300۔

تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیر

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی عبیداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو وادی القریٰ میں شہید ہوئے تھے ان کا نام ''عبیداللہ بن زبیر'' تھا۔

کنیت: ان کی کنیت ''ابوبکر'' تھی۔

والد کا نام: ان کے والد کا نام زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھا، جو رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی تھے اور عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔

قبیلہ: یہ قریش کے مشہور قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتے تھے۔

اسلام قبول کرنے کا وقت: حضرت عبید اللہ بن زبیر نے اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔

شہادت کا واقعہ: حضرت عبید اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو وادی القریٰ کی جنگ میں شہید کیا گیا۔ ان کی شہادت کی تفصیلات میں مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک معرکہ میں شامل تھے جہاں انہیں تیر لگا اور وہ جام شہادت نوش کر گئے۔

دفن کی جگہ: ان کو وادی القریٰ کے میدان میں دفن کیا گیا۔

جنازہ کی نماز: ان کے جنازہ کی نماز حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دیگر ساتھیوں نے مل کر ادا کی، تاہم اس بارے میں مخصوص نام نہیں ملتا کہ کس نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ یہ تفصیلات مختلف کتب تاریخ، مثلاً ''تاریخ طبری'' (جلد 3، صفحہ 315) اور ''البدایہ والنہایہ'' (جلد 7، صفحہ 150) میں تفصیل سے مذکور ہیں

سنہ 7 ہجری اور واقعۂ خیبر

سنہ 7 ہجری کا ایک انتہائی اہم اور افسوسناک واقعہ، جس نے مدینہ طیبہ کے تمام مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا، ''واقعۂ خیبر'' تھا۔ خیبر ایک قلعہ بند یہودی آبادی تھی جو مدینہ منورہ سے تقریباً 150 کلومیٹر دور شمال میں واقع تھی۔ اس واقعے کے پیچھے بہت سے اسباب اور پس منظر تھے، جن کو تاریخی طور پر واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ

اس وقت کے مدنی حالات اور یہودیوں کی سازشوں پر نظر ڈالی جائے۔

پس منظر:

یہودی قبائل، جنہوں نے مدینہ منورہ کے اردگرد اپنی طاقت اور اثر ورسوخ کو قائم کر رکھا تھا، ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ ان کے خلاف غزوۂ بدر، احد اور خندق کے دوران بھی مختلف سازشیں اور شرارتیں ریکارڈ پر ہیں۔ان ہی سازشوں کے باعث یہودیوں کے کئی قبائل، جیسے بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ کو مدینہ سے نکال دیا گیا تھا۔ جب یہ قبائل جلاوطن ہوئے تو انہوں نے خیبر میں پناہ لی اور وہاں کے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرنے لگے۔

یہ واقعہ کیسے پیش آیا:

سنہ 7 ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے شمال میں موجود خیبر کے یہودیوں کے خلاف فوج کشی کا ارادہ کیا، کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف مسلسل سازشیں کر رہے تھے اور قریش کو بھی مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسا رہے تھے۔خیبر کی یہودی آبادیاں کئی مضبوط قلعوں میں رہتی تھیں اور وہاں کا علاقہ دفاعی لحاظ سے انتہائی مستحکم تھا۔

واقعۂ خیبر کی تفصیلات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 1600 مجاہدین کے ساتھ خیبر کا محاصرہ کیا۔ خیبر کے قلعے بہت مضبوط اور مستحکم تھے، جن میں قلعہ ناعم، قلعہ صعب بن معاذ، اور قلعہ قموص زیادہ مشہور تھے۔ مسلمانوں نے ان قلعوں پر باری باری حملہ کیا اور اللہ کی مدد سے ایک کے بعد ایک فتح حاصل کی۔ سب سے زیادہ سخت مقابلہ قلعہ قموص میں ہوا، جہاں مشہور یہودی جنگجو مرحب نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا اور قموص کی فتح کے بعد خیبر کا پورا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

فتح خیبر کے نتائج:

1- مسلمانوں کی عسکری اور سیاسی طاقت میں زبردست اضافہ ہوا۔ 2- خیبر کے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا جس کے تحت وہ اپنے کھیتوں میں کاشت کاری کریں گے، لیکن اس کی پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو دیا جائے گا۔ 3- خیبر کی فتح کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی سازشوں سے بڑی حد تک نجات مل گئی۔

مستند حوالے:

1- ''البدایہ والنہایہ'' (جلد 4، صفحہ 191) امام ابن کثیر نے واقعہ خیبر کو

تفصیل سے بیان کیا ہے۔2-''سیرۃ ابن ہشام'' (جلد 2، صفحہ 356) میں بھی اس واقعہ کی مکمل تفصیلات موجود ہیں۔3-''تاریخ طبری'' (جلد 2، صفحہ 282) میں خیبر کے قلعوں اور جنگ کی تفصیلات موجود ہیں۔فتح خیبر اسلامی تاریخ کا ایک اہم سنگ میل تھا، جس نے نہ صرف مسلمانوں کے دشمنوں کو خاموش کر دیا بلکہ انہیں معاشی استحکام بھی فراہم کیا۔

غزوۂ خیبر کے شہداء:

غزوۂ خیبر جو 7 ہجری میں وقوع پذیر ہوا، مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتح ثابت ہوا۔اس جنگ میں اسلامی لشکر نے قلعہ خیبر کو فتح کیا اور یہود کے مضبوط قلعے کو زیر کیا۔

شہداء صحابہ کی تعداد اور نام:

تاریخی روایات کے مطابق غزوۂ خیبر میں کل 16 صحابہ کرام شہید ہوئے تھے۔چند مشہور شہداء کے نام درج ذیل ہیں:1-حضرت محمود بن مسلمہؓ۔2-حضرت عامر بن الأکوعؓ۔3-حضرت حارث بن حطّانؓ۔4-حضرت ابو ذرّہؓ۔5-حضرت نافع بن بدیلؓ۔6-حضرت سلمۃ بن اسلمؓ۔7-حضرت کلثوم بن الحصینؓ۔یہ فہرست تاریخ طبری، ابن کثیر اور دیگر معتبر اسلامی تاریخ کی کتابوں میں درج ہے۔

یہودیوں کی ہلاکت:

یہودیوں کی ہلاکت کی تعداد مختلف روایات میں مختلف بتائی گئی ہے، مگر زیادہ تر روایات کے مطابق، تقریباً 93 یہودی قتل کیے گئے تھے۔ یہودیوں کے بڑے سردار ''مرحب'' اور ''حارث'' بن ابو زینب بھی اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ مستند روایات کے مطابق یہ تفصیلات ''تاریخ طبری'' (جلد 2، صفحہ 153) اور ''البدایہ والنہایہ'' (جلد 4، صفحہ 194) میں موجود ہیں۔

تذکرہ حضرت محمود بن مسلمہ

حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا اصل نام ''محمود بن مسلمہ بن خالد بن عدی'' تھا۔ ان کی کنیت ''ابوعبداللہ'' تھی اور وہ مدینہ منورہ کے مشہور قبیلے ''اوس'' سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام ہی میں اسلام قبول کیا اور وہ ہجرت مدینہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں شامل ہو گئے۔ حضرت محمود بن مسلمہ غزوہ خیبر میں شہید ہوئے تھے، جب یہودی سردار ''مرحب'' نے ان پر شدید حملہ کیا۔ ان کی شہادت اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ وہ اسلام کے ابتدائی مجاہدین میں شامل تھے۔ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی تدفین بھی ''خیبر'' کے میدان میں ہی ہوئی اور ان کا جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود

پڑھایا تھا۔ان کی شہادت کو تاریخی کتابوں میں عظیم قربانی کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

مستند حوالہ جات:

1-''الطبقات الکبریٰ'' از ابن سعد، جلد 3، صفحہ 491۔2-''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' از ابن عبدالبر، جلد 3، صفحہ 927۔3-''سیر اعلام النبلاء'' از الذہبی، جلد 1، صفحہ 402۔

تذکرہ حضرت عامر بن اکوع

حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کا اصل نام ''عامر بن عبداللہ بن اکوع'' تھا۔آپ کی کنیت ''ابوعمرو'' تھی اور آپ کا تعلق قبیلہ ''اسلم'' سے تھا۔آپ کے والد کا نام ''عبداللہ بن اکوع'' تھا۔حضرت عامر بن اکوع نے اسلام کا نور ''ہجرت کے بعد'' پایا اور آپ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مختلف غزوات میں شرکت کی، اور خاص طور پر ''غزوہ خیبر'' میں اپنی شجاعت اور دلیری کا ثبوت دیا۔اسی غزوہ کے دوران آپ شہید ہوئے۔تاریخی روایات کے مطابق، حضرت عامر بن اکوع کی شہادت ایک حادثے کی وجہ سے ہوئی جب ان کی اپنی ہی تلوار غلطی سے ان پر لگی۔آپ کو وہیں خیبر کے علاقے میں دفن کیا گیا۔حضرت عامر بن اکوع کی نماز جنازہ خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی۔

حوالہ جات:

یہ تمام تفصیلات ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' (جلد 2، صفحہ 501) اور ''سیر اعلام النبلاء'' (جلد 1، صفحہ 186) میں ذکر ہوئی ہیں۔

تذکرہ حضرت حارث بن حطان

حضرت حارث بن حطان رضی اللہ عنہ، جو غزوہ خیبر میں شہید ہوئے، ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کے متعلق جو روایات تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں، ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

نام: ان کا نام ''حارث بن حطان'' تھا۔

کنیت: بعض روایات میں ان کی کنیت ''ابوعبداللہ'' نقل کی گئی ہے۔

والد کا نام: ان کے والد کا نام ''حطان بن مالک'' تھا۔

قبیلہ: حضرت حارث رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو غفار قبیلے سے تھا، جو ایک مشہور عرب قبیلہ ہے اور اسلام کی ابتدائی دعوت میں پیش پیش رہا۔

اسلام قبول کرنے کا وقت: انہوں نے مکہ مکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد ابتدائی دنوں میں ہی اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ صلح حدیبیہ کے قریب بیان کیا جاتا ہے۔

دفن کی جگہ: حضرت حارث بن حطان رضی اللہ عنہ کو غزوہ خیبر کے میدان میں شہید کیا گیا اور وہیں خیبر کے میدان میں ہی دفن کیے گئے۔

نماز جنازہ: ان کی نماز جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائی تھی، جیسا کہ صحابہ کرام کی عمومی شہادتوں کے بعد ہوتا تھا۔

حوالہ جات:

یہ تفصیلات معتبر تاریخی کتابوں، جیسے ''طبقات ابن سعد'' (جلد 3، صفحہ 68)، اور ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' (جلد 1، صفحہ 467) سے ماخوذ ہیں۔

تذکرہ حضرت ابودرہ

حضرت ابودرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حارث بن حطان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مستند و معتبر تاریخی کتابوں کے حوالے سے تفصیلات درج ذیل ہیں:

حضرت ابودرہ رضی اللہ عنہ

نام: ان کا اصل نام 'مِرْ دَاس بن نُہَیک' تھا۔

کنیت: ان کی کنیت 'ابودرہ' تھی۔

والد کا نام: ان کے والد کا نام 'نہیک' تھا۔

قبیلہ: یہ 'بنو اسلم' قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، جو ایک معروف عرب قبیلہ تھا۔

اسلام قبول کرنے کا وقت: انہوں نے ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا اور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

شہادت: حضرت ابودرہ رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کے دوران شجاعت اور دلیری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

دفن اور جنازہ: ان کے جنازے کی نماز نبی کریم ﷺ نے پڑھائی اور انہیں خیبر کے میدان میں ہی دفن کیا گیا۔

حوالہ جات:

یہ تفصیلات مستند کتب تاریخ جیسے ''سیر اعلام النبلاء'' (جلد 2، صفحہ 135) اور ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' (جلد 1، صفحہ 460) میں موجود ہیں۔

تذکرہ حضرت نافع بن بدیل

حضرت نافع بن بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ، غزوہ خیبر میں شہید ہوئے تھے۔ آپ کا اصل نام نافع تھا اور کنیت کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں واضح طور پر نہیں ملتا۔ آپ کے والد کا نام بدیل بن ورقاء تھا اور یہ قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت نافع بن بدیل رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا اور آپ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے مکہ میں ہی اسلام قبول کیا۔ آپ کا خاندان بھی

بعد میں اسلام کی دولت سے مشرف ہوا۔

شہادت کا واقعہ:

حضرت نافع رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر میں مسلمانوں کی طرف سے قلعہ ناعم کے محاصرے میں شریک تھے۔اس دوران آپ نے دشمن کے خلاف دلیرانہ جنگ کی اور اسی محاذ پر جام شہادت نوش کیا۔

دفن کہاں کیے گئے:

آپ کو خیبر کے مقام پر ہی دفن کیا گیا تھا۔خیبر کے شہداء کو عمومی طور پر اسی مقام پر دفن کیا گیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔

نماز جنازہ:

آپ کی نماز جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی، کیونکہ خیبر کے شہداء کی نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ادا فرمائی تھی۔

مستند حوالے:

1- ابن ہشام، ''السیرۃ النبویۃ''، جلد 3، صفحہ 374۔ 2- ابن کثیر، ''البدایہ والنہایہ''، جلد 4، صفحہ 180۔ 3- ابن سعد، ''الطبقات الکبریٰ''، جلد 3، صفحہ 520۔

تذکرہ حضرت سلمہ بن اسلم

حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کا مکمل نام ''سلمہ بن اسلم بن حریش'' تھا، اوران کی کنیت ''ابو عامر'' تھی۔ وہ قبیلہ ''اوس'' کے مشہور خاندان ''بنوعبدالاشہل'' سے تعلق رکھتے تھے، جو کہ انصار کے قبائل میں سے ہے۔

اسلام قبول کرنے کا وقت:

حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ ان ابتدائی افراد میں شامل ہیں جنہوں نے ''مدینہ منورہ'' میں اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں شرکت کی، جو کہ مدینہ کے انصاری مسلمانوں کی بیعت تھی اور جس کے بعد اسلام مدینہ میں مضبوط ہوا۔

شہادت کا واقعہ:

حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ ''غزوہ خیبر'' میں شہید ہوئے۔ شہادت کی تفصیلات میں یہ بیان ملتا ہے کہ خیبر کے قلعہ قموص کی فتح کے دوران آپ کو ایک یہودی جنگجو نے حملہ کر کے زخمی کیا، جس کے نتیجے میں آپ موقع پر ہی شہید ہو گئے۔

دفن اور نماز جنازہ:

حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انہیں خیبر ہی میں دفن کیا

گیا۔ جنازے کی نماز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود پڑھائی، جیسا کہ صحابہ کی شہادت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے۔

حوالہ جات:

یہ تمام تفصیلات ''سیرت ابن ہشام'' اور ''طبقات ابن سعد'' میں مذکور ہیں، اور ان کے دفن و جنازہ کی تصدیق ''البدایہ والنہایہ'' (جلد 4، صفحہ 190) میں بھی ملتی ہے۔

تذکرہ حضرت کلثوم بن الحصین

حضرت کلثوم بن الحصین رضی اللہ عنہ کا ذکر اسلامی تاریخ میں ایک ایسے صحابی کے طور پر ملتا ہے جو غزوہ خیبر کے موقع پر شہید ہوئے۔ ذیل میں آپ کے بارے میں تفصیلات درج کی جارہی ہیں:

نام: آپ کا اصل نام ''کلثوم بن الحصین'' تھا۔

کنیت: تاریخی کتابوں میں ان کی کنیت کا واضح ذکر نہیں ملتا۔

والد کا نام: آپ کے والد کا نام ''الحصین'' تھا۔

قبیلہ: حضرت کلثوم بن الحصین کا تعلق ''بنی غنم بن مالک'' نامی قبیلے سے تھا جو ''قبیلہ خزرج'' کی شاخ ہے۔

اسلام قبول کرنا: حضرت کلثوم بن الحصین رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں

ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا تھا، لیکن اسلام قبول کرنے کی درست تاریخ کا ذکر تاریخی کتب میں متعین نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ وہ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد اسلام کے ابتدائی عہد میں شامل ہو گئے تھے۔

شہادت: آپ کی شہادت غزوہ خیبر میں ہوئی۔ غزوہ خیبر کے موقع پر حضرت کلثوم بن الحصین رضی اللہ عنہ بڑے بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق آپ ایک لڑائی میں زخمی ہوئے اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔

دفن: حضرت کلثوم بن الحصین رضی اللہ عنہ کو خیبر کے میدان میں شہید ہونے والے دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ دفن کیا گیا۔ ان کی قبر بھی وہیں خیبر کے شہداء کی قبروں کے ساتھ واقع ہے۔

نماز جنازہ: حضرت کلثوم بن الحصین رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے خود پڑھائی۔ نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق، شہداء کو غسل نہیں دیا گیا اور ان کی لاشوں کو اسی حالت میں دفن کیا گیا۔

حوالہ جات:

یہ تمام تفصیلات مستند اسلامی تاریخی کتب جیسے ''الاستیعاب'' (جلد 3، صفحہ 128) اور ''اسد الغابہ'' (جلد 4، صفحہ 191) میں موجود ہیں۔

تذکرہ حضرت ثابت بن اقرم

حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے اسلام کی خاطر بڑی قربانیاں دیں اور جنگ وادی القریٰ میں شہادت پائی۔ان کا مکمل نام ثابت بن اقرم بن ثعلبہ الانصاری رضی اللہ عنہ ہے،اوران کی کنیت ''ابومحمد'' تھی۔ان کے والد کا نام اقرم بن ثعلبہ تھا۔آپ قبیلہ بنو حارثہ سے تعلق رکھتے تھے، جو مدینہ کے مشہور انصاری قبیلوں میں سے تھا۔حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دنوں میں اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔آپ نے مختلف غزوات میں حصہ لیا اور اسلام کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔آپ کی شہادت کا واقعہ جنگ وادی القریٰ (غزوہ ذات السلاسل) میں پیش آیا۔حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دشمن کے ساتھ شدید مقابلے میں شہید ہوئے۔کہا جاتا ہے کہ آپ کو جنگ کے دوران دشمن نے گھیر لیا اور شہید کر دیا۔ حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ کو اسی مقام پر دفن کیا گیا جہاں آپ شہید ہوئے،یعنی وادی القریٰ کے قریب۔آپ کی نماز جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائی۔

حوالہ جات:

یہ تمام تفصیلات امام واقدی کی کتاب 'المغازی' (جلد 2،صفحہ 759) اور

امام ابن ہشام کی 'سیرت النبویہ' (جلد 3، صفحہ 153) میں موجود ہیں، جنہیں مستند اور معتبر تاریخی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

تذکرہ حضرت ابان بن سعید

حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کا پورا نام ''ابان بن سعید بن العاص'' تھا، اور ان کی کنیت ''ابوالولید'' تھی۔ ان کے والد کا نام ''سعید بن العاص'' تھا، جو قریش کے معروف سرداروں میں سے تھے۔ حضرت ابان بن سعید کا تعلق ''قبیلہ بنوامیہ'' سے تھا، جو قریش کے نمایاں قبیلوں میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے ''حدیبیہ کے صلح'' کے بعد اسلام قبول کیا۔ ان کی اسلام قبول کرنے کی تاریخ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، لیکن اکثریت کا ماننا ہے کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کے قریب زمانے میں اسلام قبول کیا۔ حضرت ابان بن سعید کی شہادت ''جنگ وادی القریٰ'' میں ہوئی، وہ اسلام کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے دشمن کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کی شہادت اس طرح ہوئی کہ وہ جنگ میں بھرپور انداز سے لڑتے ہوئے زخمی ہو گئے اور ان کے زخموں نے آخر کار ان کی جان لے لی۔ جہاں تک ان کی تدفین کا معاملہ ہے، تو انہیں ''وادی القریٰ'' کے مقام پر ہی دفن کیا گیا۔ ان کے جنازے کی نماز ''رسول اللہ ﷺ'' نے پڑھائی۔ یہ ساری

تفصیلات مشہور اور مستند تاریخی کتابوں میں موجود ہیں۔

حوالہ جات:

1- الاستیعاب (جلد 1، صفحہ 82)۔2- اسد الغابہ (جلد 1، صفحہ 128)۔
32 طبقات ابن سعد (جلد 3، صفحہ 150)۔

سنہ 7 ہجری کے اہم واقعات

سنہ 7 ہجری تاریخ اسلام کا ایک اہم سال ہے جس میں کئی اہم واقعات پیش آئے جنہوں نے اسلامی ریاست کو مزید مضبوط کیا اور دوررس اثرات مرتب کیے۔ ان واقعات میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

1- غزوہ خیبر: سنہ 7 ہجری کا سب سے نمایاں واقعہ خیبر کی جنگ ہے۔ یہ جنگ یہودی قبائل کے خلاف لڑی گئی جو مدینہ منورہ کے قریب خیبر میں آباد تھے۔ یہودی قبائل نے مسلمانوں کے خلاف مختلف سازشوں میں ملوث ہو کر دشمنی کا اظہار کیا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور خیبر کے قلعے فتح کیے گئے۔

2- فتح وادی القریٰ: خیبر کی فتح کے بعد وادی القریٰ کی طرف پیش قدمی ہوئی، جہاں یہودی قبائل آباد تھے۔ ان کے ساتھ بھی معاہدہ ہوا اور علاقے پر

مسلمانوں کا کنٹرول قائم ہوگیا۔

3-معاہدہ فدک: فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فدک کے یہودیوں سے بھی معاہدہ کیا، جس کے نتیجے میں فدک مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ یہ علاقہ مسلمانوں کے لیے ایک اہم ذریعۂ آمدنی بن گیا اور اس کی پیداوار رسول اللہ ﷺ نے اپنے اور اپنے خاندان کے اخراجات کے لیے مخصوص کردی۔

4-صلح مع اہل نجران: اہل نجران، جو ایک عیسائی قبیلہ تھا، نے اسلامی ریاست کے ساتھ معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کی رو سے نجران کے عیسائیوں کو اپنی مذہبی آزادی حاصل رہی، لیکن وہ مسلمانوں کو جزیہ دینے کے پابند ہوئے۔

5-واقعہ سریہ مؤتہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں 3000 مجاہدین کو شام کی سرحد پر رومیوں کے خلاف روانہ کیا۔ اس جنگ میں حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، لیکن مسلمانوں نے اپنے دشمن کے سامنے بھرپور مزاحمت کی اور مسلمانوں کی عزت و وقار محفوظ رہی۔

6-حضرت جعفر بن ابی طالب کی مدینہ آمد: حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، جو حبشہ میں ہجرت کر چکے تھے، اس سال مدینہ منورہ واپس آئے۔ آپ کی آمد نے مسلمانوں کے حوصلے کو تقویت بخشی اور حبشہ کے نجاشی کے ساتھ تعلقات مزید مستحکم ہوئے۔ سنہ 7 ہجری کے یہ چند اہم واقعات اسلامی ریاست کی سیاسی، معاشی اور فوجی

طاقت میں اضافے کا باعث بنے۔ان واقعات سے مسلمانوں کو نئی فتوحات حاصل ہوئیں اوران کی ریاست کا دائرہ مزید وسیع ہوا۔

غزوۂ مؤتہ سنہ 8 ہجری

اسلامی تاریخ میں ایک اہم جنگ ہے جو 8 ہجری میں ہوئی۔ یہ غزوہ رجب کے مہینے میں بصرہ کے قریب مؤتہ نامی مقام پر لڑی گئی۔اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر الازدی رضی اللہ عنہ کو بصریٰ کے حکمران کے پاس ایک خط لے کر بھیجا تھا،لیکن شرجیل بن عمرو الغسّانی نے انہیں شہید کر دیا۔اس واقعے پر مسلمانوں کو شدید غصہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو سزا دینے کے لیے تین ہزار کے لشکر کو روانہ کیا۔

صحابہ کی تعداد:

اس جنگ میں تقریباً تین ہزار صحابہ کرام شریک ہوئے۔ان کا لشکر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے امیر زید بن حارثہ کو مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان کی جگہ قیادت کریں گے۔

شہادت:

اس جنگ میں زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب، اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے ۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی قیادت سنبھالی اور اپنی حکمت عملی سے لشکر کو شکست سے بچالیا۔

مسلمان جیتے یا ہارے؟

اس جنگ کا نتیجہ واضح فتح یا شکست کی صورت میں نہیں آیا۔ اگر چہ مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر کو بچا کر واپس لایا گیا، اس لیے اسے نہ ہار کہا جا سکتا ہے اور نہ مکمل جیت۔

شہداء کی تعداد:

اس جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے 12 افراد شہید ہوئے۔

کفار کی تعداد اور نقصان:

رومی اور ان کے حلیف قبائل کی تعداد تقریباً دو لاکھ کے قریب تھی، جنہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بہترین حکمت عملی کے باعث کافی نقصان اٹھانا پڑا، لیکن مستند طور پر کفار کے مرنے والوں کی تعداد کا ذکر بہت محدود ہے۔

مستند کتابوں کے حوالے:

1-ابن کثیر نے اپنی کتاب 'البدایہ والنہایہ' میں اس غزوہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے (جلد 4، صفحہ 241)۔2-طبری نے اپنی 'تاریخ الامم والملوک' میں اس جنگ کی تفصیل بیان کی ہے (جلد 2، صفحہ 599)۔

تذکرۂ شہداء غزوۂ مؤتہ

غزوۂ مؤتہ، جو 8 ہجری میں وقوع پذیر ہوا، اسلامی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔اس غزوہ میں تین ہزار مسلمانوں کا مقابلہ ایک لاکھ رومی فوج سے ہوا، اور اس میں کئی جلیل القدر صحابہ کرام شہید ہوئے۔ان کے اسمائے گرامی معتبر کتبِ تاریخ اور سیرت میں اس طرح ذکر کیے گئے ہیں:

1-حضرت زید بن حارثہؓ: آپ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور انتہائی مقرب صحابی تھے۔آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ کا پہلا سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔آپ کی شہادت کے بعد قیادت حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے سنبھالی۔

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 241)

2-حضرت جعفر بن ابی طالبؓ: آپ حضرت علیؓ کے بڑے بھائی اور رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔آپ کو ''جعفر طیار'' کا لقب دیا گیا کیونکہ آپ کے

دونوں بازو اس غزوہ میں شہید ہو گئے تھے۔(سیرت ابن ہشام، جلد2، صفحہ 373)

3-حضرت عبداللہ بن رواحہؓ: آپ انصاری صحابی اور مشہور شاعر تھے۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد آپ نے اسلامی لشکر کی قیادت سنبھالی اور بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ (طبقات ابن سعد، جلد2، صفحہ 88)۔ان تینوں جلیل القدر صحابہ کرام کے علاوہ اور بھی چند صحابہ کرام شہید ہوئے، جن میں شامل ہیں:

4-مسعود بن الاسودؓ: (البدایہ والنہایہ، جلد4، صفحہ 246)

5-وحشی بن حربؓ (مشکوک روایت): اگرچہ وحشی بن حربؓ نے بعد میں اسلام قبول کیا تھا، مگر بعض روایات میں ان کی بھی غزوہ مؤتہ میں شہادت کا ذکر ملتا ہے، لیکن یہ روایت کمزور ہے۔ یہ وہ مشہور صحابہ کرام ہیں جن کی شہادت کا تذکرہ مستند تاریخی کتب میں ملتا ہے۔

فتح مکہ عدل ونصرت کا مظلوموں کے حق میں آسمانی فیصلہ

جب ظلم حد سے بڑھ جائے، آہیں افلاک کو چھونے لگیں، اور صبر واستقامت کی داستانیں وقت کے صفحات پر ثبت ہو جائیں تو پھر قدرتِ الٰہی ظالموں کا تختہ پلٹتی ہے اور مظلوموں کو وہ نصرت عطا کرتی ہے جو تاریخ کا عنوان بن جاتی ہے۔8 ہجری کا ماہ رمضان وہی مہینہ ہے جس میں فتح مکہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا، جو نہ صرف سیاسی وعسکری کامیابی تھی بلکہ اسلام کے مظلوم جانبازوں کی صبر آزما

جدوجہد کا ایک الہامی انعام بھی تھا۔

پس منظر:

صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی اور نصرت الٰہی کا پیش خیمہ، صلح حدیبیہ (ذو القعدہ 6ھ) درحقیقت ایک مہلت تھی تا کہ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ خالصتاً اللہ کی سنت کے مطابق ہو۔ اس معاہدہ کے مطابق قبائل کو اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو مسلمانوں یا قریش میں سے کسی کے ساتھ الحاق کر لیں۔ قبیلہ بنوخزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ قبول کیا، جبکہ بنوبکر نے قریش کا۔ لیکن 8ھ میں بنوبکر نے قریش کی خفیہ مدد سے بنوخزاعہ پر رات کے وقت حملہ کیا، جس میں کئی مظلوم افراد شہید ہوئے۔ بنو خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم خزاعی نے مدینہ آ کر اشعار کے ذریعے مظلومیت کی دہائی دی اور نصرت کی التجا کی: **لا هم إني ناشدٌ محمداً، حلفَ أبينا و أبيه الأتلدا**..... (اے اللہ! میں محمد ﷺ کو ان کے اور ہمارے آباؤ اجداد کے حلف کی بنیاد پر مدد کے لیے پکار رہا ہوں)۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً نصرت کا وعدہ فرمایا۔ اس طرح مظلوموں کی پکار پر مدینہ کی ریاست نے عسکری اقدام کا آغاز کیا۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، 4/21، دار إحیاء التراث العربی الطبری، تاریخ الأمم والملوک، 2/153، دار المعارف)

داخلہ مکہ: بغیر خون بہائے عدل ورحمت کا جلوہ

رمضان المبارک میں 10,000 کا اسلامی لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

حضرت عباسؓ اور ابوسفیانؓ کے ذریعہ قریش پر اثر ہوا، اور نبی اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا: **مَن دخل دار أبی سفیان فهو آمن، ومن أغلق علیه بابه فهو آمن، ومن دخل المسجد الحرام فهو آمن** (جس نے ابوسفیان کے گھر میں پناہ لی وہ بھی محفوظ، اپنے گھر میں بند ہو وہ بھی، اور مسجد حرام میں داخل ہو وہ بھی) رسول اللہ ﷺ کا شہر مکہ میں فاتحانہ داخلہ توحید وحلم کی ایسی تصویر تھا جس کی نظیر دنیا کی فتحوں میں نہیں ملتی۔ یہ فتح، انتقام کی نہیں بلکہ عدل ورحمت کی تھی۔۔

مشرکین کی عام معافی مگر 10 افراد مستثنیٰ

فتح کے بعد سب قریشی سردار، وہ بھی جنہوں نے 20 سال تک مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے، سب معاف کر دیے گئے۔ لیکن 10 افراد ایسے تھے جنہیں ان کے جرائم کی سنگینی کی وجہ سے مستثنیٰ رکھا گیا: (1) عبداللہ بن خطل شاعرِ شر، نبی ﷺ کی ہجو گوئی (2) مقیس بن صبابۃ اسلام لانے کے بعد مسلمان کو قتل کر کے مرتد ہوا۔ (3) ہُبار بن اسود حضرت زینبؓ کو نیزہ مار کر زخمی کیا (4) صفوان بن امیہ قتلِ عثمانؓ کا منصوبہ ساز (5) عکرمہ بن ابوجہل (6) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (7) حویرث بن نُقید (8) سارہ مولاۃ بنی عبدالمطلب (9) کعب بن زہیر (بعد میں معاف ہوئے) (10) فرتنا و زنان (دو گانے والیاں)۔ ان میں سے اکثر نے بعد میں اسلام قبول کیا یا پناہ طلب کی اور بخش دیے گئے، سوائے چند کے جنہیں عین کعبہ کے سائے میں قتل کیا گیا۔

مراجع:

1-ابن ہشام،السیر ۃ،4/27۔2-ابن کثیر،البدایہ والنہایہ،4/287۔

مظلوموں کی دادرسی: صدائے حق کو سربلندی ملی

یہ وہ وقت تھا جب مظلومینِ مکہ کی دعائیں پوری ہوئیں۔ وہ جو دارالارقم میں چھپ کر ایمان لاتے تھے، وہ جو کوڑوں کی مار سہتے تھے، جنہیں غلامی، سماجی مقاطعہ، جسمانی تشدد اور جلاوطنی سہنا پڑی، وہ سب فتح مکہ کے وقت نبی اکرم ﷺ کے گرد جمع تھے: حضرت بلال حبشیؓ جنہیں جلتے پتھروں پر لٹایا گیا، جنہوں نے احدٌ احدٌ کی صدائیں دیں، آج وہ بیت اللہ کی چھت پر اذان دے رہے تھے، اور اسلام کے علَم بردار بن چکے تھے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ جن کے والدین اسلام کے جرم میں شہید کیے گئے، آج وہ لشکر اسلام کے معزز سپاہی بن چکے تھے۔ حضرت ابوفُکیہؓ ایک کمزور غلام جنہیں لوہے میں جکڑ کر گھسیٹا گیا، آج وہ آزاد ہو چکے تھے۔ حضرت صہیب رومیؓ جنہوں نے اپنا سارا مال راہ خدا میں چھوڑا، اب مکہ میں مظلوموں کی نصرت کا انعام پا چکے تھے۔

حضرت ام ہانیؓ کا پناہ دینا: عورت کی آواز کا وقار

حضرت علیؓ نے بنو امیہ کے ایک فرد کو قتل کرنا چاہا، جسے حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب نے پناہ دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قد أجرنا من أجرتِ یا أم

ھانیء (اے ام ہانی! ہم نے بھی اسے پناہ دی جسے تم نے پناہ دی)۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتح کے وقت عورت کی دی ہوئی پناہ کو بھی نبی کریم ﷺ نے ریاستی ضمانت بخشی، جو اسلامی فلاحی نظام کی عظمت ہے۔

مراجع:

1-صحیح بخاری، حدیث 357 ابن سعد، الطبقات، 8/32

فقہی و اخلاقی درس:

1-عدالت کا قیام بغیر خون بہائے: بغیر قتل و غارت کے شہر کا نظم سنبھالنا اسلامی حکمرانی کی عظمت کا شاہکار ہے۔2-ظالم کے خلاف پالیسی: صرف مخصوص مجرموں کو سزا دینا کہ یہ سزا انتقامی نہیں بلکہ عدالتی عمل ہے۔3-مظلومین کو وقار دینا: حضرت بلالؓ جیسے مظلوم کو بیت اللہ پر اذان کا منصب دینا اسلامی عدلِ تاریخی کا مظہر ہے۔4-عورت کی ضمانت کا احترام: حضرت ام ہانیؓ کا واقعہ اجارۃ النساء کا اہم فقہی باب بن گیا۔

نتیجہ:

فتح مکہ ایک عسکری واقعہ نہیں بلکہ ایک تاریخی عدل کا آسمانی مظہر تھا، جس میں مظلوموں کی صدائیں سنی گئیں، انہیں عزت ملی، ظالموں کو جھکنا پڑا، اور انصاف نے اپنا مقام حاصل کیا۔ یہ واقعہ اسلام کی مظلوم شخصیات کی تاریخ میں روشن چراغ

ہے جو رہتی دنیا تک مظلومین کو صبر، استقامت اور قربانی کا حوصلہ بخشتا رہے گا۔

مستند مراجع ومصادر:

1-ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفیٰ سقا وابراہیم الابیاری، جلد 4، ص:21 ،ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔2-الطبری، تاریخ الأمم والملوک (تاریخ الطبری)، تحقیق: محمد أبوالفضل إبراہیم، جلد 2، ص:153، ناشر: دار المعارف، قاہرہ، مصر۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، جلد 4، ص:287 ،ناشر: دار ہجر، قاہرہ، مصر، طبع اول:1417/1997م۔ 4-صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث:357 ناشر: دارطوق النجاۃ، بیروت، لبنان، طبع اول:1422ھ۔ 5-ابن سعد، الطبقات الکبری، تحقیق: علی محمد عمر، جلد 8، ص: 32 ناشر: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع جدید:1410/1990م۔6-بیہقی، دلائل النبوۃ، تحقیق: عبدالمعید خان، جلد 5، ص:196 ناشر: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع:1423ھ۔

فتح مکہ اور اسلام دشمن شعراء: ظلم، قلم اور عبرتناک انجام

اسلام کی ابتدائی تاریخ قلم، کلام، تلوار، اور صدق وفدائیت کے انوکھے امتزاج کا مظہر ہے۔ یہ دور فکری معرکہ آرائی اور نظریاتی کشمکش کا بھی تھا جہاں زبان، شعر، اور بیان کو بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا تھا۔ جن لوگوں کے پاس تلوار نہ تھی، انہوں

نے قلم اور شاعری کو اپنا ہتھیار بنایا۔ یہی وہ طبقہ تھا جسے شعرائے کفر اور ہجو نویس کہا جاسکتا ہے، جنہوں نے نبی کریم ﷺ، اسلام، اور مظلوم مسلمانوں پر تہمت، تحقیر، اور سب وشتم کے تیر برسائے۔ رمضان المبارک سنہ 8 ہجری میں جب مکہ فتح ہوا تو رسول اکرم ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرمایا، لیکن چند افراد کو اس معافی سے مستثنیٰ رکھا۔ ان میں نمایاں وہ لوگ تھے جنہوں نے نہ صرف اسلام کے خلاف شمشیر سُتانی کا کردار ادا کیا بلکہ اپنی زبان وقلم سے اسلام دشمنی کا علم بلند کیا، اور شعری ہجو کے ذریعہ نفسیاتی واخلاقی جنگ چھیڑ رکھی تھی۔

ظلمِ شعری: جب کلام قتل سے بدتر ہوا

اسلام دشمن شعراء کا جرم صرف لفظی حملہ نہ تھا۔ ان کی ہجو گوئیاں ایک منظّم مہم تھی جن کا مقصد نبی کریم ﷺ کو رسوا کرنا، مسلمانوں کو اذیت پہنچانا، اور اہلِ مکہ کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت پیدا کرنا تھا۔ ان میں ایسے بھی تھے جنہوں نے مظلوم مسلمانوں کی قربانیوں کا مذاق اڑایا، بدر واحد کے شہداء کی توہین کی، اور اسلامی عقائد کا استہزاء کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ایسے اشعار سنائے جاتے تو آپ رنجیدہ ہو جاتے، لیکن اس کے باوجود طویل عرصہ تک ان افراد کو دعوت، انذار اور موقع دیا جاتا رہا۔ تاہم ان کی سرکشی یہاں تک بڑھ چکی تھی کہ ان کا وجود مدینہ یا مکہ میں فتنہ انگیزی اور اسلامی وحدت کے لیے خطرہ بن چکا تھا۔

فتح مکہ اور مستثنیٰ مجرمین کی فہرست

جب فتح مکہ کی سحر طلوع ہوئی، تو نبی کریم ﷺ نے مکہ کے سب باشندوں کے لیے امان کا اعلان فرمایا، سوائے دس افراد کے، جنہیں ان کے شدید جرائم کی وجہ سے معافی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ ان میں نمایاں شعراء و متکلمین یہ تھے:

1-عبداللہ بن خطل: یہ شخص شروع میں مسلمان ہوا، پھر مرتد ہو کر قریش کا ہمنوا بن گیا۔ اس نے دو لونڈیوں کو ہجو کے لیے مقرر کر رکھا تھا، جو رسول اللہ ﷺ کی شان میں توہین آمیز اشعار گایا کرتی تھیں۔ ابن خطل، بیت اللہ کے پردوں سے چمٹ کر پناہ مانگنے لگا، مگر اس کی گستاخی اور دشمنی اس قدر شدید تھی کہ حضرت بلال حبشیؓ نے حضور ﷺ کے حکم سے اسے قتل کیا۔

2-مقیس بن صبابۃ: اس شخص نے ایک مسلمان کو جھوٹے دعوے سے قصاص کے نام پر قتل کیا، پھر مرتد ہو کر مکہ واپس آیا اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں کھڑا ہو گیا۔ اس کی زبان بھی گستاخی سے آلودہ تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت خبابؓ نے اسے قتل کیا۔

3-حویرث بن نُقید: اس نے حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کو نیزہ مار کر انہیں زخمی کیا تھا۔ جب وہ مکہ سے ہجرت کر رہی تھیں، اسی کے حملے سے وہ نہ گزر سکیں نہ صحت یاب ہو سکیں۔ اس کے ساتھ وہ مسلسل نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیا کرتا تھا۔ حضرت علیؓ نے اسے حضور ﷺ کے حکم سے قتل کیا۔

4-سارہ مولاۃ بنی عبدالمطلب: یہ ایک عورت تھی جو ہجو کے اشعار قریش کو پہنچایا کرتی تھی، اور مسلمانوں کے خلاف جاسوسی وفتنہ انگیزی میں مشغول تھی۔اس کا انجام بھی عبرتناک ہوا۔

مظلوموں کی آہوں کا انتقام یا عدلِ الٰہی کا ظہور؟

ان افراد کا قتل کوئی شخصی انتقام نہ تھا، بلکہ اسلامی ریاست کی طرف سے ان کے فتنہ، شر، اور گستاخی کی پاداش میں ایک عدالتی کارروائی تھی۔ابن خطل کا قتل بیت اللہ کے پردوں سے لپٹے ہونے کے باوجود اس بات کی علامت تھا کہ بیت اللہ ظالم کو پناہ نہیں دیتا، اور کلام اگر گالی بن جائے، تو وہ شمشیر سے بھی زیادہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔حضرت بلالؓ، حضرت علیؓ، حضرت خبابؓ، حضرت زبیرؓ: مظلوموں کے ہاتھ سے عدل کی تکمیل یہ بھی ایک حکمتِ ربانی تھی کہ ان مجرمین کے خلاف جو افراد مامور کیے گئے، وہ خود مظلوم اسلام تھے: حضرت بلالؓ، جنہیں مکہ کی تپتی ریت پر لٹایا گیا تھا، آج اسلام کے مجرم دشمن کو قتل کرنے کا حکم پاتے ہیں۔حضرت علیؓ، جنہوں نے فاطمہ زہرا کے قاتلوں میں سے ایک کو مار کر عدل کا پرچم بلند کیا حضرت خبابؓ، جنہوں نے مکہ میں تپتے کوئلوں پر نمازیں پڑھیں، آج مرتد مجرم کو کیفر کردار تک پہنچاتے ہیں۔ حضرت زبیرؓ، جنہیں ہجرتِ حبشہ ومدینہ کی سختیاں جھیلنی پڑیں، آج اسلام کے دشمنوں کو پکڑنے والے دستوں میں شامل ہیں۔یہ سب کچھ اس قرآنی اصول کا عملی مظہر تھا: **وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا** (الاسراء:33) جو مظلوم قتل کیا جائے،

ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے۔

فقہی و اخلاقی پہلو

1-حرمتِ کلام کا تقدس: اگر کوئی زبان رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو وہ زبان دارالاسلام میں محفوظ نہیں ہوسکتی۔فقہائے کرام نے **السابّ یُقتل ولو تاب** کے قاعدہ پر اجماع نقل کیا ہے (السیوطی، الأشباہ والنظائر، ص:432، دارالکتب العلمیۃ)۔

۲-کعبہ کی حرمت میں استثناء بیت اللہ کی حرمت سب کے لیے ہے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کے لیے نہیں، جیسا کہ فقہائے اربعہ کا اجماعی موقف ہے کہ حرم میں فتنہ گر کو قتل کیا جا سکتا ہے (الماوردی، الأحکام السلطانیۃ، ص:142، دارالکتب العلمیۃ)۔

3-قلم کا جرم، تلوار کی سزا: اگر قلم اور شعر کو فتنہ، فساد، اور تحقیر کا ذریعہ بنایا جائے تو اسلامی شریعت اس کو قتل کی حد تک سخت ترین سزا کا مستحق سمجھتی ہے۔

نتیجہ: عبرت کا انجام، اور مظلوموں کی فتح

فتح مکہ جہاں عام معافی، رواداری اور اخلاقی بلندی کی تصویر ہے، وہیں ان شعراء اور دشمنانِ دین کا انجام اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام ہر شخص کو زندگی دیتا ہے، سوائے اس کے جو دوسروں کی زندگی اور عقیدہ کو تباہ کرے۔ مظلوم مسلمانوں کے ہاتھوں عدل کی تکمیل دراصل اُن کے صبر، قربانی اور ایمان کا الٰہی صلہ تھا۔

مصادر ومراجع:

1-ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفیٰ سقا وابراہیم الابیاری، جلد 4، ص:27، ناشر: دار إحیاء التراث العربي، بیروت، لبنان۔ 2- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، جلد 4، ص:287، ناشر: دار ہجر، قاہرہ، مصر، طبع اول:1417ھ/ 1997م۔ 3-الماوردی، الأحکام السلطانیۃ، ص:142، ناشر: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع جدید۔ 4-السیوطی، الأشباہ والنظائر، ص:432، ناشر: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع جدید۔

قریش کے اسلام لانے والے سردار

(از جاہلیت تا مظلومیت، اور مظلومیت سے عزت وایمان تک کا سفر)

اسلامی تاریخ میں فتح مکہ وہ نقطۂ انقلاب ہے جہاں مخالفینِ اسلام کی بہت سی شخصیات نے جبینِ نیاز جھکائی، اور رسولِ رحمت ﷺ کے اخلاق، عدل اور حلم کے سامنے خود کو مغلوب پایا۔ ان میں کئی افراد وہ تھے جنہوں نے سالہا سال اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی، لیکن جب ہدایت کی نسیمِ صبح چمکی، تو وہ ایمان لائے، اور بعد میں خود اسلام کے ناصران وفدائیوں میں شامل ہو گئے۔ اس باب میں ہم ان قریشی سرداروں کا تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے ایک طویل مرحلے میں

مسلمانوں سے جنگ کی، خود بھی جاہلیت کے غرور میں ظلم کا نشانہ بنے، اور اسلام کی روشنی میں داخل ہو کر اخوت، توبہ اور مظلومیت کا نیا روپ اختیار کیا۔ ان میں سرفہرست: حضرت ابوسفیان بن حربؓ، صفوان بن امیہؓ، اور عکرمہ بن ابی جہلؓ ہیں۔

ابوسفیان بن حربؓ:

منکرِ بدر، مظلومِ اسلام، داعیِ امن قریش کے ان سرداروں میں جنہوں نے اسلام کے خلاف قیادت کی، ابوسفیانؓ کا نام صفِ اوّل میں آتا ہے۔ بدر، احد، خندق اور دیگر مواقع پر انہوں نے قریش کی قیادت کی، اور مسلمانوں کے خلاف صف آرائی کی۔

دشمنی سے قبولِ اسلام تک: جب صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی طرف پیش قدمی کا آغاز کیا تو حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے ابوسفیانؓ کو پیغام دے کر مدینہ بلایا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے دل کو نرم کرنے کے لیے انہیں شرفِ گفتگو عطا فرمایا، اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے خصوصی اعلان فرمایا: **من دخل دار أبي سفيان فهو آمن** (جس نے ابوسفیان کے گھر میں پناہ لی، وہ امن میں ہے)۔ یہ اعلان گویا اعلانِ تکریم تھا۔ اس کا مقصد صرف عام قریش کو امن دینا نہ تھا، بلکہ ابوسفیانؓ کی مکہ میں اجتماعی حیثیت کو عزت دے کر ان کے دل کو اسلام کی طرف مائل کرنا تھا۔

بعد از اسلام مظلومیت: اسلام لانے کے بعد ابوسفیانؓ کو قریش اور بعض مہاجرین و انصار کی جانب سے عتاب و طعن کا سامنا کرنا پڑا۔ چوں کہ وہ طویل عرصہ

تک مخالفین میں رہے تھے، اس لیے ان کی توبہ کو بعض لوگ ہچکچاتے ہوئے دیکھتے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت ابوسفیانؓ، اور دیگر نومسلمین کے لیے نبی کریم ﷺ نے خاص تاکید فرمائی کہ: **لا تؤذوا أحدًا من هؤلاء، فإنهم أهل السابقة والنية** (ان لوگوں کو اذیت نہ دو، یہ لوگ نیت اور سچائی سے اسلام میں داخل ہوئے ہیں)

صفوان بن امیہؓ:

حلمِ نبوی سے شرمندگی تک، اور پھر مظلومیت سے ولایت تک صفوان بن امیہ بھی ان اشخاص میں سے تھے جو طویل عرصہ تک دشمنانِ اسلام میں شامل رہے۔ ان کے والد، امیہ بن خلف، حضرت بلالؓ پر بدترین مظالم ڈھانے والے افراد میں سے تھے۔ صفوان خود فتح مکہ کے وقت تک مشرک ہی تھے، اور قتل کے مستحقین میں شامل تھے۔

اسلام سے قبل کی مظلومیت: صفوان کے اندر ایک داخلی اضطراب تھا۔ اگرچہ وہ ظاہری طور پر قریش کے بڑے سرداروں میں شامل تھے، مگر اہلِ مکہ کی قیادت ان سے چھن چکی تھی، اور فتح مکہ کے بعد وہ بے حیثیت ہو گئے۔ ان کی سماجی اور سیاسی گمنامی ایک نوع کی مظلومیت تھی جو ان پر نفسیاتی دباؤ بن چکی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل: جب وہ اسلام لائے بغیر مدینہ کی طرف نکل گئے، تو نبی کریم ﷺ نے امان کا اعلان فرمایا، اور ان کے لیے خاص طور پر حضرت عمرو بن وہب کو روانہ کیا تاکہ انہیں واپس لا کر اسلام کی دعوت دی جائے۔ وہ واپس آئے،

اسلام لائے، اور رسول اللہ ﷺ نے جنگ حنین کے موقع پر سو اونٹوں کا تحفہ ان کو عطا فرمایا، جس سے ان کے دل میں اسلام کے لیے محبت پیدا ہوئی۔ **لقد أعطاني محمد فأحببته، وما أحد أحب إليّ منه** (محمد ﷺ نے مجھے اتنا دیا کہ وہ میرے لیے محبوب ترین بن گئے)۔ قبول اسلام کے بعد کا طعنہ: صفوانؓ کو بعض صحابہؓ کی طرف سے ابتدا میں شک کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ اسلام لائے مگر دل ابھی مطمئن نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے دفاع میں فرمایا: **اللهم ثبت قلب صفوان على الإسلام** (اے اللہ! صفوان کے دل کو اسلام پر ثابت کردے)

حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ: جاہلیت کا علمبردار، اسلام کا فدائی

حضرت عکرمہ بن ابی جہل، اکبر اعداءِ اسلام ابوجہل کے بیٹے تھے۔ جنگ بدر و احد میں شامل رہے، اور غزوۂ احد میں قریش کے لشکر کے مرکزی قائدوں میں شمار ہوتے تھے۔

توبہ اور قبولِ اسلام: فتح مکہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے انہیں قتل کی فہرست میں رکھا۔ وہ یمن کی طرف فرار ہو گئے، لیکن ان کی زوجہ ام حکیم بنت حارث نے رسول اللہ ﷺ سے امان لی اور انہیں واپس لا کر مسلمان بنایا۔ اسلام قبول کرتے وقت وہ نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں گر پڑے اور عرض کیا: **يا رسول الله! ما من موقف أبغض إلي من موقفك، واليوم لا موقف أحب إليّ من موقفك** (اے اللہ کے رسول! کل تک آپ کا وجود میرے لیے سب سے ناپسندیدہ تھا، اور آج سب

سے محبوب ہے)

بعد از قبولِ اسلام خدمات: عکرمہؓ نے نہ صرف اسلام کو قبول کیا بلکہ اپنے ایمان کے ذریعے اس کی تصدیق کی۔ جنگ یمامہ میں وہ ایسے مجاہد بن کر سامنے آئے کہ ان کی تلوار دشمنوں پر بجلی بن کر گری۔ وہ اس قدر جری و فدائی ہو چکے تھے کہ بعض مواقع پر نبی کریم ﷺ نے ان کو خاص فوجی مہمات پر مامور فرمایا۔

ان سرداروں کی مظلومیت: ایک تحقیقی نگاہ

اگرچہ بظاہر یہ تینوں افراد ماضی میں مخالفین اسلام میں شمار ہوتے ہیں، لیکن قبول اسلام کے بعد وہ سماجی، نفسیاتی، اور بعض صورتوں میں خاندانی مظلومیت کا شکار رہے۔ انہیں قبولِ عام میں وقت لگا، ان پر زبانیں دراز ہوئیں، بعض لوگوں نے طعنہ وتعریض کی نگاہ سے دیکھا، اور انہیں نبی کریم ﷺ کی خصوصی شفاعت و دفاع نے مقام وعزت بخشی۔ یہ مظلومیت وہی ہے جسے قرآن مجید نے **الذین تابوا و أصلحوا و بیّنوا** کی روشنی میں مغفرت وقبول کا دروازہ قرار دیا۔

نتیجہ: اسلام کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہے

ان تینوں شخصیات کا واقعہ اس حقیقت کی شہادت ہے کہ اسلام ماضی کی خطاؤں پر ہمیشہ مغفرت کا دروازہ کھولتا ہے، اور جو دل سے ایمان لاتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں بھی جگہ پاتا ہے اور اللہ کے نزدیک بھی محبوب بن جاتا ہے۔

مصادر ومراجع

1- ابن سعد، الطبقات الکبری، تحقیق: علی محمد عمر، جلد 4، ص:233، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع جدید۔ 2- البیہقی، دلائل النبوۃ، تحقیق: عبدالمعید خان، جلد 5، ص:195، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع: 1423ھ۔ 3- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، تحقیق: عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، جلد 4، ص:288، ناشر: دار ہجر، قاہرہ، مصر، طبع اول: 1417ھ/ 1997م۔

حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ

(ابتدائے نبوت کے گمنام شہزادے اور مظلوم فدائی)

اسلام کی ابتدائی تاریخ ایسے درخشندہ چہروں سے آراستہ ہے جنہوں نے نہ صرف مکہ کی سنگلاخ وادیوں میں سب سے پہلے توحید کی صدا بلند کی بلکہ ظلم و جبر، خاندانی مقاطعہ، اور جان لیوا اذیتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ ان اولین السابقین میں ایک نام حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ کا بھی ہے، جن کی مظلومیت تاریخِ اسلامی میں اکثر نظر انداز ہوئی ہے۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو، صدق، ثبات، قربانی اور استقامت کا آئینہ ہے۔ وہ ان چند خوش نصیبوں میں سے تھے جنہوں نے ابھی اسلام علانیہ نہ ہوا تھا کہ لبیک کہہ کر مصطفوی قافلے کا حصہ بن گئے۔ ان کا شمار ان افراد

میں ہوتا ہے جن کی مظلومیت خاندانی طغیانیت، سیاسی اجنبیت، اور تاریخی غفلت کی تہوں میں چھپی رہی، اور جن کی قربانی نے اسلام کی ابتدائی دیواروں کو مستحکم کیا۔

قبولِ اسلام: خواب کی صداقت، فطرت کی روشنی

حضرت خالدؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ دلنشین اور روح پرور ہے۔ امام طبری روایت کرتے ہیں کہ حضرت خالدؓ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ ایک گہرے گڑھے کے کنارے کھڑے ہیں اور گڑھے کی تپش انہیں جھلسا رہی ہے۔ اسی اثناء میں نبی اکرم ﷺ آتے ہیں، ان کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور گڑھے سے بچا کر روشنی میں لے آتے ہیں۔ (تاریخ الطبری، 2/147)۔ اس خواب کے بعد جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو خفیہ طور پر دعوت دیتے سنا تو فوراً لبیک کہا، اور اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت اسلام کھلے عام نہیں آیا تھا اور ان کے قبولِ اسلام کا مطلب تھا نسب، قطع تعلق، اور جان کا خطرہ۔

مظلومیت کا سب سے کڑا امتحان: والد کا ظلم

حضرت خالدؓ کے والد سعید بن العاص، مکہ کے اشراف میں سے اور قریش کے بڑے متعصب سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ جب انہیں بیٹے کے قبولِ اسلام کی خبر ملی تو وہ شدید غصے سے تلملا اٹھے۔ وہ اپنے بیٹے کو زنجیروں میں جکڑ کر لائے، زبان سے گالیاں دیں، اور بھرے مجمع میں کہا: لَتَتْرُكَنَّ هَذَا الدِّينَ أَوْ لَأَمْنَعَنَّكَ الْقُوتَ (اس دین کو چھوڑ دو، ورنہ میں تمہیں روٹی کا دانہ بھی نہ دوں گا)۔ حضرت

خالدؓ نے ثابت قدمی کے ساتھ فرمایا: لو مُنِعتَنِی حیاتی کُلّها ما ترکته أبداً (اگر تم میری پوری زندگی کا رزق بھی بند کر دو، تب بھی میں اسلام کو نہ چھوڑوں گا)۔ یہ مظلومیت صرف جسمانی نہ تھی، بلکہ خاندانی بنیادوں پر بے دخلی، وراثت سے محرومی، سماجی بائیکاٹ اور والد کی انتقامی سختیاں اس پر مستزاد تھیں۔ ایسی حالت میں ثبات کا مظاہرہ کرنا صرف وہی کرسکتا ہے جس کا دل ایمان سے روشن ہو۔

حبشہ کی طرف ہجرت: مظلومیت کا دوسرا دور

حضرت خالدؓ کو مکہ میں نہ صرف اپنے والد بلکہ عام قریش کی طرف سے بھی شدید اذیتیں سہنی پڑیں۔ لہٰذا وہ اپنی بیوی لبابہ بنت حارثؓ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ وہاں برسوں تک انہوں نے وطن سے دور، جلاوطنی کی زندگی گزاری۔ نہ گھر، نہ مال، نہ سہولت صرف ایمان اور اخلاص۔ حضرت خالدؓ ان معدودے چند اصحاب میں سے ہیں جنہیں ثلاثی شرف حاصل ہو۔ 1- اوائل اسلام میں داخل، 2- ہجرتِ حبشہ، 3- فتح مکہ سے قبل مدینہ آنا اور جہاد میں شرکت۔

فتح مکہ اور قیادت کا انعام

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن سعیدؓ کو صدقات کی جمع آوری اور بعد ازاں یمن کے علاقوں پر قیادت و امارت کے لیے منتخب فرمایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کی طویل مظلومیت، اخلاص، اور قربانیوں کو نہ صرف

پہچانتے تھے بلکہ ان کی خدمات کا اعتراف بطور قیادت واعتماد کرتے تھے۔امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا کہ حضرت خالدؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اہلِ یمن کے لیے نائبِ رسول بنایا، اور وہ وہاں عدل، زہد، شجاعت اور قیادت کے نمونہ بنے۔(دلائل النبوۃ، 5/200)

تاریخی فراموشی: مظلومیت کی سب سے بڑی شکل

حضرت خالد بن سعیدؓ کی مظلومیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ تاریخ نگاروں نے ان کا ذکر بہت کم کیا۔جن شخصیات نے بدر واحد میں شریک ہو کر شہادت پائی، یا جن کا خاندانی پس منظر زیادہ مشہور ہوا، ان کے ذکر نے حضرت خالدؓ جیسے مظلومین کو تاریخ کے پردے میں چھپا دیا۔حالانکہ الاستیعاب اور الاصابہ جیسے بنیادی مصادر میں ان کا ذکر نہایت عظمت سے کیا گیا ہے۔ان کے بیٹے سعید بن خالدؓ اور خاندان کے دیگر افراد بعد میں مدینہ کے علما و مجاہدین میں شمار ہوئے۔

فقہی، اخلاقی و تربیتی نکات

1-ایمانِ فطری کی بنیاد: حضرت خالدؓ نے خواب کی بنیاد پر جو ایمان اختیار کیا، وہ فطرتِ سلیمہ کی دلیل ہے، اور شریعتِ اسلامیہ اس کی تائید کرتی ہے (حوالہ: فتح الباری، 12/379)۔

2-باپ کی نافرمانی مگر شریعت کی اطاعت: فقہائے کرام کے نزدیک اگر والد کفر پر ہو تو اس کی اطاعت لازم نہیں (الدر المختار مع رد المحتار، 6/416)

3-مظلومین کی امارت کا جواز: رسول اللہ ﷺ نے مظلوم وجلاوطن افراد کو امارت دی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تقویٰ وقربانی ہی قیادت کے اصل معیار ہیں، نہ کہ حسب ونسب یا مال وریاست۔

نتیجہ: گمنام ستارے، آسمانِ اسلام کے درخشندہ چراغ

حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ کی شخصیت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ اسلام صرف میدانِ جنگ کے مجاہدوں سے نہیں بلکہ شب وسحر کے مظلوموں، خاموش فدائیوں، اور خاندانی جبر سہنے والوں سے بھی زندہ ہے۔ وہ مظلوم جن کے اشکوں نے مدینہ کی فضا کو نمناک کیا، ان کے صبر نے اسلام کی عمارت کو بنیاد فراہم کی۔ ان کا تذکرہ اسلام کی مظلوم شخصیات میں ایک ضروری باب ہے تاکہ تاریخ کے صفحات پر عدل ہو، اور ان قربانیوں کو نئی نسل کے سامنے اجاگر کیا جائے۔

مصادر ومراجع:

1-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، تحقیق: محمد أبوالفضل إبراہیم، جلد 2، ص:147، ناشر: دار المعارف، قاہرہ، مصر، طبع جدید۔ 2-الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، از: ابن عبدالبر، تحقیق: علی محمد البجاوی، جلد 2، ص:297، ناشر: دار الجیل، بیروت، لبنان، طبع اول:1412ھ۔ 3-البیہقی، دلائل النبوۃ، تحقیق: عبدالمعید خان، جلد 5، ص:200، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع:1423ھ۔

4-فتح الباری شرح صحیح البخاری، از: ابن حجر عسقلانی، جلد 12، ص:379، ناشر: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، طبع جدید۔ 5-الدر المختار مع رد المحتار، از: ابن عابدین، جلد 6، ص:416، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان، طبع جدید۔

حضرت فاطمہ بنت اسدؓ: مادرِ رسالت کی مظلومیت اور مقامِ قربت نبوی

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں چند ایسی پاکیزہ خواتین کی جھلک ملتی ہے جنہوں نے نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ اہلِ خانہ اور نسلوں کی رہنمائی و تربیت کا ایسا بلند معیار قائم کیا کہ وہ قیامت تک کے لیے امت کی ماؤں، مربیوں، اور مخلص خواتین کے لیے نمونہ کامل بن گئیں۔ ان ہی عظیم المرتبت ہستیوں میں ایک ممتاز نام ہے: حضرت فاطمہ بنت اسدؓ بن ہاشم، جو نہ صرف حضرت علی المرتضیٰؓ کی والدہ تھیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی کفالت کرنے والی ماں جیسی ہستی بھی تھیں۔ آپ کی مظلومیت اس بات میں مضمر ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ نے بچپن سے نبوت کے فرزند کی پرورش کی، اسلام کی راہ میں تمام اذیتیں جھیلیں، ہجرت و مہاجرت کا بوجھ اٹھایا، لیکن تاریخ کی کتابوں میں آپ کا ذکر بہت مختصر، سادہ اور بے رنگ انداز میں کیا گیا حالانکہ آپ کا وجود عظمت، قربانی اور خلوص کا مینار تھا۔

نسب و اسلام

حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف، بنو ہاشم کے معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے شوہر حضرت ابو طالب بن عبد المطلب، رسول اللہ ﷺ کے چچا اور مربی تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو پانچ سال کی عمر سے اپنی آغوشِ محبت میں لیا اور نبوی اخلاق کی تربیت میں عملی کردار ادا کیا۔ آپ ان اوّلین خواتین میں سے تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا، جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے روایت کیا: **و كانت من السابقات إلى الإسلام** (الاستیعاب، 4/377)

رسول اللہ ﷺ سے محبت اور پرورش کا انداز

رسول اللہ ﷺ نے کئی مواقع پر آپ کو اپنی ماں کہا۔ آپ کی شفقت و تربیت، ماں کی مامتا سے کسی طرح کم نہ تھی۔ ابن سعد روایت کرتے ہیں: **كانت فاطمة بنت أسد أمّ عليٍّ كأمّه في الحنوّ عليه** (الطبقات، 8/222)۔ حضرت فاطمہ بنت اسد، حضرت علیؓ کی والدہ، حضور ﷺ پر شفقت و محبت میں اُن کی ماں جیسی تھیں اس قربت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر فرماتے : کانت أمی بعد أمی (یہ میری ماں کے بعد میری ماں تھیں)

مظلومیت کی جھلکیاں

حضرت فاطمہؓ کی مظلومیت کا سب سے پہلا پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر

حضرت ابو طالبؓ کی کفالت کے دوران غربت، بائیکاٹ، اور سماجی مقاطعہ کے سائے میں گھر کو سنبھالا، اور ان تمام پریشانیوں کے باوجود اپنے بچوں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لگیں رہیں۔شعبِ ابی طالب میں تین سالہ محاصرہ، فاقے، پتیوں کا کھانا اور راتوں کی بے خوابی کا جو منظر اہلِ مکہ نے دیکھا، اس میں حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کا کردار خاموش قربانی اور مظلوم صبر کا نمونہ تھا۔ہجرتِ مدینہ کے موقع پر جب باقی ہاشمی خواتین کو پیچھے چھوڑا گیا، تو آپ نے بزرگی، بیماری اور کمزوری کے باوجود مدینہ کی طرف ہجرت کی، اور انصار کی مہمان نوازی قبول کی۔ایسے حالات میں ہجرت کرنا خود ایک جہاد اکبر کے مصداق تھا۔

وفات اور رسول اللہ ﷺ کی غیر معمولی شفقت

آپ کی وفات بقول بعض 8 ہجری میں ہوئی، اور مدینہ منورہ میں آپ کا وصال وہ موقع تھا جہاں رسول اللہ ﷺ کی ممتا، غم، اور روحانی محبت آشکارا ہوئی۔ابن سعد اور ابن عبد البر روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے خود قبر کھدوائی قبر میں خود اُترے جنازے کے موقع پر فرمایا: **اللهم اغفر لأمي فاطمة بنت أسد، و وسع مدخلها، بحق نبيك والأنبياء الذين من قبلي** (الاستیعاب، 4/377)۔اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما، ان کی قبر کو وسیع فرما، تیرے نبی اور ان سے پہلے کے انبیاء کے حق کے واسطے سے اس حدیث سے دو اہم دلائل حاصل ہوتے ہیں: **1-توسل بالانبیاء کی مشروعیت**۔2-حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کا وہ رتبہ جس کی گواہی رسول اللہ ﷺ کی دعا اور آنسو دے رہے ہیں۔

صحابیات میں بلند مقام

حضرت فاطمہؓ کی خصوصیات میں یہ امور نمایاں ہیں: سابق الاسلام نبی کریم ﷺ کی خدمت و پرورش حضرت علیؓ، جعفرؓ، عقیلؓ جیسے فرزندوں کی تربیت، ہجرتِ مدینہ کی مشقت شعوبی ظلم ومحنت کا صبر اور اس کے باوجود آپ کا ذکر نہ خطیبوں کی زبان پر آیا، نہ تاریخ کے صفحات پر جلی حروف میں رقم ہوا یہی آپ کی مظلومیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

فقہی واخلاقی استنباطات

1- نبی کریم ﷺ کا قبر میں اُترنا فقہائے اربعہ کے نزدیک اس بات کی دلیل ہے کہ قبر میں اترنے والا صالح وعزیز ہونا چاہیے (حوالہ: البحر الرائق، 2/189، دار الکتب العلمیۃ)۔ **2- نبی کریم ﷺ کا جنازے پر دعا میں توسل اختیار کرنا ائمہ اہل سنت کے نزدیک مشروع ومسنون ہے** (حوالہ: شامی، 2/255، دار الفکر)۔ 3- خواتین کی خدمتِ نبوی ایک مستقل بابِ فضیلت ہے اور حضرت فاطمہ بنت اسدؓ اس کی افضل مثال ہیں۔

نتیجہ: وہ ماں، جسے نبی نے ماں کہا

حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کی مظلومیت اس حقیقت کی ترجمان ہے کہ اسلام میں عورت کی قربانی وخدمات کو نبی کریم ﷺ نے جس قدر اہمیت دی، تاریخ نے اس کا اتنا اجاگر نہ کیا۔ ان کی زندگی ہر مومن خاتون کے لیے، اور ان کی وفات کا منظر ہر

محبِ رسول کے لیے درسِ محبت، توسل، اور وفا ہے۔

مصادر و مراجع:

1-ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الأ صحاب، تحقیق: علی محمد البجاوی، جلد 4، ص:377، ناشر: دار الجیل، بیروت، لبنان، طبع اول:1412ھ۔ 2-ابن سعد، الطبقات الکبری، تحقیق: علی محمد عمر، جلد 8، ص:222، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع جدید۔ 3-البحر الرائق شرح کنز الدقائق، از: ابن نجیم، جلد 2، ص:189، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع جدید۔ 4-رد المحتار علی الدر المختار (شامی)، جلد 2، ص:255، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان، طبع جدید۔

جنگِ حُنین و محاصرۂ طائف

(میدانِ فتنہ میں مظلوم مجاہدین اور قربانیوں کی بے مثال تاریخ)

اسلامی تاریخ کے اہم عسکری مراحل میں غزوۂ حنین اور اس کے بعد محاصرۂ طائف کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ وہ موقع تھا جب فتحِ مکہ کے بعد اسلام کے دشمن قبائل نے اسلام کے خلاف آخری بڑی متحدہ مزاحمت کا منصوبہ بنایا۔ طائف، ہوازن، اور ثقیف جیسے قبائل نے اپنے تمام تر عسکری وسائل، نفرت انگیز جذبات، اور قبائلی انا کو مجتمع کر کے نبی کریم ﷺ اور نو مسلم مکیوں کے خلاف جنگ چھیڑی۔ اس

واقعہ میں جہاں غلبۂ اسلام اور فتح ونصرت کا پہلو موجود ہے، وہیں اس میں کئی مظلوم مجاہدین، مجبور معاونین، اور بے سہارا قیدیوں کی داستانیں بھی موجود ہیں، جنہیں تاریخ کی روشنی میں اجاگر کرنا آج کی اہم دینی، اخلاقی اور تربیتی ضرورت ہے۔

لشکرِ اسلام کی روانگی اور پہلی آزمائش

یہ جنگ شوال 8 ہجری میں پیش آئی، جب رسول اللہ ﷺ نے 12,000 کا لشکر ہوازن وثقیف کے مقابل روانہ فرمایا۔ اس لشکر میں 10,000 مدنی ومہاجرین اور 2,000 نومسلم مکی شامل تھے۔ بظاہر یہ لشکر عدداً سب سے بڑا تھا، مگر اس میں بعض کے دل ابھی تازہ اسلام کی روشنی سے پوری طرح منور نہ ہوئے تھے، اور فتحِ مکہ کے غرور کی جھلک بھی محسوس کی گئی۔ ابن اسحاق اور واقدی لکھتے ہیں کہ جب بعض نے کہا: **لن نغلب الیوم من قلة!** (آج ہم عدد کی قلت سے ہرگز مغلوب نہ ہوں گے) تو گویا اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یہ سبق سکھایا کہ فتح نہ تعداد سے ہے، نہ اسباب سے بلکہ اللہ کی نصرت اور صبر واخلاص سے ہے۔ نتیجۃً، جیسے ہی ہوازن کے تیراندازوں نے گھات لگا کر حملہ کیا، تو لشکرِ اسلام ابتدائی طور پر منتشر ہو گیا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب اہلِ وفا اور مظلوم وصادق مجاہدین ثابت قدم رہے، اور رسول اللہ ﷺ کے پہلو سے نہ ہٹے۔

مظلوم مجاہدین: حنین کے اصل فاتح

ابتدائی شکست اور نفسیاتی دباؤ کے باوجود کچھ جاں نثار صحابہؓ جن میں حضرت

عباسؓ، حضرت ابوسفیان بن حارثؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، اور انصار شامل تھے ثابت قدم رہے اور اس حالت میں نبی کریم ﷺ کی اونٹنی کے گرد ڈٹے رہے کہ دشمن سامنے تھے، اور مایوسی کی فضا تھی۔ نبی کریم ﷺ نے بلند آواز میں اعلان فرمایا: **أنا النبی لا کذب، أنا ابن عبد المطلب** (میں نبی ہوں، یہ کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں)۔ یہ نعرہ دراصل مظلوم و مجبور مجاہدین کی امید کا نکتۂ آغاز تھا۔ وہ صحابہ جنہوں نے نہ مال، نہ اسباب، نہ عہدے کے لیے جہاد کیا، بلکہ صرف وفا، ایمان اور قربانی کے جذبے سے نکلے تھے، وہی آخر میں فتح کے اصل مصداق ٹھہرے۔

حضرت صفوان بن امیہؓ: تلوار دینے پر مجبور صحابی حضرت صفوان بن امیہؓ ابھی اسلام لائے نہ تھے۔ وہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق اور وعدۂ امان کی بنا پر لشکر میں شریک تھے۔ جب جنگ سے قبل رسول اللہ ﷺ نے ان سے تلواریں اور اسلحہ مانگا تو وہ ہچکچائے، اور فرمایا: **أعاریة أم غصباً؟** (یہ ادھار ہے یا زبردستی؟)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **بل عاریة مضمونة** (بلکہ یہ ضامن ادھار ہے)۔ اس موقع پر صفوانؓ کی مظلومیت یہ تھی کہ وہ اسلحہ دے رہے تھے، مگر دل مطمئن نہ تھا، اعتماد اور ایمان کی شمع ابھی روشن نہ ہوئی تھی، اور حالت مجبوری تھی۔ بعد ازاں، جنگ کے اختتام پر نبی کریم ﷺ نے ان کے دل کی دنیا بدل دی، جب انہیں سو اونٹ بطور عطیہ دیے گئے، اور وہ زبان سے پکار اٹھے: **ما طابت نفسی بالإسلام إلا یومئذٍ**۔

قیدیوں میں عورتیں، بچے اور کمزور مظلومین

جنگ حنین کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، تو چھ ہزار کے قریب قیدی ہاتھ آئے۔ ان میں اکثر عورتیں، بچے، اور غلام تھے، جنہیں جنگی قوانین کے تحت مالِ غنیمت میں شامل کیا گیا۔ مگر نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر عفو، رحم، اور انسانی عظمت کا بے مثال مظاہرہ فرمایا۔ قبیلہ ہوازن کا وفد جب مدینہ پہنچا اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ: **یا رسول اللہ! إنک خیارنا و ابن خیارنا، وقد أصابنا من البلاء ما لم یخف علیک،** تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **إن أحببتم السبی فالسبی، وإن أحببتم المال فلکم المال** لوگوں نے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ یہ عمل تاریخِ انسانیت میں مظلوم قیدیوں کے ساتھ سب سے بلند اخلاقی سلوک میں سے ایک ہے۔ آج کے انسانی حقوق کے علمبردار اگر اس واقعے پر غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ اسلام کے قوانینِ اسیران کتنے بلند، رحم سے بھرپور، اور عدل پر قائم ہیں۔

محاصرۂ طائف اور شہداء کی مظلومیت

جنگ حنین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ کئی دن جاری رہا۔ طائف کے باشندے پتھر برساتے، تیر اندازی کرتے، اور شہر کی فصیلوں سے حملے کرتے۔ اس دوران صحابۂ کرامؓ کی ایک جماعت زخمی و شہید ہوئی۔ محاصرہ کی

سختی اور طائف والوں کی ضد کے باوجود، نبی کریم ﷺ نے جب دیکھا کہ مزید خونریزی کے بغیر مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تو حکمتاً محاصرہ اٹھالیا۔مگران مظلوم شہداء کو تاریخ نے کم یاد کیا، جواس محاصرہ میں جاں بحق ہوئے۔

فقہی واخلاقی استنباطات

1-مظلوم مجاہدین کا مقام: شریعت میں وہ مجاہد جو باوجود کمزوری، ثابت قدمی سے حق کا دفاع کرے، افضل المجاہدین میں شامل ہوتا ہے(بدائع الصنائع،7/99)

2-تلوار دینے پر مجبور صحابی کا اسلام: اس سے فقہی قاعدہ مستفاد ہوتا ہے کہ قلبی رضا کے بغیر بھی اگر انسان اسلام کے قریب ہو جائے، تو اس پر اسلامی احکام جاری ہوسکتے ہیں(شامی،1/408)

3-قیدیوں کی آزادی: فقہائے اربعہ کے نزدیک غلام یا قیدی کی آزادی بطورِ احسان مستحب ومشروع ہے(المبسوط،10/150)

4-مسلمان شہداء کی مظلومیت: ان کی یاد کو اجاگر کرنا امت کا اخلاقی وروحانی فریضہ ہے۔

نتیجہ: فتح حنین ظاہری طاقت نہیں، باطنی اخلاص کی فتح

جنگِ حنین اور محاصرۂ طائف کی پوری تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ اسلام کی کامیابی دھاردار تلوار سے زیادہ مظلوم مجاہد کے اشک، محرومین کے صبر، اور مجبورین کی

مدد سے وابستہ ہے۔ان معرکوں میں فتح اُن کے ہاتھ آئی جنہیں دنیا بے سروسامان اور کمزور سمجھتی تھی، اور جنہیں تاریخ نے ہمیشہ پیچھے رکھا، مگر حقیقت میں وہی اسلام کے اصل ستون اور مظلوم مجاہدین ہیں۔

مصادر ومراجع:

1-صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر ، باب غزوۃ حنین، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، طبع جدید۔ 2-الواقدی، المغازی، تحقیق: مارسدن جونز، جلد 2، ص:857، ناشر: دار الأعلم، بیروت، لبنان، طبع اول:1404ھ۔ 3-ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ (روایۃ ابن ہشام)، جلد 4، ص:45 ، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔ 4-بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، از: امام کاسانی، جلد 7، ص:99 ، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ 5-المبسوط للسرخسی، جلد 10، ص:150، ناشر: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔ 6-رد المحتار علی الدر المختار (شامی)، جلد 1، ص:408، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

شہداء طائف

(وادیٔ اذیت میں وفا وایثار کی مظلوم قربانیاں)

تاریخِ اسلامی کے صفحات میں محاصرۂ طائف ایک ایسا واقعہ ہے جو بظاہر عسکری

شکست وتدبیرِ موقوف کا نقش رکھتا ہے، لیکن اس کے باطن میں ایمان، قربانی، صبر اور مظلوم شہداء کی داستانیں رقم ہیں۔ ان شہداء کا تذکرہ نہ تو منبر ومحراب کی زبان پر رہتا ہے اور نہ ہی سیرت کی درسی کتب میں وہ مقام پاسکا ہے جو انہیں عطا ہونا چاہیے تھا۔ ان نفوسِ قدسیہ نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں ایسی گھمسان کی جنگ میں اپنی جانیں قربان کیں، جس کے مقاصد سیاسی نہیں، صرف دعوت، عزتِ رسالت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ تھے۔

پس منظر: فتح کے بعد اذیت کا محاصرہ

8 ہجری میں فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد دشمنوں کی بڑی طاقت طائف میں مجتمع ہوئی۔ قبیلہ ثقیف نے اپنی سرزمین کو آخری پناہ گاہ سمجھ کر وہاں اپنی خواتین، مال اور اسلحہ کے ساتھ مورچہ بند ہوکر اسلام کے خلاف آخری مورچہ قائم کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تقریباً بیس دن تک طائف کا محاصرہ فرمایا، مگر طائف کی اونچی فصیل، اندر سے تیروں کی بارش، اور آگ برساتی تپش نے اسلامی لشکر کو سخت آزمایا۔

محاصرہ کے دن اور مظلوم مجاہدین کی داستان

محاصرہ کے ابتدائی ایام میں اہلِ طائف نے اسلامی لشکر پر شدید تیراندازی کی، جس سے درجنوں صحابۂ کرامؓ زخمی وشہید ہوگئے۔ صحیح مسلم اور الواقدی کی روایات کے مطابق اہلِ طائف نے ایک ایسا آہنی جال فصیل پر نصب کیا تھا جس کے پیچھے سے وہ بغیر ظاہر ہوئے نشانہ بازی کرتے تھے۔ شہداء طائف وہ مظلوم جانثار تھے جو

بغیر کسی جارحیت کے، دعوتِ توحید کے مشن میں اذیتیں جھیلتے، خون بہاتے، اور خاموشی سے شہادت کے منصب پر فائز ہوتے رہے۔ ان کی شہادت نے اسلامی معاشرے کو یہ پیغام دیا کہ فتح ہمیشہ ظاہری کامیابی کا نام نہیں، بلکہ بعض اوقات پسپائی کے اندر ہی قبولیت کی معراج ہوتی ہے۔

جنگی تدابیر اور شہداء کی ہمت

محاصرہ کے دوران نبی کریم ﷺ نے منجنیق اور دبابہ (آہنی ڈھال دار گاڑی) استعمال کی، مگر اہلِ طائف نے ان پر آگ کے گولے پھینکے، جس سے بہت سے صحابہ جل کر زخمی ہوئے یا شہید ہو گئے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **أصاب المسلمين من السهام والنيران شيء كثير، واستشهد منهم رجال صابرون** (البدایہ والنہایہ، 4/328) مسلمانوں کو تیروں اور آگ سے سخت نقصان ہوا، اور ان میں سے بہت سے صابر مرد شہید ہوئے ان شہداء نے اپنی شہادت سے تاریخ کو یہ پیغام دیا کہ جہاد کا مطلب صرف دشمن کا قتل نہیں بلکہ اپنے نفس، اپنے مال، اپنے سکون اور آخر کار اپنی جان کا فدیہ بھی ہے۔

مقامِ شہادت، مگر گمنامی کا حجاب

طائف کے شہداء کی مظلومیت کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ: 1- ان کے نام محفوظ نہیں رہے سوائے چند کے۔ 2- ان کی قبریں بے نشان ہیں۔ 3- ان کی

قربانیوں کا ذکر نہ جمعوں کے خطبوں میں ہوتا ہے ، نہ درسی سیرت کی کتابوں میں۔حالانکہ ان شہداء نے وہ معرکہ لڑا جس میں کامیابی کا کوئی دنیوی امکان باقی نہ تھا،مگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جڑے رہنا ان کے لیے سب سے بڑی فتح تھی۔

چند معروف شہداء کا ذکر

ا-حضرت یزید بن زمعہؓ جنہیں ایک تیر آ لگا اور وہ موقع پر شہید ہو گئے۔

2-حضرت سعد بن عبیدؓ انصاری صحابی، جن کی شہادت کو امام واقدی نے نقل کیا۔

3-حضرت قطن بن حارثہؓ فصیل کے قریب شہید ہوئے۔(حوالہ: المغازی للواقدی، 2/875، دارالأعلم؛ البدایہ والنہایہ، 4/329، دار إحیاء التراث) نبی کریم ﷺ کا طائف کے شہداء کے لیے دعا کرنا محاصرہ جب ختم ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان شہداء کے جنازے خود پڑھائے، ان کے لیے مغفرت اور جنت کی دعا فرمائی، اور ان کی قبروں کو نشان زد کیا گیا تا کہ اہلِ ایمان ان کی زیارت کریں۔ یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ جو لوگ بظاہر کامیاب نہ ہوئے، وہ عنداللہ سب سے کامیاب ہوئے۔

فقہی اور اخلاقی استنباط

1-مظلوم شہداء کی شہادت: فقہائے اربعہ کے نزدیک ایسے لوگ جو دعوت، قتالِ مشروع یا نصرتِ نبوی میں شہید ہوں، ان کی شہادت سب سے افضل شہادت ہے(المبسوط، 10/151؛ بدائع الصنائع، 7/111)

2-نامعلوم شہداء کی یاد: اہلِ سنت کے اصول کے مطابق نام نہاد شہداء کی یاد بھی سنت ہے، جیسا کہ شہدائے اُحد کا سالانہ تذکرہ کیا گیا (الدرالمختار، 2/251)

3-دعوت میں جان دینا جہاد اکبر ہے، اور اس پر رضائے الٰہی کا وعدہ قطعی ہے۔

معاصر تناظر: عالمی مظلومین سے ربط

شہداء طائف کا تذکرہ آج کے ان مظلوم مسلمانوں کی بھی یاد دلاتا ہے جو افریقہ، فلسطین، کشمیر یا چین میں بغیر کسی دفاع کے دعوت، ایمان، یا اسلامی وابستگی کی بنا پر قتل ہو جاتے ہیں۔ ان کی طرح شہداء طائف کا بھی جرم صرف ایک تھا: ہم رسول کے وفادار ہیں۔

نتیجہ: طائف کی فصیلوں سے بلند مقام

طائف کی فصیل تو محفوظ رہ گئی، مگر شہداء طائف نے اپنے خون سے جو فصیلِ وفا تعمیر کی، وہ قیامت تک گواہی دیتی رہے گی کہ اسلام کی بقاء مظلوموں کے صبر، شہداء کے خون، اور وفاداروں کے اشک سے ہوئی ہے۔ ایسے گمنام شہداء کا تذکرہ امت کی روحانی اور فکری بیداری کا ذریعہ ہے۔

مصادر و مراجع:

1-صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ الطائف، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، طبع جدید۔ 2-الواقدی، المغازی، تحقیق: مارسدن جونز، جلد

2،ص:875، ناشر: دار الأعلم، بیروت، لبنان، طبع اول:1404ھ۔ 3-ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، جلد 4،ص:329-328، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، طبع جدید۔ 4-المبسوط للسرخسی، جلد 10،ص:151، ناشر: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان۔5-بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، از: امام کاسانی، جلد 7، ص:111، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

حضرت مالک بن عوف النضری اور قبیصہ بن مخارق

(نومسلمین کی مظلومیت کی داستان)

اسلام کی تابناک تاریخ میں جہاں عظیم فاتحین، مشاہیر صحابہ، اور خلفاء راشدین کی درخشاں سیرتیں محفوظ ہیں، وہیں وہ خاموش مجاہدین اور مظلوم نومسلمین بھی ہیں جنہوں نے اپنے ایمان، عزیمت اور فہم وفراست سے اسلام کو نئی سرزمینوں تک پہنچایا۔ان ہی میں دو قابلِ ذکر اور مظلوم نومسلم شخصیات ہیں: حضرت مالک بن عوف بن سعد النضری اور حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہما، جن کی توبہ، اسلام پذیری، اور بعد کی قربانیوں نے تاریخ میں ایمانی وفاداری کا ایسا باب رقم کیا ہے جو ہمارے لیے دین، دعوت اور ایثار کی زریں مثال ہے۔مگر افسوس کہ ان کی مظلومیت، آزمائشیں اور خدمات زیادہ تر تاریخ کی خاموشی میں دب گئیں۔

حضرت مالک بن عوف النضریؓ: دشمنی سے ایمان تک کا سفر

حضرت مالک بن عوفؓ قبیلہ ہوازن کے سردار اور شاعر تھے۔ غزوہ حنین کے وقت وہ دشمن لشکر کے سپہ سالار تھے، اور انہی کی قیادت میں اہلِ ہوازن نے مکہ کی فتح کے بعد اسلامی ریاست پر چڑھائی کی۔ ان کی فوجی چال یہ تھی کہ عورتوں، بچوں، اونٹوں اور مال کو بھی جنگ میں ساتھ لے کر آئے تاکہ فوج کا حوصلہ قائم رہے۔ لیکن جب حنین میں شکست ہوئی، اور مسلمانوں نے قیدی، مال اور میدان فتح کیا، حضرت مالک بھاگ کر طائف میں پناہ گزین ہوئے۔ اس دوران ان کے قبیلے کے اکثر لوگ قید یا پسپا ہو چکے تھے۔ اسی عالم میں حضرت مالک نے تنہائی، مظلومیت اور شکست کی گہرائی میں غور و فکر شروع کیا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ: محمدؐ کے ساتھ جنگ سراسر نادانی تھی، اب ہدایت کا در کھلا ہے۔

اسلام کی طرف جھکاؤ اور معجزانہ تبدیلی

حضرت مالک بن عوف کی توبہ کی خبر جب نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو پیغامبر بنا کر روانہ فرمایا۔ مالکؓ نے نبی کریم ﷺ کے لیے دل کھول دیا، اسلام قبول کیا، اور نہ صرف تائب ہوئے بلکہ اپنے قبیلے کے بقیہ افراد کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ ابن کثیر فرماتے ہیں: **فأسلم مالک وحسن إسلامه، وأقبل على الطاعة والجهاد** (البدایۃ والنہایۃ، 4/334)

مظلومیت کا پہلو: سرداری سے غربت و تہی دستی تک

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت مالک بن عوف کو شدید نفسیاتی، سماجی اور خاندانی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ جو لوگ ان کے تابع تھے، وہ میدانِ شکست میں اُنہیں موردِ الزام ٹھہرا رہے تھے۔ طائف والوں نے ان پر خیانت، بزدلی، اور مفاد پرستی جیسے طعنے کسے۔ ان پر جان لیوا حملے بھی ہوئے، یہاں تک کہ کئی بار وہ جان بچا کر مدینہ کی پناہ میں آئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے صدق و اخلاص کو دیکھتے ہوئے فرمایا: **مالک، من خیار قومی، أسلم قلبه، و صدقت نیته** (مالک میری قوم کے بہترین افراد میں سے ہے، اس کا دل اسلام کے لیے کھل چکا ہے اور نیت خالص ہو چکی ہے)

حضرت قبیصہ بن مخارقؓ: مظلوم داعی و شہیدِ اسلام

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالیؓ قبیلہ بنو ہلال سے تعلق رکھتے تھے، جو نجد کے دیہات میں اسلام سے دور بدوی قبائل میں شمار ہوتا تھا۔ وہ ابتدائی طور پر نبی کریم ﷺ کے مخالفین میں شامل تھے، مگر دعوتِ نبوی اور اسلامی اخلاق سے متاثر ہو کر فتحِ مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ لیکن ان کا اسلام لانا آسان نہ تھا۔ جیسے ہی ان کے قبیلے کو ان کی اسلام پذیری کا علم ہوا، انہیں قبیلہ سے خارج کر دیا گیا، ان کا مال ضبط کر لیا گیا، اور ان کے خاندان کو سماجی بائیکاٹ کا نشانہ بنایا گیا۔

تبلیغی قربانی اور گمنام شہادت

حضرت قبیصہ بن مخارقؓ نے اپنا سب کچھ چھوڑ کر نجد و طائف کے قبائل میں دعوتِ اسلام کے لیے محنت کی۔ انہیں نبی کریم ﷺ نے ایک مہم پر قبیلہ بنی عامر کے پاس بھیجا۔ وہاں انہوں نے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے جان دے دی ان پر دھوکہ سے حملہ کیا گیا اور نجد کے ایک مقام پر شہید کر دیے گئے۔ الاستیعاب میں آتا ہے: **وكان من خيار من أسلم، واستشهد مظلوماً في أرض نجد** (الاستیعاب، 3/112)، ان کی شہادت پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اللهم تقبل قبيصة، فقد جاهد فيك وترك الدنيا۔**

مظلومیت کے پہلو

1- حضرت مالک بن عوفؓ: قبائلی سردار، شاعر، اور مجاہد ہونے کے باوجود جب اسلام لائے تو سماجی طعن، قبائلی بغاوت، اور معاشی مقاطعہ کا سامنا کیا۔ ان کے گرد خالی پن، نفرت اور بے رخی کی فضا تھی۔

2- حضرت قبیصہ بن مخارقؓ: نومسلم داعی، جنہیں دعوت کے جرم میں قتل کر دیا گیا، ان کی لاش بے گور و کفن رہ گئی، اور ان کا تذکرہ تک مورخین کی کتابوں میں مفقود ہے۔

فقہی واخلاقی استنباط

1-مرتد ہونے والے قبائل سے الگ ہونا: حضرت قبیصہ کا فعل فقہ حنفی کے مطابق دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کے حکم کی مثال ہے (البحر الرائق، 5/157، دارالکتب العلمیۃ)

2-نومسلموں کے تحفظ کی شرعی ذمہ داری: نبی کریم ﷺ نے ان نومسلمین کو اپنی پناہ دی، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست پر نومسلمین کے جان و مال کے تحفظ کی شرعی ذمہ داری ہے (الدرالمختار، 2/382)

3-دعوت میں شہادت: قبیصہؓ کی شہادت دعوتِ دین کے راستے میں شہادتِ فی سبیل اللہ ہے، جس کا درجہ عام شہادت سے بلند ہے (بدائع، 7/127)

نتیجہ: خاموشی کے پردے میں تابناک ستارے

حضرت مالک بن عوف اور حضرت قبیصہ بن مخارقؓ کی مظلومیت درحقیقت ان مظلوم نومسلمین کی نمائندہ ہے جو قبیلوں، گھروں، دولت، اور مقام کو ترک کر کے صرف اللہ اور رسولؐ کی رضا کے لیے کھڑے ہوئے۔ ان کے لیے نہ مال تھا، نہ نصرت، مگر ان کے اخلاص نے انہیں قبولیت، شہادت اور دائمی عزت سے سرفراز کر دیا۔ یہی وہ مظلومین ہیں جن کے طفیل امت کو ایمان کی وسعت ملی، دعوت کی روح ملی، اور جہاد کے مفہوم کو وقار حاصل ہوا۔

مصادر ومراجع:

1-ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، جلد 4، ص:334، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، طبع جدید۔ 2-الاستیعاب فی معرفۃ الأ صحاب، از: ابن عبد البر، جلد 3، ص:112، ناشر: دار الجیل، بیروت، لبنان، طبع اول:1412ھ۔ 3-البحر الرائق شرح کنز الدقائق، از: ابن نجیم، جلد 5، ص:157، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع جدید۔ 4-بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، از: امام کاسانی، جلد 7، ص:127، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ 5-الدر المختار مع رد المحتار، جلد 2، ص:382، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

واقعہ مؤتہ

(سفیروں کی شہادت، فدائیت کا مظہر اور مظلوم مجاہدین کی قربانی)

اسلام کی ابتدائی فتوحات اور غزوات میں غزوہ مؤتہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے بظاہر ایک عسکری مہم سمجھا جاتا ہے، مگر درحقیقت یہ دعوتی مظلومیت، دینی فدائیت اور روحانی بصیرت کی تجسیم ہے۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی جس میں مسلمانوں نے محض سفیرِ اسلام کے ناحق قتل کا جواب دینے کے لیے تین ہزار نفوس کے ساتھ ایک ایسی سلطنت سے لوہا لیا جس کے تحت اس وقت دنیا کی سب سے بڑی عسکری طاقت رومی افواج

تھیں۔ یہ معرکہ دراصل ایمانی وفا، عددی کمزوری، اور مظلومانہ شہادت کا درخشاں باب ہے، جسے تاریخ کے بے شمار مورخین نے نقل کیا، مگر اس کی مظلومانہ روح اور قربانی کے مقام کو وہ وقار آج تک نہ مل سکا جو اسے دینا واجب تھا۔

حضرت حارث بن عمیرؓ: شہیدِ رسالت کا قتل

واقعہ مؤتہ کی شروعات حضرت حارث بن عمیر الأزدیؓ کی مظلومانہ شہادت سے ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں غسان کے بادشاہ شرجیل بن عمرو کے دربار میں اسلام کا سفیر بنا کر روانہ فرمایا۔ مگر عرب کے قدیم جاہلانہ مزاج اور رومی اثر میں ڈوبے ہوئے اس مشرک بادشاہ نے نہ صرف بین الاقوامی سفارتی قوانین کو پامال کیا بلکہ ایک معزز اسلامی نمائندہ کو بے دریغ قتل کر دیا۔ یہ پہلا واقعہ تھا جس میں اسلامی سفیر کو میدان جنگ کے باہر، محض دین کی تبلیغ پر شہید کیا گیا۔ یہ جرم نہ صرف قتلِ نفس تھا، بلکہ دعوتِ اسلام کی آزادی پر حملہ تھا۔ ابن سعد لکھتے ہیں: **قتله شرحبيل ظلماً وعدواناً، فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم، فغضب غضباً شديداً** (الطبقات الکبری، 2/120، دار صاد)

تین جلیل القدر قائدین کی شہادت

نبی کریم ﷺ نے اس ظلم کے جواب میں ایک لشکر ترتیب دیا، جس کی قیادت بالترتیب حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، اور حضرت عبداللہ

بن رواحہؓ کو سونپی۔ اگرچہ یہ لشکر صرف 3000 افراد پر مشتمل تھا، مگر ان کے ایمان، وفا اور قربانی کی مثال قیامت تک کے مجاہدین کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ 1-حضرت زید بن حارثہؓ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور محبوب، جنہوں نے سب سے پہلے علَمِ نبوی سنبھالا اور شدید تیر اندازی میں جان دے دی۔ 2-حضرت جعفر طیارؓ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی، جنہوں نے پرچم تھاما، مگر جب دونوں ہاتھ کٹ گئے تو اپنے بازوؤں سے پرچم کو سینے سے لگا لیا، اور اسی حالت میں شہید ہوئے۔ 3-حضرت عبداللہ بن رواحہؓ انصاری صحابی، جو آخری وقت تک تذبذب اور مجاہدہ کے باوجود شہادت کے لئے آگے بڑھے اور نفس پر غالب آ کر جام شہادت نوش فرمایا۔ صحیح بخاری میں آتا ہے: **أخذ الراية زيد فقتل، ثم أخذها جعفر فقتل، ثم أخذها ابن رواحة فقتل** (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ مؤتۃ)

شہداء مؤتہ کی مظلومیت اور فدائیت

یہ جنگ محض عسکری نہیں تھی، بلکہ ایک مظلوم سفیر کا انتقام، دعوت کی حرمت کا تحفظ، اور بین الاقوامی قانون شکنی کا تدارک تھا۔ مسلمانوں کو علم تھا کہ دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے، اور وہ جدید اسلحہ سے لیس ہے۔ مگر اس کے باوجود صحابہ کرامؓ نے نہ صرف میدان میں قیادت سنبھالی بلکہ اپنی جانوں کو سپردِ اسلام کر کے وفا کی معراج کو پہنچا دیا۔ حضرت جعفرؓ کے جسم پر نوّے سے زائد زخم تھے، اور تمام سامنے کے حصے میں۔ حضرت زیدؓ نے اپنا علم چھوڑنے کے بجائے جان دے دینا بہتر سمجھا۔ یہ

مظلوم شہداء تاریخ کے وہ فراموش کردہ مجاہدین ہیں جنہوں نے اپنی کم تعداد، قلتِ سامان، اور سخت زمینی حقائق کے باوجود اللہ کی راہ میں جان دی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ: عقل وحکمت کے معمار

حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان تینوں شہداء کے بعد لشکر کی قیادت سنبھالی۔ اگرچہ اس وقت وہ نئے مسلمان تھے، مگر ان کی تدبیر اور عسکری حکمت عملی نے اس جنگ کو مکمل تباہی سے بچالیا۔ انہوں نے جنگی انداز بدلے، پرچم کی جگہیں تبدیل کیں، اور ایسا گمان دلایا جیسے مدد آ چکی ہے۔ اس چال سے دشمن نے پسپائی اختیار کی اور مسلمانوں کو رات کی آڑ میں واپسی کا موقع ملا۔

مظلومین کی واپسی اور مدینہ کا ردعمل

جب یہ مجاہدین مدینہ واپس آئے تو کچھ کم فہم نوجوانوں نے کہا: **فررتم من الزحف** (تم جنگ سے بھاگ آئے)۔ رسول اللہ ﷺ نے سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا: **بل هم الكُرّار إن شاء الله** (یہ لوگ بھاگنے والے نہیں، یہ حملہ آور ہیں ان شاء اللہ) (ابن سعد، 2/122) یہاں رسول اللہ ﷺ نے نومسلم سردار، مجاہد، اور اہل تدبیر صحابہ کی مظلومیت کی تلافی اور عزت کی بحالی فرمائی۔

فقہی واصولی نکات

1- دعوت کے تحفظ کے لیے جہاد جائز ہے: حارث بن عمیرؓ کے قتل پر جو

جنگ کی گئی، وہ فقہاء کے نزدیک جہاد دفاعی برائے حفظِ دعوت کی مثال ہے (البدائع، 7/105؛المبسوط،10/12)۔

2-قائدین کی ترتیب وشہادت کی مشروعیت: تینوں قائدین کی شہادت اور چوتھے کی تقرری شوریٰ وخلافت کے اصولوں کی بنیاد فراہم کرتی ہے (البحرالرائق،5/321)۔

3-شہداء دعوت کا درجہ: حارث بن عمیرؓ، جو جنگ میں نہیں بلکہ دعوت میں قتل ہوئے، ان کی شہادت امام مالک، شافعی، اور امام اعظم کے نزدیک شہید فی سبیل اللہ ہے (الدرالمختار،2/258)

مظلومین کی فہرست میں یہ شہداء

شہداء مؤتہ وہ مظلوم مجاہدین ہیں جنہیں شہادت ملی مگر کوئی جنازہ نہ پڑھا گیا قبر بھی غیر معروف میدان میں کسی مورخ نے ان کی اجتماعی قبریں نشان زد نہیں کیں بیشتر امت ان کے نام، وفا، اور جذبے سے آج بھی غافل ہے۔

معاصر تناظر میں تقابل

آج کے دور میں جب عالمی قوانین، سفارتی آداب، اور انسانیت کے حقوق کا پرچار ہوتا ہے، تب بھی اسلامی سفیروں، مبلغین، اور داعیانِ حق کو قتل کیا جاتا ہے۔ حارث بن عمیرؓ کی شہادت اس عالمی بے حسی کا اولین باب تھی۔ یہ مظلوم شخصیات ہمیں سکھاتی ہیں کہ دعوت کی قیمت جان بھی ہوسکتی ہے جنگ کی کامیابی عدد میں

نہیں، نیت اور اخلاص میں ہے۔

شہید کو رب جانتا ہے، دنیا نہ جانے تو کیا غم

مصادر و مراجع

1-صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ مؤتۃ، ناشر: دار طوق النجاۃ، بیروت، لبنان۔2-ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد2، ص:122-120، ناشر: دار صاد، بیروت، لبنان، طبع جدید۔3-البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، از: امام کاسانی، جلد 7، ص:105، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔4-المبسوط، از: امام سرخسی، جلد 10، ص:12، ناشر: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان 5-البحر الرائق شرح کنز الدقائق، از: ابن نجیم، جلد 5، ص:321، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔6-الدر المختار مع رد المحتار، از: علامہ شامی، جلد2-، ص:258، ناشر: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

سنہ 9 ہجری کے اہم واقعات اور مظلومین کی داستان

تبوک کے مظلوم مجاہدین

(قیظ (سخت گرمی)، فقر اور منافقت کے درمیان استقامت کی کہانی)

غزوۂ تبوک تاریخِ اسلام کا وہ تابناک اور دردانگیز باب ہے، جس میں ایثار

ووفا،صبر واستقامت،اور مظلومیت ومحرومی کا ایسا امتزاج پایا جاتا ہے جو ہر دور کے اہل ایمان کے لیے ہدایت، غیرت اور اخلاص کا نمونہ ہے۔ یہ وہ معرکہ تھا جس میں مدینہ کی اسلامی ریاست نے رومی سلطنت جیسے عالمی جبروت کے خلاف خالص ایمانی جذبے سے قدم بڑھایا، مگر یہ اقدام بظاہر محض ایک جنگی پیش قدمی نہ تھی، بلکہ منافقین کی ریشہ دوانیوں، معاشی فقر، موسمی سختی، اور داخلی سازشوں کے درمیان مظلوم صحابہ کرام کی عظمت کا اظہار یہ تھا۔

1-موسم کی شدت اور قلتِ زاد (ایک مظلوم لشکر کی کیفیت)

غزوہ تبوک رجب 9 ہجری میں اس وقت وقوع پذیر ہوا جب گرمی کی شدت عروج پر تھی، پھلوں کے پکنے کا موسم تھا، اور کھجوریں درختوں پر لٹک رہی تھیں۔ زمین خشک تھی، راستے طویل، اور سفر دشوار۔ منافقین نے موقع کو غنیمت جانا اور کہا: **لاتنفروا فی الحر** (اس گرمی میں نہ نکلو!)(سورۃ التوبۃ:81)۔ قرآن نے ان کے قول کا جواب دیا:**قل نار جهنم أشد حرّاً** (کہہ دیجئے: جہنم کی آگ زیادہ شدید حرارت والی ہے)، (التوبۃ:81) مسلمانوں کے پاس سواریاں کم، زادِ راہ قلیل، اور راستہ دشوار تھا۔ بیہقی کی روایت کے مطابق ستر سے زائد صحابہ ایسے تھے جن کے پاس سواری نہ تھی اور وہ روتے ہوئے لوٹے: **وَلَا تَجِدُ مَا تَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ** .....(التوبۃ:92)۔ یہ وہ بُکاؤن ہیں، جن کی مظلومیت پر خود قرآن نے گواہی دی۔

2-اصحابِ صفہ اور غرباء المجاہدین کی مظلومیت

اصحاب صفہ، جو پہلے ہی مسجد نبوی کے حجرے میں قیام پذیر، زہد وفقر کی علامت اور اخلاص کے پیکر تھے، اس موقع پر بھی لشکر اسلام سے پیچھے نہ رہنا چاہتے تھے۔ ان کے پاس نہ تو گھوڑے تھے نہ اونٹ، نہ کھانے کو خوراک، نہ پہننے کو مکمل لباس۔ مگر انہوں نے اللہ کے راستے میں نکلنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ روتے ہوئے واپس ہوئے، اور وحی نے ان کی مظلومانہ حالت کو محفوظ کر لیا۔

3-منافقین: طعن، تضحیک، اور تخذیل کے علمبردار

اس موقع پر منافقین کا کردار سراسر ظالمانہ تھا۔ انہوں نے: مسلمانوں کو بے وقوف قرار دیا جہاد کو حرارت میں موت کا سبب بتایا مال نہ رکھنے والوں کا مذاق اڑایا حتی کہ رسول اللہ ﷺ اور بعض صحابہ پر بھی طعن کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں ان کی ان تمام حرکتوں کا سخت الفاظ میں ذکر کیا، مثلاً: **الذین یلمزون المطوعین من المؤمنین فی الصدقات** (التوبۃ:79)۔ یہ آیات ان غرباء صحابہ کی عزت ومظلومیت کا اعلان تھیں جنہیں ظاہری قلت پر طعن کا نشانہ بنایا گیا۔

4-حضرت ابوذر غفاریؓ: تنہا مظلوم مجاہد

حضرت ابوذر غفاریؓ کا کردار اس غزوہ میں ایک عظیم فدائیت اور مظلومانہ استقامت کا آئینہ دار ہے۔ وہ لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے، مگر راستے میں اونٹ کمزور

ہو گیا۔ وفد جا چکا تھا۔ حضرت ابوذرؓ نے کجاوہ کندھے پر رکھا اور تنہا سفر جاری رکھا۔ تبوک کے مقام پر پہنچے تو لشکر نے دور سے گرداڑتی دیکھی۔ صحابہ نے کہا: **هذا رجل على الطريق** نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **كن أبا ذر** جب معلوم ہوا کہ وہ ابوذرؓ ہیں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: **رحم الله أبا ذر، يمشي وحده، ويموت وحده، ويبعث وحده** (ابوذر پر اللہ کی رحمت ہو، وہ تنہا چلے، تنہا مریں گے، اور تنہا اٹھائے جائیں گے)

(صحیح ابن حبان، کتاب المغازی)

5- حضرت کعب بن مالکؓ: صداقت اور سماجی تنہائی

غزوہ تبوک میں حضرت کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ، اور مرارہ بن ربیعؓ پیچھے رہ گئے۔ جب نبی کریم ﷺ واپس آئے، تو سب نے جھوٹ بول دیا، مگر کعبؓ نے سچ کا دامن نہ چھوڑا۔ نبی ﷺ نے انہیں بائیکاٹ کا حکم دیا۔ 50 دن تک: کوئی سلام نہ لیتا مدینہ اجنبی بن گیا۔ حضرت کعبؓ کی بیوی بھی گھر چھوڑ گئی۔ یہ وہ نرم مگر مظلومانہ تنبیہ تھی جو اللہ کی طرف سے مؤمنین کی آزمائش کے لیے آئی۔ پھر آیت توبہ نازل ہوئی: **وعلى الثلاثة الذين خلفوا..... لقد تاب الله على النبي والمهاجرين.....** (التوبۃ:118) یوں ان مظلومین کی استقامت اور توبہ کا قبول ہونا قیامت تک کے لیے مثال بن گیا۔

فقہی و اخلاقی نکات

1- جہاد میں شرکت: استطاعت سے مشروط ہے، مگر اخلاص اور عزمِ صادق

سے پیچھے نہ رہنا افضل ہے۔(البدائع،9/4المبسوط،10/13)۔

2-**منافقین کا تخذیل:** جرمِ کبیرہ ہے،اوران کی زبانی ایذاءشریعت میں سزا کے لائق ہے۔(ردالمحتار،5/255؛البحرالرائق،5/318)۔

3-**سچ بولنے کی قیمت:** دنیاوی تکلیف ہوسکتی ہے،مگرانجام میں رفعت حاصل ہوتی ہے۔

4-**غرباءصحابہ کی شرکت:** فدائیت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔سیرت کی ہرتحریک میں غریب سب سے پہلے ہوتے ہیں۔

خلاصہ

غزوہ تبوک نہ صرف فوجی استقامت کی داستان ہے، بلکہ یہ غربت،موسمی ظلم،منافقت،طعن وتشنیع،سماجی بائیکاٹ،اورتنہائی میں چلنے والی صداقت کی مظلومانہ کہانی بھی ہے۔یہ مظلومین دراصل اسلام کی اصل بنیاد ہیں،جن کے خلوص اورصبر سے دین کوغلبہ حاصل ہوا۔

مصادرومراجع:

1-صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک، ناشر: دارطوق النجاۃ، بیروت، لبنان۔ 2-ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد 4،ص:176، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔ 3-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، جلد 2،

ص:158، ناشر: دار المعارف، قاہرہ، مصر۔ 4-دلائل النبوۃ، للبیہقی، 5/394، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ 5-صحیح ابن حبان، کتاب المغازی، ناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔ 6-البدائع الصنائع، از امام کاسانی، جلد 9، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 7-ا-لبحر الرائق، از ابن نجیم، جلد 5، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔

خلوص کی آزمائش اور سماجی تنہائی

(ایک مظلوم کی توبہ)

اسلامی تاریخ میں بعض مظلومیاں ایسی بھی ہیں جن کا ظالم کوئی دشمن، کافر یا منافق نہیں ہوتا، بلکہ وہ الٰہی حکمت کی ایک سخت آزمائش کے روپ میں آتی ہیں۔ایسی ہی ایک مظلومیت کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ربیعؓ، اور ہلال بن امیہؓ کی ہے، جنہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت سے معذوری کے بعد سچ بولنے کی قیمت ادا کی، اور پچاس دن تک امت کی اجتماعی بائیکاٹ کا شکار بنے۔ یہ مظلومین نہ جھوٹ بولے، نہ منافقوں کی طرح معذرتیں تراشیں، بلکہ حق گوئی اور خلوص سے اللہ کے عفو کے طلبگار بنے، اور پھر قرآن میں ان کی توبہ کے قبول ہونے کا اعلان ہوا۔ یہ داستان اسلام کی مظلوم شخصیات میں ایک درخشاں اور رقت آمیز باب ہے۔

خلفیہ واقعہ: (غزوہ تبوک سے پیچھے رہنا)

غزوہ تبوک اسلامی عسکری تاریخ کا سب سے کٹھن اور دور افتادہ معرکہ تھا۔ گرمی کی شدت، قلتِ زاد، اور طویل مسافت نے منافقین اور سچے مؤمنین کے درمیان فرق واضح کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے بھرپور تیاری کی، اور اکثر صحابہؓ شریک ہوئے، مگر چند افراد بغیر کسی شرعی عذر کے پیچھے رہ گئے۔ جب نبی کریم ﷺ واپس مدینہ تشریف لائے تو پیچھے رہنے والوں کو معذرت پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ منافقین نے جھوٹ بولا اور وقتی نرمی حاصل کر لی، مگر تین صحابہؓ: کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، اور مرارہ بن ربیعؓ نے صاف گوئی اختیار کی۔

سچائی کی سزا (ظاہری بائیکاٹ، باطنی محبت)

نبی کریم ﷺ نے ان کی صداقت کو پسند تو کیا، مگر حکمِ الٰہی کے انتظار میں ان سے کوئی نرمی نہ برتی۔ بلکہ صحابہ کو بھی حکم دیا کہ کوئی ان سے بات نہ کرے، سلام کا جواب نہ دے، اور نہ ہی ان سے میل جول رکھے۔ کعب بن مالکؓ اس بائیکاٹ کی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں: زمین میرے لیے تنگ ہوگئی، حالانکہ وہ وسیع تھی، اور میرا دل گھبرا گیا..... (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک)۔ یہ پچاس دن کی تنہائی، سماجی مقاطعہ اور نبی کریم ﷺ کی خاموشی ان کے لیے شدید آزمائش اور مظلومیت تھی۔ وہ ہر روز مسجد آتے، سلام کرتے، نبی کریم ﷺ کے چہرے کو دیکھنے کی

کوشش کرتے ،مگر کوئی جواب نہ ملتا۔اس دوران ان کے ایمان ،نیت اور صبر کا امتحان شدید تر ہوتا گیا۔

تنبیہ،توبہ،اور آسمانی اعلانِ قبولیت

پچاس دن مکمل ہونے پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ کی آیت 118 میں ان کی توبہ کا اعلان فرمایا:"وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ..... ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ" (التوبہ:118) یہ آیت دراصل اللہ کی عدالت سے ان مظلوموں کے حق میں فیصلہ ہے،اور قیامت تک آنے والے مؤمنین کے لیے صدق وصفا کا ایک نمونہ۔

ظالم کون؟ مظلوم کون؟

یہاں ظلم کرنے والا کوئی عام فرد نہیں بلکہ اجتماعی فضا، سماجی بائیکاٹ، اور حکمتِ ربانی ہے۔مگر یہ سب کچھ باطنی تربیت،تمییزِ صدق،اور امت کی تطہیر کے لیے تھا۔مظلوم: وہ تین سچے صحابہؓ جنہوں نے جھوٹ نہ بولا ظاہری سزا: مقاطعہ،تنہائی،قلبی گھٹن باطنی نتیجہ: ان کی توبہ کی قرآن میں سند۔

فقہی اور اصولی بصیرتیں

1-صدقِ نیت اور سچائی پر جمے رہنا ایمان کی علامت ہے،خواہ وقتی طور پر اذیت

ہو۔(الکاشف،زمخشری،تحت آیت 118)۔2-باطنی نیت کی صداقت پر اللہ کا علم اور عدل کارفرما ہوتا ہے، جو ظاہری اعمال سے زیادہ مؤثر ہے۔(التحریر والتنویر، طاہر بن عاشور)3-بائیکاٹ کی حکمت،تربیت اور تمییز ،نہ کہ اذیت وانتقام۔(شوکانی،فتح القدیر،تحت آیت 118)

تقابلی مطالعہ (جدید قانون وانسانی حقوق کی روشنی میں)

آج کی دنیا میں سچ بولنے والے Whistleblowers کو سزا دی جاتی ہے، جبکہ منافقانہ معذرتوں کو قبول کیا جاتا ہے۔اسلامی نظام میں سچ بولنے پر وقتی آزمائش آسکتی ہے،مگر قرآن اس پر سندِ توبہ نازل کرتا ہے۔یہ واقعہ اسلامی عدل وحکمت کی ایک اعلیٰ مثال ہے کہ فرد کی نیت،سچائی،اور مظلومیت کو صرف اللہ جانتا ہے، اور وہی اس کا انصاف کرتا ہے۔

خلاصہ

کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ کی یہ مظلومیت سچائی، خلوص اور اخلاص کے امتحان کا آئینہ ہے۔ان کا قصہ ہر اس مؤمن کے لیے ایک رہنمائی ہے جو سچ بول کر تنہا ہو جائے، جسے معاشرہ مسترد کر دے،مگر اللہ قبول کر لے۔ ان کی مظلومیت آج بھی روح کو بیدار کرتی ہے،اور سچ کے راستے کو روشن کرتی ہے۔

مصادر ومراجع:

1-صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک ناشر: دار ابن

کثیر، دمشق بیروت۔ 2-تفسیر الطبر ی، تحت آیت 118، سورۃ التوبہ، ناشر: دار ہجر، قاہرہ، مصر۔ 3-سیرۃ ابن ہشام، جلد 4، ص 192 ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔ 4-فتح القدیر، شوکانی، تحت آیت 118 ناشر: دار ابن کثیر، دمشق۔ 5-التحریر والتنویر، ابن عاشور، تحت آیت 118، ناشر: دار سحنون، تونس۔

صدقات میں خلوص، اور منافقین کی تنقید

(مظلوم صحابہ کی مالی بے چارگی)

اللہ تعالیٰ کے دین کی راہ میں خرچ کرنا ہر مومن کا شرف ہے۔ لیکن تاریخِ اسلام کا ایک مظلوم پہلو یہ ہے کہ وہ مخلص اور نادار صحابہؓ جنہوں نے غربت کے باوجود صدقات میں اپنا سب کچھ لٹا دیا، انہیں منافقین کی طرف سے طعن وتمسخر کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ واقعہ سورہ توبہ کی ان آیات سے جُڑا ہوا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے مظلوم اہلِ صدق کو اپنا مقرب بندہ قرار دے کر منافقین کے طعن کا پردہ چاک کیا۔

واقعہ کا پس منظر

نبی کریم ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر صدقہ وخیرات کی ترغیب دی، کیونکہ لشکر کو مال وسامان کی شدید ضرورت تھی۔ یہ اعلان سنتے ہی صحابہ کرامؓ نے

حسبِ استطاعت اپنا مال پیش کیا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے اہلِ ثروت نے دل کھول کر عطا کیا، تو وہیں حضرت ابوعقیلؓ اور حضرت صواع بن حنیفؓ جیسے غرباء نے اپنا کل اثاثہ لاکر نبی کریم ﷺ کے قدموں میں رکھ دیا۔

مظلوم شخصیات: (حضرت ابوعقیلؓ اور حضرت صواعؓ)

حضرت ابوعقیلؓ ایک مزدور صحابی تھے۔ انھوں نے پوری رات محنت مزدوری کرکے دو صاع کھجوریں کمائیں، ایک گھر والوں کے لیے رکھیں اور ایک صاع اللہ کی راہ میں صدقہ کردی۔ اسی طرح حضرت صواعؓ روزانہ محنت سے تھوڑا سا مال کماتے اور ہر دن صدقہ کرتے۔ یہ خلوص، فقر و فاقہ اور ایمان کی عظیم مثال تھی۔

منافقین کا طعن اور اللہ کی طرف سے جواب

ان غرباء کے صدقات پر منافقین نے تمسخر کیا۔ کسی نے کہا: اللہ اس صاع کے صدقے سے کیا کرے گا؟ اور اہلِ ثروت کے بارے میں طنز کیا: یہ دکھاوا کر رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: ''اَلَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ'' (التوبہ:79)۔ یہ آیت قرآن کا عدالتی فیصلہ ہے، جس میں غرباء کے صدقہ کو خلوص پر مبنی عظیم قربانی قرار دیا، اور منافقین کے طعن کو اللہ کی طرف سے استہزاء کا نشانہ بنایا گیا۔

ظالم کون؟ مظلوم کون؟

ظالم: وہ منافقین جنہوں نے غرباء کے صدقے کو معمولی سمجھا، ان کا مذاق اڑایا، اور ان کی نیت پر شک کیا۔

مظلوم: حضرت ابو عقیلؓ، حضرت صواع بن حنیفؓ، اور دیگر فقراء صحابہؓ جن کے دل اور عمل خالص تھے مگر ان پر طعن کیا گیا۔

فقہی، ایمانی اور روحانی نکات

1-صدقہ کی قیمت نیت سے ہے، نہ کہ مال کی مقدار سے۔ **قال رسول اللہ** ﷺ: **سبق درهم مائة ألف درهم** (ایک درہم نے سو ہزار درہم پر سبقت لے لی) (مسند احمد، رقم 21991)۔ 2-فقہاء کا اتفاق ہے کہ قلیل مال کا صدقہ بھی افضل ہے اگر نیت خالص ہو۔ (بدائع الصنائع، 2/47، دار الکتب العلمیہ)۔ 3-صدقہ کی تحقیر اور مخلصین کا تمسخر شدید گناہ ہے، حتیٰ کہ کفریہ روش ہے۔

تقابلی مطالعہ: (جدید دنیا اور مظلومیت)

آج بھی جب غریب مسلمان دین کی خدمت میں کوئی حصہ ڈالتے ہیں، تو بعض مغرب زدہ طبقات اور دین فروش حلقے ان کی نیت، علم اور اثر کو حقیر جانتے ہیں۔ یہ بھی دراصل وہی نفاق کی علامت ہے جو ان آیات میں مذمت کے لائق قرار دی گئی۔ اسی طرح یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ معیارِ قبولیّت دل کی صداقت ہے، سوشل اسٹیٹس نہیں۔

خلاصہ

حضرت ابو عقیلؓ، حضرت صواع بن حنیفؓ اور دیگر فقراء صحابہؓ کی یہ داستان اسلام کی مظلوم شخصیات کے زمرے میں ایک روشن اور عبرت خیز واقعہ ہے۔ انہوں نے فقر کے عالم میں بھی اپنا سب کچھ لٹا دیا، اور منافقین کے طعن و تمسخر کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ لیکن اللہ نے ان کے مقام کو بلند کیا، اور قرآن کی آیت میں ان کے صدقے کو قبولیت کی سند دے دی۔

مصادر و مراجع:

1- تفسیر ابن کثیر، سورۃ التوبہ، آیت: 79، ناشر: دار طیبہ، ریاض، 1997م۔
2- الدر المنثور، امام سیوطی، جلد 3، ص 262، ناشر: دار الفکر، بیروت، 2004م۔
3- صحیح ابن خزیمہ، کتاب الزکاۃ، حدیث 2391، ناشر: مکتبۃ المعارف، ریاض۔
4- مسند احمد بن حنبل، حدیث: 21991، ناشر: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 2001م۔
5- بدائع الصنائع، امام کاسانی، 2/47، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2000م۔

قبائلی دباؤ اور خاندانی جبر

(نومسلمین کی مظلومیت)

اسلام کی تعلیمات کا ایک مظہر یہ ہے کہ وہ فرد کو آزادیِ فکر، صداقتِ ایمان

اور فطری میلان کے ساتھ دین اختیار کرنے کا حق دیتا ہے، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ نومسلموں پر نہ صرف خارجی طور پر ظلم وستم ڈھایا گیا بلکہ اندرونِ خاندان، قبائل، اور سوسائٹی میں انہیں شدید ذہنی، معاشی اور سماجی مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مظالم محض نظریاتی نہیں تھے، بلکہ عملی، مالی، اور وجودی نوعیت کے تھے۔ سنہ 9 ہجری میں جب اسلام عرب کے اطراف میں پھیل رہا تھا، اس وقت کئی نومسلمین کو اپنی قوم، قبیلہ اور حتیٰ کہ اپنے ہی گھر والوں کے ہاتھوں شدید مظلومیت جھیلنی پڑی۔

مظلوم شخصیات: 1- حضرت عدی بن حاتمؓ:

آپ قبیلہ طَیّ کے رئیس، مشہور سخی، اور مشہور عیسائی راہب حاتم طائی کے فرزند تھے۔ ابتدا میں آپ اسلام سے دور رہے، لیکن جب نبی کریم ﷺ کی صداقت، عدل اور حلم سے متاثر ہوکر مدینہ تشریف لائے، تو آپ کا ایمان لانا گویا پورے قبیلہ کے لیے فکری زلزلہ تھا۔

خاندانی اور قبائلی مخالفت: حضرت عدیؓ خود روایت کرتے ہیں: جب میں اسلام لایا تو میرے قبیلہ نے مجھ سے قطع تعلق کرلیا، میری عزت کا انکار کیا، اور مجھ پر طعن وتشنیع ہونے لگی۔ (الاستیعاب، ابن عبدالبر، 2/529) ظلم کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ قبیلہ جو پہلے ان کی قیادت پر فخر کرتا تھا، اب انہی کو دین کی بنیاد پر تنہا چھوڑ چکا تھا۔

نبی کریم ﷺ کا عزت افزا طرزِ عمل: اسلام قبول کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ

نے نہ صرف ان کی دلجوئی فرمائی بلکہ انہیں ان کے قبیلے پر دوبارہ سردار مقرر فرمایا۔ یوں آپؐ نے اس مظلوم نومسلم کو دینی، قبائلی، اور نفسیاتی اعتبار سے بحال فرمایا۔

2-حضرت ضِمام بن ثعلبہؓ

آپ قبیلہ بنی سعد کے وفد کی طرف سے مدینہ حاضر ہوئے۔ آپ نے مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست سوالات کیے اور اسلام کی تعلیمات کا انتہائی گہرا فہم پایا۔ آپ نے فوراً اسلام قبول کیا اور واپس قبیلے کی طرف لوٹے۔

قبائلی دباؤ: واپسی پر قبیلہ والوں نے ان کے اسلام کو سخت ناپسند کیا۔ مگر حضرت ضمامؓ نے ایک مظلوم مبلغ کے طور پر، قریہ بہ قریہ چل کر لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور جلد ہی پورا قبیلہ اسلام لے آیا۔ ان کی مظلومیت کا پہلو اس بات میں ہے کہ انہیں ابتدائی ایام میں تنہا ایک شخص کی حیثیت سے پورے قبیلہ کی مخالفت جھیلنی پڑی، مگر ان کی صداقت وفصاحت نے دل بدل دیے۔

مظالم کی نوعیت: دینی اذیت: خاندان کی طرف سے طعن، حقارت، اور تعلق کا انقطاع

معاشی ظلم: وراثت سے محرومی، تجارتی بائیکاٹ۔ قبائلی جبر: طعن وتشنیع، نکال باہر کرنے کی دھمکیاں، اور قتل کی دھمکیاں۔

اسلامی عدل کی مظلوم نواز پالیسی

نبی کریم ﷺ کا ان مظلوم نومسلمین کے ساتھ انفرادی اعزاز، عمومی عزت،

اور قیادت عطا کرنے کا عمل اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام محض دین نہیں، بلکہ انسانیت کا محافظ ہے۔ان مظلومین کو قیادت دے کر نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا کہ خاندان اور قبیلہ اگر تمہیں چھوڑ دے،تو رسول اور اللہ تمہارے پشت پناہ ہیں۔

تقابلی مطالعہ

آج کی دنیا میں مرتد ہونے والے کا شور تو بلند ہوتا ہے،لیکن اسلام قبول کرنے والے مظلوم نومسلمین کی مظلومیت، خاندانی ردّعمل، اور ذہنی اذیتوں کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔مغربی ممالک میں نومسلموں پر فیملی، میڈیا، اور نظامی دباؤ ایک جدید ظلم کی شکل ہے، جس کی جڑیں اہلِ عرب کی قدیم قبائلی نفرتوں سے جاملتی ہیں۔

نتیجہ

حضرت عدی بن حاتمؓ اور حضرت ضمام بن ثعلبہؓ جیسے نومسلمین اسلام کے مظلوم کردار ہیں، جنہوں نے اسلام کے لیے اپنی عزت، تعلقات، اور سماجی حیثیت تک قربان کردی۔ان کے صبر، استقامت، اور خلوص کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ اسلامی تاریخ میں عزت، صداقت، اور قیادت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔

مصادر ومراجع:

1-ابن سعد، الطبقات الکبری، 1/420 ناشر: دار صادر، بیروت، 1998م۔
2-ابن عبد البر، الاستیعاب، 2/529، ناشر: دار الجیل، بیروت، 1992م۔

3-الواقدی، المغازی، 3/1053، ناشر: دارالأعلم للملایین، بیروت، 1989م۔
4-ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، 4/157، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔

عام الوفود

(ظالم سرداروں کے خلاف مظلوم قبائل کا لوٹنا)

سنہ 9 ہجری اسلامی تاریخ میں عام الوفود کے طور پر مشہور ہے۔ یہ وہ سال ہے جب اسلامی ریاست کے امن، نبی کریم ﷺ کی صداقت اور تبوک کی کامیاب مہم کے اثرات عرب کے دور دراز علاقوں تک پہنچے، اور مختلف قبائل کے وفود مدینہ حاضر ہوئے تاکہ نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کریں، بیعت کریں، اور اپنی سابقہ معاندانہ روش سے رجوع کریں۔ لیکن ان وفود کی آمد محض دینی تقاضوں پر مبنی نہ تھی، بلکہ ان کے پیچھے گہرے سماجی، سیاسی، اور انسانی محرکات بھی کارفرما تھے۔ ان میں بہت سے وفود ایسے تھے جو اپنے قبیلہ کے ظالم سرداروں کے ظلم سے تنگ آ کر اسلام کی روشنی اور نبی کریم ﷺ کی امان میں آئے۔ یہی مظلوم وفود ہمارے اس مقالہ کا مرکز ہیں۔

عام الوفود کا اجمالی پس منظر

تاریخی طور پر سنہ 9 ہجری میں کم و بیش 70 سے زائد قبائل نے مدینہ منورہ میں اپنے نمائندے بھیجے۔ یہ وفود یمن، نجد، طائف، احساء، بحرین، غطفان، بنو اسد،

تمیم، عبدقیس، طے، اشجع، وغیرہ سے آئے۔ ان میں سے بعض وفود اسلامی فتوحات، غزوہ تبوک، اور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ عظیم سے متاثر ہو کر آئے، جبکہ بعض قبائل ایسے تھے جن کے افراد اپنے سرداروں کے ظلم، قبیلہ کی مخالفت، یا باطل مذہب کی جکڑ بندی سے نجات چاہتے تھے۔

مظلوم وفود کی مثالیں: 1- وفد بنی عبدقیس

یہ وفد بحرین کے مشرقی علاقے سے آیا۔ ان پر ایرانی مجوسی حکمرانوں کا سخت دینی وسماجی جبر مسلط تھا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: ہم اپنے علاقے سے رمضان کے سوا کسی وقت میں مدینہ نہیں آ سکتے، کیونکہ ہمارے علاقے کے کفار ہمیں اذیت دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے اسلام اور صبر پر خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا: **مرحباً بالقوم غیر خزایا ولا ندامی** (بخاری، کتاب العلم)۔ یہ وفد اپنی دینی مظلومیت کے باوجود اخلاص وصداقت کے ساتھ آیا تھا۔ 2- وفد طے اور حضرت عدی بن حاتمؓ۔ یہ قبیلہ شروع میں اسلام کے خلاف تھا، اور اس کے سردار عدی بن حاتمؓ عیسائی مذہب پر تھے۔ ان کے بعد وفدِ طے مدینہ آیا، تو ان پر بھی قبیلہ کے بعض افراد کی طرف سے روکنے کی کوشش کی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی عزت افزائی، قیادت کی بحالی اور استقامت پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

2- وفد اشجع

یہ قبیلہ غطفان کے نواحی علاقوں سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کے سردار عامر بن

طفیل نبی کریم ﷺ کے شدید دشمنوں میں سے تھے۔ اس نے اپنے قبیلہ کو دھمکایا، بیعت سے روکا، اور حتیٰ کہ قتل کی دھمکیاں دیں۔ لیکن اس کے باوجود وفد اشجع مدینہ آیا اور اخلاص سے بیعت کی۔ یہ مظلومین درحقیقت باطل سرداروں کے خلاف توحید کی طرف ہجرت کرنے والے تھے۔

ظالم سرداروں کا کردار: 1- عامر بن طفیل

یہ ایک متکبر، شریر، اور متعصب مشرک تھا۔ نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کی سازشیں کرتا رہا۔ اس نے وفد بنی عامر کو بھی اسلام سے روکا، اور اپنی سرداری کے غرور میں حقیقت کو جھٹلایا۔ وفد کے بعض افراد نے کہا: ہم تو مظلوم ہیں، عامر نے ہم پر دین کا راستہ بند کر رکھا ہے۔

2- مالک بن نویرہ

یہ شخص ارتداد کے بعد اپنے قبیلہ کے نومسلم افراد کو اسلام سے روکنے لگا۔ اگرچہ وہ بعد میں ایک متنازع انجام کو پہنچا، مگر اس کی دینی زیادتی، سردارانہ جبر، اور ظلم کی تاریخ نومسلمین کے لیے ایک دلدوز مثال ہے۔

نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل

نبی کریم ﷺ نے ان مظلوم وفود کو: عزت دی، استقبال فرمایا، ان کی قیادت کی بحالی کا اعلان کیا، اور فرمایا: اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ..... آپ ﷺ نے ان پر نہ

کوئی زبانی طعن کیا، نہ قبائلی پس منظر کو بنیاد بنایا، بلکہ ان کے اخلاص، توحید پرستی اور مظلومیت کو معیارِ قبولیت بنایا۔

فقہی، اخلاقی اور اجتماعی بصیرتیں

قبائلی یا سماجی ظلم دینی صداقت کا سد باب نہیں بن سکتا۔ نومسلم مظلوموں کی عزت بحال کرنا سنتِ نبوی ﷺ ہے۔ قبائلی جبر سے نکل کر دین حق کی طرف آنا ہجرت کا درجہ رکھتا ہے۔

عصر حاضر میں استیناس

آج بھی دنیا بھر میں نومسلمین کو گھریلو، معاشرتی، اور حکومتی ظلم کا سامنا ہے۔ انہیں دشنام، وراثت سے محرومی، معاشی بائیکاٹ، اور حتیٰ کہ قید و بند کا سامنا ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی سیرت یہ سکھاتی ہے کہ ان کا استقبال، نصرت، قیادت اور دلجوئی ہمارا ایمانی فریضہ ہے۔

نتیجہ

عام الوفود کا سال محض سیاسی یا دینی رجوع کا سال نہ تھا، بلکہ وہ مظلوم اقوام اور افراد کے لیے دینِ حق کا دروازہ بن کر سامنے آیا۔ ان میں ایسے وفود بھی شامل تھے جنہوں نے ظالم سرداروں کا جبر توڑ کر نبی رحمت ﷺ کی آغوش میں پناہ لی۔ ان کی داستانیں ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ اسلام، مظلوموں کی پناہ گاہ اور عدل کا سرچشمہ ہے۔

مصادر ومراجع:

1-ابن سعد، الطبقات الکبری، 1/356 ناشر: دار صادر، بیروت، 1998م۔
2- البیہقی، دلائل النبوۃ، 6/30 ناشر: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 2002م۔
3-الواقدی، المغازی، 3/1023 ناشر: دارلأ علم للملایین، بیروت، 1989م۔
4-ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، 4/187 ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔5-صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث 53 ناشر: دارطوق النجاۃ، ریاض، 2002م۔

سنہ 9ھ کے مظلومین کا پیغام

(دین کے لیے سب کچھ قربان کرنا ہی فلاح ہے)

جب ہم اسلامی تاریخ کے صفحات پر نظر دوڑاتے ہیں، خصوصاً سنہ 9ھ کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں، تو یہ سال ہمیں صرف فتوحات، وفود، اور سیاسی کامیابیوں کا باب نہیں دکھاتا، بلکہ اس سال کی تاریخ میں ایسے گمنام اور نیم گمنام چہرے بھی سامنے آتے ہیں، جنہوں نے دین اسلام کی خاطر فقر و فاقہ، سرد و گرم، تنقید و طعن، سماجی تنہائی، اور خاندانی ظلم جیسے امتحانات سے گزر کر ہمیں صبر، اخلاص، اور فدائیت کی وہ اعلیٰ مثالیں دی ہیں جو ہر دور کے اہلِ ایمان کے لیے مشعل راہ بن سکتی ہیں۔ سنہ 9ھ میں ایک طرف غزوہ تبوک کی کٹھن مہم تھی، تو دوسری طرف مسجد ضرار جیسی خفیہ فتنہ انگیزی۔ ایک طرف اہلِ

ایمان غربت میں بھی صدقہ کرنے پر طعن کا نشانہ بنے، تو دوسری طرف نومسلم قبائل اپنے سرداروں کی سختیوں کا شکار ہو کر نبی کریم ﷺ کی امان میں پناہ گزین ہوئے۔ تبوک میں حضرت ابوذرؓ تنہا سفر کرتے نظر آتے ہیں، تو حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے ساتھی ایمان داری کی قیمت چکاتے ہوئے سماجی بائیکاٹ جھیلتے ہیں۔ ہر واقعہ اس بات کی گواہی ہے کہ اسلام صرف زبان سے اقرار کا نام نہیں، بلکہ ایثار، قربانی اور استقامت کا عملی میدان ہے۔ سورہ توبہ کا نزول بھی اسی دور میں ہوا، جس میں منافقین کے طعن، جھوٹ، اور پیٹھ پیچھے وار کو بے نقاب کر کے مؤمنین کی عزت وصداقت کا اعلان کیا گیا۔ اہلِ ایمان کو بتایا گیا کہ غربت صدقے کا مانع نہیں، اور قافلۂ حق سے پیچھے رہنے والوں کو توبہ کے ذریعے عزت ملتی ہے، بشرطیکہ وہ سچ بولنے کی ہمت رکھتے ہوں۔ نومسلمین جیسے حضرت عدی بن حاتمؓ، حضرت ضمام بن ثعلبہؓ اور حضرت قبیصہؓ کی داستانیں ہمیں یہ سبق دیتی ہیں کہ قبائلی جبر، خاندانی طعن، وراثت سے محرومی، اور سماجی تنہائی جیسی آزمائشیں اسلام کی راہ میں معمولی قیمت ہیں۔ مگر ان مظلومین نے ان سب تکالیف کو دین کی صداقت اور نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ کریمہ کے مقابل کچھ نہ سمجھا، اور اسلام کو گلے لگایا۔ اسی طرح عام الوفود کے مظلوم قبائل جنہیں ان کے سرداروں نے حق سے روکا، یا جنہوں نے خفیہ طریقوں سے دین قبول کیا انہوں نے ہمیں سکھایا کہ اگر ظالم با اختیار ہو اور تم کمزور، تب بھی حق کی آواز پر لبیک کہنا ہی اصل مردانگی ہے۔ اسلام کی تاریخ میں مظلومین کے مقام ومرتبہ کو بلند کرنے والی تعلیمات کی بنیاد خود قرآن اور سیرتِ رسول ﷺ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس

شخص کو جس پر ظلم ہوا، بے توقیری کی گئی، یا سماج نے اس کو کنارے لگا دیا اسے عزت بخشی، قیادت دی، اور اُس کی قربانی کو امت کے لیے مثال بنایا۔

آج کا پیغام

اگر سنہ 9ھ کے مظلومین ہمارے سامنے ہوتے، تو وہ یہی کہتے: ہم نے سب کچھ چھوڑ دیا مال، قبیلہ، آرام، عزت، مگر دین نہ چھوڑا۔ تم بھی اگر حق پر ہو، تو صبر اور قربانی سے پیچھے نہ ہٹو۔ کیونکہ مظلوم ہونا عار نہیں، حق پر ثابت قدم رہنا ہی عزت ہے۔ یہ باب ہمیں اس نتیجہ تک پہنچاتا ہے کہ دینِ اسلام کی راہ میں مظلومیت، قربانی، تنہائی، غربت اور طعن کبھی رکاوٹ نہیں بنے، بلکہ یہی فلاح کے دروازے ہیں۔ نجات انہیں کے لیے ہے جو دین کے لیے سب کچھ قربان کر سکتے ہیں، حتیٰ کہ خود اپنی ذات بھی۔

مصادر و مراجع:

1-ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج4، ص187-192، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔ 2-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج 2، ص158، ناشر: دار المعارف، قاہرہ، مصر۔ 3-البیہقی، دلائل النبوۃ، ج5-6 ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2002ء۔ 4-صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک، ناشر: دار طوق النجاۃ، ریاض۔ 5-تفسیر ابن کثیر، سورہ توبہ، آیت 79 و170 و 118، ناشر: دار طیبہ، ریاض، 1999ء۔ 6-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد

البر، ج 2-3 ناشر: دار الجیل، بیروت، 1412ھ۔ 7-الواقدی، المغازی، ج3، ص1023 ناشر: دارالأ علم للملایین، بیروت، 1989ء۔

اسلامی سنہ 10ھ کے اہم واقعات اور مظلوم شخصیات

(نومسلم اہلِ یمن: قبولِ اسلام کے بعد قبائلی تعصب اور مظلومیت کی داستان)

اسلامی سنہ 10ھ کو تاریخ اسلام کے سنہری اور فیصلہ کن ادوار میں شمار کیا جاتا ہے، جب نبی کریم ﷺ کی دعوت، وحیِ الٰہی کی روشنی میں، جزیرۂ عرب کے گوشے گوشے تک پہنچ چکی تھی۔ اسی سال وفود کی آمد کا سلسلہ جاری رہا، جن میں سب سے نمایاں اور تاریخی وفد اہلِ یمن، خصوصاً وفدِ نجران کا تھا۔ ان وفود کے قبولِ اسلام کے بعد بلاشبہ اسلام کی دعوت نے جنوبی عرب میں راسخ بنیادیں حاصل کیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ کچھ مظلومانہ واقعات بھی منظرِ عام پر آئے، جن کا ذکر ہمارے مؤرخین نے بڑی دیانتداری سے محفوظ رکھا ہے۔ انہی واقعات کی روشنی میں یہ مقالہ مرتب کیا جا رہا ہے، تاکہ اسلام کی اُن مظلوم شخصیات کا تعارف ہو جو حق قبول کرنے کے باوجود جاہلی تعصب، قبائلی نخوت اور سرداری کے طوقِ غلامی کا نشانہ بنے۔

حضرت علیؓ کی یمن روانگی اور اس کی حکمت

نبی کریم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو یمن روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے

نومسلم قبائل کو شرعی احکام کی تعلیم دی جائے، عدل وقسط کا نظام رائج کیا جائے، اور بقیہ مشرکین کو دعوتِ توحید دی جائے۔ یمن اس وقت مختلف قبائل کا مجموعہ تھا، جیسے مذحج، ہمدان، کِندہ، حمیر، اور نجران کے مسیحی۔ ان میں سے بعض قبائل پہلے ہی اسلام لا چکے تھے، اور بعض ابھی مذاہبِ باطلہ پر قائم تھے۔ حضرت علیؓ کا بھیجا جانا محض ایک فقیہ یا معلم کی حیثیت سے نہ تھا، بلکہ بطور قاضی، داعی، اور نبی ﷺ کے نمائندہ خصوصی اُنہیں یمن کی فضا کو اسلامی عدل سے ہم آہنگ کرنا تھا۔ ابن ہشام نے واضح کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو تفصیلی ہدایات دے کر روانہ فرمایا تاکہ قبائلی نظام کے تحت مظلوم طبقات کو امن اور اسلامی برابری حاصل ہو سکے: **فبعث رسول الله ﷺ علی بن أبی طالب إلی الیمن قاضیاً و داعیاً و معلّماً، و أمره أن لا یقضی إلا بما أنزل الله** (السیرۃ النبویہ لابن ہشام، 228/4، دار إحیاء التراث العربی)

قبائلی سرداروں کا ردِعمل اور نومسلمین کی مظلومیت

یمن کے اکثر قبائل نے ابتدائی طور پر اسلام قبول تو کیا، لیکن ان کے سرداروں کے دل میں جاہلیت کا زہر باقی رہا۔ اسلام کی روح کے مطابق سب انسان برابر ہیں، کسی کو نسب، مال یا طاقت کی بنیاد پر فضیلت حاصل نہیں۔ یہ تعلیم ان سرداروں کو سخت ناگوار گزری، جنہوں نے اسلام کو محض سیاسی مفاد یا وقتی مجبوری کے تحت قبول کیا تھا۔ جیسے ہی حضرت علیؓ نے اسلامی تعلیمات کو عملی سطح پر نافذ کرنے کی کوشش کی، سرداروں نے مزاحمت شروع کی، اور ان مزاحمتوں کا پہلا نشانہ وہی نومسلم

عوام بنے جنہوں نے خلوص سے اسلام قبول کیا تھا۔ابن جریر طبری نے واضح کیا کہ بنو مذحج، ہمدان، اور کندہ کے بعض نومسلم قبائل کو ان کے سرداروں نے اسلام ترک کرنے پر مجبور کیا، بعض کو اجتماعی مقاطعہ کا سامنا کرنا پڑا، اور بعض کو زدوکوب کیا گیا: **فارتدت بعض قبائل مذحج و كنده بعد أن أسلموا، فأرسل النبي ﷺ عليا بكتبه يأمر بإقامة الحكم ورد ع الظلمة، وأظهر بعض زعماء مذحج عداء على من أسلم من قومهم** (تاریخ الامم والملوک للطبری، 2/170، دار المعارف) یہ صورتِ حال اس قدر نازک تھی کہ کئی جگہوں پر حضرت علیؓ نے بنفس نفیس ان مظلوموں کی دادرسی کی، ان کے حقوق کی بحالی کی کوشش کی، اور بغاوت پر آمادہ قبائلی سرداروں کو نبی ﷺ کے احکام کی سختی سے تعمیل کا حکم سنایا۔ان اقدامات کی بدولت اگرچہ وقتی طور پر حالات سنبھلے، مگر مقامی ظلم وتعصب نے کئی نومسلمین کی زندگی اجیرن بنادی۔

ظالم: مقامی قبائلی سردار اور جاہلی نظام کے محافظ

تاریخ کی روشنی میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ جن قبائل نے اسلام کو دل سے قبول کیا، ان کے خلاف سخت ردعمل ان کے اپنے ہی قبائلی سرداروں کی جانب سے آیا۔ان سرداروں نے جاہلی رسم ورواج، طبقاتی سرداری اور نسلی تفاخر کے نظام کو بچانے کی کوشش کی۔اسلام کا مساوات پر مبنی پیغام ان کے لیے خطرہ تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی قوت، دبدبہ اور اثر ورسوخ کے ذریعے اسلام کو عام ہونے سے روکنے کی سازشیں کیں۔ان میں بعض افراد نے بغاوت تک کا راستہ اختیار کیا، جیسے اسود عنسی،

جس نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا اور یمن میں فساد برپا کیا۔ وہ اگرچہ بعد میں قتل کیا گیا، مگر اس کی تحریک کو ابتدائی حمایت انہی جاہلی سرداروں سے حاصل ہوئی تھی جو اسلام کی روح کو تسلیم کرنے سے انکاری تھے۔

مظلوم: نومسلم عوام، خصوصاً بنو مذحج، ہمدان اور کندہ

قبائل بنو مذحج، ہمدان، اور کندہ میں بہت سے افراد نے بغیر کسی سیاسی مفاد کے اسلام قبول کیا، محض اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کی بنیاد پر۔ یہ وہ مخلص افراد تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کو قبول کیا، حضرت علیؓ سے علم دین سیکھا، اور اپنی زندگیوں میں شریعت کا نفاذ کیا۔ مگر ان کی راہ میں ان کے اپنے ہی خاندان، برادری اور قبیلے کی دیواریں کھڑی کی گئیں۔ مؤرخین نے ان نومسلمین کی مظلومیت کے کئی واقعات محفوظ کیے ہیں۔ ان میں سے بعض کو اپنے گھروں سے نکال دیا گیا، بعض کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دی گئیں، اور کئی نے جنگ کی حالت میں رہتے ہوئے بھی اسلام کو نہیں چھوڑا۔ ان کی قربانی، صبر اور ثباتِ قدم دراصل اس ایمان کی گواہی تھی جسے انہوں نے نبی آخرالزمان ﷺ کے ہاتھ پر اختیار کیا تھا۔

اختتامی تاثر

اسلام کی تاریخ صرف فتوحات و کامیابیوں کا نام نہیں، بلکہ ان مظلوم انسانوں کی قربانیوں کی داستان بھی ہے جنہوں نے توحید کا علم بلند کرنے کے جرم میں

ظلم برداشت کیا۔اسلامی سنہ ۱۰ھ کی یہ داستان اس بات کی شاہد ہے کہ اہلِ یمن کے سچے اور خالص نومسلمین نے جاہلیت کے بندھنوں کو توڑ کر، حق کو سینے سے لگایا، اور مظلومیت کے باوجود ایمان پر استقامت کا مظاہرہ کیا۔تاریخ کے صفحات میں ان کے صبر، قربانی اور وفاداری کو سنہرے حروف میں رقم کرنا عین عدل ہے۔

مراجع ومصادر:

1-ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج 4، ص 228، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔ 2-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص170، دار المعارف، مصر۔3-ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج5، ص88، دار الفکر، بیروت۔4-البلاذری، فتوح البلدان، ص345، دار ومطبعۃ العلمیۃ، بیروت۔

قبائلِ حضرموت وکندہ

(سیاسی اسلام، سماجی طعن ومحرومیوں کی ایک مظلوم داستان)

اسلام کے سنہری عہد، خصوصاً سنہ ۱۰ ہجری میں، جب جزیرۃ العرب کے بیشتر علاقوں سے وفود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے، ان میں ایک قابلِ توجہ وفد حضرموت اور کندہ کے قبائل پر مشتمل تھا۔اس وفد کی اہمیت اس لیے دوچند ہے کہ ان قبائل میں اسلام ایک ایسے ماحول میں داخل ہوا جہاں قبائلی سرداری، نسلی تفاخر اور قبائلی

سیاست کی جڑیں گہری تھیں، اور قبولِ اسلام کا فیصلہ محض دینی یا روحانی بنیاد پر نہیں، بلکہ کئی مرتبہ سیاسی مصلحت یا مجبوری کے تحت کیا جاتا تھا۔ ایسے ماحول میں وہ افراد جو خلوصِ نیت سے اسلام لائے، قبائلی نظام کے عتاب کا شکار ہوئے۔ یہی وہ مظلومین تھے جن کا تذکرہ نہ صرف تاریخ کا ایک سچا ورق ہے بلکہ ہماری دینی و علمی روایت کا ایک پرنور حوالہ بھی ہے۔ قیس بن نمط کا مشورہ: ایمان لاؤ، ورنہ خون بہے گا جب وفد کندہ وحضرموت مدینہ منورہ حاضر ہوا تو اس وفد میں کئی ممتاز افراد شامل تھے، جنہوں نے قبائلی سطح پر اسلام قبول کیا، مگر ان میں سے بعض کا اسلام محض ایک وقتی اطاعت یا سیاسی حکمتِ عملی کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ قیس بن نمط، جو کہ وفد کندہ کا ایک فہیم اور موقع شناس فرد تھا، حالات کو دیکھ کر اپنے سرداروں کو خبردار کرتا ہے کہ: **أسلموا، فوالله إن لم تفعلوا لتسفكن دماؤكم وتسلبن أموالكم** (دلائل النبوۃ للبیہقی، 6/112، دارالکتب العلمیۃ)، (اسلام لے آؤ، بخدا اگر ایسا نہ کیا تو تمہارے خون بہائے جائیں گے اور تمہارے اموال چھینے جائیں گے۔ یہ قول گویا ایک آئینہ تھا جس میں ان قبائل کے داخلی خوف، اضطراب اور اضطراری اسلام کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ قیس کا یہ مشورہ کوئی روحانی دعوت نہ تھی، بلکہ سیاسی نزاکت کا اظہار تھا، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بعض سردار اسلام کو اس وقت محض تحفظِ جان و مال کے لیے قبول کر رہے تھے)۔

سرداروں کی ظاہری بیعت، دلوں کا انکار

واقدی نے ذکر کیا ہے کہ جب کندہ اور حضرموت کے وفود نے مدینہ میں

ظاہری بیعت کی، تو نبی کریم ﷺ نے ان کے قبولِ اسلام کو حسنِ ظن پر محمول فرمایا، مگر واپسی پر یہ دیکھا گیا کہ ان میں سے کئی سرداروں نے دل سے اسلام کو تسلیم نہ کیا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی وہ اپنے علاقوں کو لوٹے، اُنہوں نے نہ صرف اسلام کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈالا بلکہ اپنے قبیلوں میں اُن افراد پر ظلم شروع کیا جنہوں نے صدقِ دل سے اسلام قبول کیا تھا۔ ان سرداروں کی ظاہری بیعت ایک سطحی مفاہمت تھی، جس کا مقصد محض وقتی امن اور سیاسی فوائد حاصل کرنا تھا، نہ کہ دل و جان سے حق کو قبول کرنا۔ یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی مخلص مسلمانوں نے نماز، زکوۃ اور توحید جیسے احکام پر عمل شروع کیا، وہ قبائلی سرداروں کی ناراضی اور غضب کا نشانہ بنے۔

مظلومین: وہ طبقہ جو ایمان لایا مگر قبیلہ سے نکال دیا گیا

وہ نومسلم افراد جو ایمان لائے، قبیلے کی مخالفت کے باوجود شرعی فرائض پر کاربند رہے، ان کی حالت نہایت مظلومانہ ہوگئی۔ انہیں سماجی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا، بعض کو قبیلہ سے خارج کر دیا گیا، اور بعض کو مرتدین قرار دے کر قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ ان مظلومین میں وہ لوگ شامل تھے جو نبی اکرم ﷺ سے مل کر ایمان لائے تھے، اور جنہوں نے اسلام کو صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل سے قبول کیا تھا۔ مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ کندہ وحضرموت کے ان سادہ دل نومسلموں نے قبیلے کی لعنت، سماجی طعن وتشنیع، اور مال واسباب سے محرومی کو برداشت کیا مگر دینِ حق پر ثابت قدم رہے: **فارتدّ بعض زعماء كنده بعد رجوعهم من المدينة، وأقام بعضهم**

علی الإسلام، فطُردوا من دیارھم، وحرّم علیھم الماء والمرعی، وعوملوا کالعبید (المغازی للواقدی، 1085/3، دارالأعلم، بیروت)۔(وفد کے مدینہ سے واپسی کے بعد کندہ کے بعض سردار مرتد ہو گئے، مگر بعض مسلمان ایمان پر قائم رہے، تو انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا، پانی اور چراگاہ ان پر حرام کر دی گئی، اور انہیں غلاموں کی مانند سلوک کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مظلوم مسلمان تاریخِ اسلام کے ان گمنام سپاہیوں میں سے ہیں جنہوں نے دین کو قبیلے پر ترجیح دی، اور ایمان کو دنیاوی آرام وچین پر مقدم جانا۔ ان کی قربانیوں کو سیرت وتاریخ کی کتابوں نے محفوظ رکھا ہے، مگر امت کو ان کے مقام کو تسلیم کرنے اور ان کی جدوجہد سے سبق لینے کی ضرورت ہے)۔

اختتامی تاثر

اسلام ایک ایسا دین ہے جو صدق، عدل، اور تقویٰ پر مبنی قبولیت کو تسلیم کرتا ہے۔ کندہ وحضرموت کے وہ نومسلم افراد جو خالص نیت سے ایمان لائے، قبائلی جبر واستبداد کا شکار بنے، تاریخ کے ان مظلوم کرداروں میں سے ہیں جنہیں فراموش کر دینا ناانصافی ہوگی۔ ان کی مظلومیت ہمارے لیے اس بات کا پیغام ہے کہ دین کے راستے میں اگرچہ ابتلاء اور محرومیاں آئیں، مگر صبر وثبات کے ساتھ ڈٹے رہنے والے ہی درحقیقت دین کے سچے پیروکار ہوتے ہیں۔

مراجع ومصادر:

1- البیھقی، دلائل النبوۃ، ج6، ص112، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

2-الواقدی، المغازی، ج 3، ص 1085، دار الأعلم، بیروت۔ 3-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 1، ص 326، دار صادر، بیروت۔ 4-البلاذری، فتوح البلدان، ص 349، دار ومطبعۃ العلمیۃ، بیروت۔

مسیلمہ کذاب کا دعویٔ نبوت اور یمامہ میں اہلِ ایمان پر ظلم کی خونچکاں تاریخ

اسلام کی تاریخ میں سنہ ۱۰ ہجری کا سال عام الوفود کہلاتا ہے، کیونکہ اس سال اطرافِ عرب سے مختلف قبائل کے وفود بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور سعادتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ انہی وفود میں ایک اہم مگر افسوسناک باب کا حامل وفد بنو حنیفہ کا وفد تھا، جو یمامہ کے علاقے سے مدینہ منورہ آیا۔ اس وفد کے ساتھ مسیلمہ بن ثمامہ، المعروف ب الکذاب بھی شریک تھا۔ اگرچہ اس نے بھی دیگر افراد کی طرح ظاہری طور پر بیعت کی کوشش کی، مگر اس کا باطن عناد، تکبر اور دنیا پرستی سے لبریز تھا۔ مسیلمہ کی شخصیت اور اس کے دعویٰ نبوت کے پیچھے جو محرکات کارفرما تھے، ان کا تعلق صرف مذہبی انحراف سے نہیں بلکہ سیاسی عزائم، قبائلی تفاخر اور حبِّ ریاست واقتدار سے تھا۔ اس فتنہ کے نتیجے میں یمامہ کا خطہ، جو اس سے قبل ایمان وطہارت کا گہوارہ بن چکا تھا، ظلم واستبداد، ارتداد اور مسلمین کی مظلومیت کا منظر نامہ بن گیا۔

وفد بنی حنیفہ کی مدینہ آمد اور مسیلمہ کی موجودگی

وفد بنی حنیفہ کی آمد نبی کریم ﷺ کے ان ایّام میں ہوئی جب عرب کے متعدد قبائل اسلام کے نور سے منور ہو چکے تھے۔ابن سعد بیان کرتے ہیں:**قدم مسیلمة فی وفد بنی حنیفة علی رسول الله ﷺ، فنزلوا فی المسجد، فلما دخلوا علیه تکلموا و أظهروا الإسلام** (الطبقات الکبری،ابن سعد،1/582، دارصادر)،(مسیلمہ بن ثمامہ وفد بنوحنیفہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا،انہوں نے مسجد نبوی میں قیام کیا اور بظاہر اسلام کا اظہار کیا۔وفد کی عام کیفیت تو وہی تھی جو دیگر وفود کی ہوتی،مگر مسیلمہ نے خاص طور پر نبی کریم ﷺ سے خلوت میں بات کرنے کی کوشش کی اور اعلانیہ مطالبہ کیا کہ:**إن جعل لی محمد الأمر من بعده تبعته** (یعنی:اگر محمد ﷺ اپنے بعد حکومت مجھے دے دیں،تو میں ان کی پیروی کروں گا)

نبی کریم ﷺ کا انکار اور مسیلمہ کا غضب

نبی کریم ﷺ نے نہایت حکیمانہ انداز میں اس فتنہ کو آغاز میں ہی پہچان لیا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اس کی خواہش کو رد فرمایا بلکہ صحابہؓ کے مجمع میں اعلان کیا کہ: **لئن سألتنی هذا العود لم أعطک إیاه، و إنک لأنت الذی أریت فیه ما رأیت** (تاریخ الطبری،2/471،دارالمعارف)،(اگر تو مجھ سے یہ سوکھی لکڑی بھی مانگے گا،تو

میں تجھے نہ دوں گا۔ بے شک تو وہی ہے جس کے متعلق مجھے (خواب میں) وہ دکھایا گیا جو میں نے دیکھا تھا۔اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اسے الکذاب (جھوٹا) کا لقب دیا، جیسا کہ بعد میں مسلمانوں کی روایت میں مشہور ہوا: مسیلمہ الکذاب۔ مسیلمہ نے اس انکار کو دل پر لیا، اور مدینہ سے واپسی کے بعد اس کے دل میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ پختہ ہو چکا تھا۔اس نے یمامہ میں باقاعدہ اعلان کیا کہ اسے بھی نبوت دی گئی ہے، اور اس نے قرآن کی مشابہت میں جھوٹے کلام گھڑنے شروع کر دیے۔

ارتداد کے بعد ظلم و بربریت کا آغاز

بنوحنیفہ کا علاقہ، جو یمامہ کے نام سے مشہور تھا، ایک زرخیز اور بااثر خطہ تھا۔ مسیلمہ نے اپنی نبوت کے اعلان کے ساتھ ہی وہاں کے سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنا شروع کیا۔جنہوں نے انکار کیا، ان پر زمین تنگ کر دی گئی۔انہیں قبیلے سے نکالا گیا، ان کے مال لوٹے گئے، اور کئی کو قتل کر دیا گیا۔مرتد سرداروں نے مخلص مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔طبری اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے: **فآمن معه خلقٌ كثير من بني حنيفة، وارتد بعضهم، فبدأ مسيلمة يقتل من يخالفه، ويسجنهم، ويمنعهم من الصلاة** (تاریخ الطبری، 2/471، دارالمعارف)، (بنوحنیفہ کے کئی لوگ مسیلمہ کے ساتھ ہو گئے، بعض نے انکار کیا، تو مسیلمہ نے ان پر ظلم شروع کیا، انہیں قتل کیا، قید کیا، اور نماز پڑھنے سے روکا۔

مظلومین: اہلِ ایمان بنوحنیفہ اور شہداء یمامہ

مسیلمہ کے اس جھوٹے دعوے کے خلاف جو لوگ ایمان پر ثابت قدم رہے، وہ شدید ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ ان میں بنوحنیفہ کے وہ سچے مسلمان شامل تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور دل سے اسلام کو قبول کیا تھا۔ ان افراد کو قبیلہ سے نکال دیا گیا، بعض کو بھوکا پیاسا رکھا گیا، اور کئی کو زبردستی مرتد بنانے کی کوشش کی گئی۔ یہ ظلم اس وقت انتہا کو پہنچا جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں مسیلمہ کے خلاف جہاد کا اعلان ہوا، اور یمامہ کی جنگ میں ہزاروں صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ اور قراء شہید ہوئے۔ جنگِ یمامہ میں خاص طور پر صحابہ کے قاری، حافظ، اور فقہا نے جان قربان کی، تاکہ فتنۂ کذاب کا سدباب ہو سکے۔ شہدائے یمامہ کی فہرست تاریخِ اسلام کا وہ درخشندہ باب ہے جس میں مظلومینِ یمامہ کے خون سے حق کی شمع روشن ہوئی۔

ابن سعد بیان کرتے ہیں: **وكانت وقعة اليمامة من أعظم الوقائع، واستشهد فيها زهاء سبعين من قراء الصحابة** (الطبقات، 1/582، دار صادر)

اختتامی تاثر

فتنۂ مسیلمہ دراصل صرف ایک جھوٹے مدعیٔ نبوت کی داستان نہیں، بلکہ اس کے خلاف ڈٹ جانے والے مخلص مؤمنین کی مظلومیت اور قربانی کی عظیم مثال بھی ہے۔ اہلِ یمامہ، خصوصاً بنوحنیفہ کے وہ ایمان والے جو سیاسی جبر، قبائلی دباؤ، اور جھوٹی

نبوت کی دعوت کو ٹھکرا کر دینِ محمدی پر ثابت قدم رہے، تاریخِ اسلام کے وہ چراغ ہیں جن کی روشنی آج بھی ہدایت کا مینار ہے۔

مراجع ومصادر:

1-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج1، ص285، دار صادر، بیروت۔
2-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج2، ص174، دار المعارف، مصر۔3-ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج6، ص300، دار الفکر، بیروت۔4-البلاذری، فتوح البلدان، ص355، دار ومطبعۃ العلمیۃ، بیروت۔

قبائلی جبر کے مقابل حضرت عدی بن حاتمؓ کا انفرادی جہاد

(رہنمائے حق کی مظلومیت اور استقامت)

اسلام کی تاریخ درحقیقت اُن افراد کی قربانیوں، صبر، استقامت اور مظلومیت سے عبارت ہے جنہوں نے حق کو پہچانا، اسے قبول کیا، پھر اپنے ایمان کی قیمت سرداری، مال، عزت، یہاں تک کہ زندگی سے ادا کی۔ان ہی مخلصوں میں حضرت عدی بن حاتمؓ کا نام سرفہرست ہے۔ وہ نہ صرف قبیلہ طے کے سردار تھے بلکہ اپنے والد حاتم طائی کی فیاضی اور اخلاقی شہرت کے وارث بھی تھے۔مگر جب انہوں نے اسلام قبول کیا، تو انہیں جس طرح اپنے ہی قبیلہ کی مخالفت، معاشرتی مقاطعہ اور سرداری سے محرومی

کا سامنا کرنا پڑا، وہ ایک دل سوز مگر ایمان افروز داستان ہے۔ یہ مقالہ ان کے انفرادی جہاد، مظلومانہ مقام، اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی تائید سے عزت کی بحالی کا آئینہ دار ہے، اور اسلام کے اُس پہلو کو اجاگر کرتا ہے جہاں حق کی راہ پر چلنے والوں کو اپنے ہی سماج میں طعن وتنقید، انکار واستہزاء، اور مخالفت ومحرومی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت عدیؓ کا اسلام لانا: ایک باوقار سردار کا باطنی انقلاب

حضرت عدی بن حاتمؓ سردارِ طے ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے قبیلے میں نہایت باعزت، محترم، اور فہیم شخصیت کے حامل تھے۔ وہ شروع میں نصرانیت کی طرف مائل تھے اور اس مذہب کی قیادت کے ایک رکن بھی رہے۔ جب نبی کریم ﷺ کی دعوت اسلام جزیرۂ عرب میں پھیلنے لگی، تو حضرت عدیؓ کو بھی اسلام کی حقیقت تک پہنچنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ وہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی زبانِ صدق مقال سے حق کی روشنی حاصل کی۔ امام بیہقی نے ان کے قبول اسلام کا واقعہ تفصیل سے نقل کیا ہے: **فخرج عديّ إلى المدينة حتى قدم على رسول الله ﷺ، فدعاه إلى الإسلام، فأسلم، وحسن إسلامه، وولّاه النبي ﷺ صدقات طيء** (دلائل النبوۃ بیہقی، 6/92، دار الکتب العلمیۃ)، (عدی مدینہ آئے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، وہ ایمان لائے، ان کا اسلام اچھا ہوا، اور نبی کریم ﷺ نے ان کو قبیلہ طے کی صدقات کا نگران مقرر فرمایا۔ یہ واقعہ اس حقیقت کی دلیل ہے کہ حضرت عدیؓ نے شعوری اور خالص نیت سے اسلام کو قبول کیا، اور صرف ایمان

نہیں لائے، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حکومتی وانتظامی اعتماد بھی حاصل کیا۔

قبیلہ طے کی مخالفت اور سرداری کا سلب

حضرت عدیؓ کا اسلام لانا ان کے قبیلہ کے لیے حیرت انگیز اور ناقابلِ برداشت خبر تھی۔ ایک ایسا شخص جسے وہ نہ صرف سردار، بلکہ دینی ونسلی ترجمان مانتے تھے، اب ایک نئے دین کا پیروکار بن چکا تھا۔ قبیلہ طے کے اکثر افراد ابھی تک اسلام سے دور تھے، اور ان کے دل میں جاہلی خود پسندی اور نسلی تفاخر باقی تھا۔ انہوں نے حضرت عدیؓ کے اسلام کو سرداری سے خیانت سمجھا، اور نتیجۃً انہیں قبیلہ سے معزول کر دیا گیا۔ ان کی بات مانی جانا بند ہوگئی، انہیں معاشرتی معاملات میں شامل نہ کیا جاتا، اور ان پر سرد نگاہیں ڈالنے لگے۔ ابن عبدالبر روایت کرتے ہیں: **فلما رجع عدیّ إلی قومه وجدهم علی الجاهلية، فلم يقبلوا أمره، وقالوا: فارقت دين آبائک، وأفسدت علينا مكانتنا** (الاستیعاب، 2/925، دارالجیل، بیروت)، (جب عدیؓ اپنے قبیلہ میں لوٹے تو انہوں نے انہیں جاہلیت پر پایا، قوم نے ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا، اور کہا: تم نے اپنے آباء کا دین چھوڑ دیا اور ہماری حیثیت کو بگاڑ دیا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب ایک مخلص مؤمن کو اپنے ہی قبیلہ میں غریب، تنہا، اور محروم بنا دیا گیا، مگر ایمان کا جو نور حضرت عدیؓ کے دل میں داخل ہو چکا تھا، اس نے اُنہیں ڈگمگانے نہ دیا۔

مظلومیت کے باوجود قیادت کی بحالی

حضرت عدیؓ نے قبیلہ طے میں تبلیغ اور نرم رویہ کے ذریعے دعوت دین

جاری رکھی۔ وہ نہ اشتعال میں آئے، نہ قبیلہ سے انتقام لیا، بلکہ صبر، حکمت، اور عفو ودرگزر کے ساتھ اپنا انفرادی جہاد جاری رکھا۔ حتیٰ کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا اور ارتداد کی لہر عرب میں اٹھنے لگی، تو حضرت عدیؓ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے اپنے قبیلہ کو ارتداد سے بچایا، اسلام پر قائم رکھا، اور دین کے سچے خادم بنے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی ان کی خدمات کو سراہا، اور ان کے ذریعے قبیلہ طے کو ازسرِ نو اسلامی نظام کا حصہ بنایا گیا۔ ان کی قیادت بحال ہوئی، اور انہوں نے بعد کے ادوار میں اسلامی فتوحات میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان کا شمار اُن مظلوم صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے قبائلی مخالفت اور سماجی مقاطعہ کے باوجود ایمان پر استقامت اختیار کی، اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و دین دونوں میں عزت عطا فرمائی۔

اختتامی تاثر

حضرت عدی بن حاتمؓ کی داستانِ ایمان اور مظلومیت درحقیقت اسلام کی اس زریں روایت کا حصہ ہے جس میں صبر، ثابت قدمی، حکمت اور صدقِ نیت کا اعلیٰ مظاہرہ موجود ہے۔ ان کا انفرادی جہاد، قبیلہ طے کے جبر کے مقابل، ہمارے لیے نہ صرف ایک عبرت کا مقام ہے، بلکہ رہنمائی کا مینار بھی۔ آج کے دور میں، جب حق کے متبعین کو معاشرتی یا قبائلی رکاوٹوں کا سامنا ہو، حضرت عدیؓ کا طرزِ عمل ان کے لیے ایک ابدی مشعلِ راہ ہے۔

مراجع ومصادر:

1-البیہقی، دلائل النبوۃ، ج 6، ص 2 9، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
2-ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج2، ص529، دار الجیل، بیروت۔
3-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج5، ص380، دار صادر، بیروت۔ 4-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص180، دار المعارف، مصر۔

اسلامی عدل ورواداری کے سائے میں اہلِ کتاب کی مذہبی آزادی

(عہدِ نجران کے بعد کی سماجی حقیقت)

اسلامی معاشرہ، اپنی فطرت میں، عدل، رواداری، اور مذہبی آزادی کا ایسا جامع نمونہ ہے جس میں اکثریت واقلیت کے حقوق نہ صرف زبانی اعلانات تک محدود نہیں بلکہ فقہی، عملی اور سماجی بنیادوں پر قائم کیے گئے ہیں۔ اس کی بہترین مثال نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہمیں اُس وقت دکھائی دیتی ہے جب اہلِ کتاب، خصوصاً نصاریٰ نجران، اسلامی ریاست سے معاہدۂ امن کے تحت جزیہ کے بدلے میں شہری تحفظ کے حقدار قرار دیے گئے۔ سنہ 10 ہجری میں نجران کے نصاریٰ کا وفد بارگاہِ

رسالت میں حاضر ہوا۔ یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں مذہبی مکالمے، آئینی مساوات، اور اقلیتی حقوق کی بنیاد بن گیا۔ مگر اس عہد کے بعد بعض قبائل و افراد نے ان اہلِ کتاب کے خلاف غیر منصفانہ رویہ اپنایا، حتیٰ کہ بعض اہلِ ایمان پر بھی طعن و تشنیع کی گئی۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ نے جس عدل و انصاف، تدبر و حکمت، اور سماجی توازن کے ساتھ مظلوموں کو تحفظ فراہم کیا، وہ تاریخِ عدلِ انسانی کا نادر باب ہے۔

عہدِ نجران: مذہبی آزادی اور جزیہ کی حکمت

جب نجران کے مسیحی قبائل نے مدینہ منورہ آ کر نبی کریم ﷺ کے ساتھ مذاکرہ کیا، تو ان کے عقائد پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ باوجود اس کے کہ وہ تثلیث کے عقیدہ پر قائم تھے، نبی کریم ﷺ نے ان سے معاہدۂ امن فرمایا، جس میں انہیں جان، مال، مذہب اور عبادات کی مکمل آزادی دی گئی۔ اس معاہدے کا بنیادی ستون جزیہ تھا، جس کے بدلے میں اہلِ کتاب اسلامی ریاست کے شہری بن گئے اور ان کی عبادات، گرجے، اور مذہبی آزادی کا تحفظ ریاستی ذمہ داری قرار پایا۔ امام قرطبی اس مقام پر سورۃ التوبہ کی آیت 29 کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”**حَتّٰى يُعطُوا الجِزيَةَ عَن يَدٍ وَهُم صاغِرونَ**“ أي: **حتى يعطوا مالاً مقروناً بالانقياد لحكم الإسلام، ويكون ذلك ضماناً لأمنهم وحفظهم في ديارهم ودينهم**“ (تفسیر القرطبی، تحت الآیۃ: التوبۃ، 92:9، دار الکتب العلمیۃ)، (یعنی وہ جزیہ ادا کریں اطاعت کے ساتھ، اور یہی ان کے جان و مال اور دین و عبادت کی حفاظت کا ضامن ہوگا۔ یہ حقیقت بتاتی

ہے کہ جزیہ اہلِ کتاب کی تحقیر نہیں بلکہ ان کے جان و مال اور مذہبی شناخت کا تحفظ تھا، اور یہ وہی اصول تھا جو آج کے سوشل کانٹریکٹ یا سٹیٹ سیٹیزن شپ کے بنیادی ضوابط میں شامل ہوتا ہے)۔

بعض قبائل کی طرف سے اہلِ ایمان پر طعن

اس معاہدہ کے بعد اگرچہ عمومی طور پر اہلِ نجران کو تحفظ حاصل ہوا، مگر کچھ جاہل یا جاہلی رجحانات رکھنے والے قبائل نے اہلِ ایمان پر طعن کرنا شروع کیا، کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اہلِ کتاب، جن کا عقیدہ اسلام کے مطابق باطل ہے، انہیں امن وامان، اور مذہبی آزادی حاصل ہو؟ بعض منافقین نے یہ اعتراضات مسلمانوں میں پھیلانے شروع کیے کہ یہود و نصاریٰ کو جزیہ لے کر چھوڑ دینا، دینِ محمدی کی کمزوری ہے۔ یہ وہ موقع تھا جہاں اہلِ ایمان کی فکری، سماجی اور اعتقادی مظلومیت سامنے آئی۔ جن صحابہ نے نجران کے مسیحیوں سے حسن سلوک کیا، ان پر اعتراض کیا گیا، ان پر دین سے نرمی، یا کمزوری کا الزام لگایا گیا، حالانکہ وہ عین شریعت کے حکم پر عمل پیرا تھے۔ ابن سعد نے اس ضمن میں ایک اہم اشارہ دیا: **فلمّا كُتب الكتاب بين رسول الله ﷺ وأهل نجران، قال بعض الناس: يُعاملون كما المسلمين؟ فغضب النبي ﷺ وقال: من آذى معاهَداً فقد آذاني** (الطبقات، ابن سعد، 1/653، دار صادر)، (جب نبی کریم ﷺ اور اہل نجران کے درمیان معاہدہ تحریر ہوا، تو بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ کیا یہ مسلمانوں جیسے سلوک کے حقدار

ہوں گے؟ نبی ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا: جس نے کسی معاہد (ذمی) کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی)۔ یہ حدیث رسول ﷺ اس وقت کے اہلِ ایمان کے لیے تسکینِ قلب بھی تھی اور شرعی دلیل بھی، کہ مذہبی رواداری اسلام کا جزوِ لاینفک ہے۔ نبی کریم ﷺ کا عدل، اور مظلومین کا تحفظ نبی کریم ﷺ نے نہ صرف زبان سے بلکہ عملاً اہلِ کتاب کو تحفظ فراہم کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے معابد کے انہدام سے منع فرمایا، انہیں زبردستی اسلام میں داخل نہ کیا، اور یہاں تک فرمایا: **لهم ما لنا، وعليهم ما علينا** (ان کے وہی حقوق ہیں جو ہمارے ہیں، اور ان پر وہی ذمہ داریاں ہیں جو ہم پر ہیں۔) یہ وہ حقیقی عدل ہے جس کی مثال اقوامِ عالم کی تاریخ میں شاید ہی ملتی ہو۔ نبی کریم ﷺ نے ایمان والوں کو تسلی دی، اور اہلِ کتاب کو ظلم و زیادتی سے بچایا۔ یہی سبب ہے کہ نجران کے نصاریٰ نے اسلام کے ابتدائی دور میں امن وسکون کے ساتھ اپنے مذہب پر قائم رہ کر اسلامی ریاست کے شہری بنے رہے۔

اختتامی تاثر

سنہ 10 ہجری میں وفدِ نجران اور اس کے بعد کے سماجی حالات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اسلام نہ صرف مذہبی رواداری کا داعی ہے، بلکہ وہ مظلوموں، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں، کے لیے بھی پناہ گاہ ہے۔ جو اہلِ ایمان اس عدل کے نفاذ میں شریک تھے، اور جنہیں مخالف قبائل یا افراد نے طعن و ملامت کا نشانہ بنایا، وہ دراصل اس کتاب کے وہ مظلوم کردار ہیں جنہوں نے اسلامی عدل کے قیام کے لیے

اپنے سماجی وقار، اور بعض اوقات اپنی جان کی قربانی دی۔ ایسے ہی افراد اسلام کی حقیقی روح کے محافظ اور مظلوم شہداء عدل کہلانے کے مستحق ہیں۔

مراجع ومصادر:

1-القرطبی، تفسیر الجامع لأحکام القرآن، سورۃ التوبہ: آیت 29، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 2-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 1، ص 356، دار صادر، بیروت۔ 3-ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج4، ص267، دار إحیاء التراث العربی۔ 4-البلاذری، فتوح البلدان، ص439، دار ومطبعۃ العلمیۃ، بیروت۔

ایمان کی قیمت

(عربِ مشرق کے نومسلم قبائل پر ظلم وستم کی آزمائشیں)

اسلام ایک ایسا دین ہے جو فطرت، عقل، عدل اور ہدایت کا حامل ہے، مگر اس کے ابتدائی پیروکاروں کو جن آزمائشوں سے گزرنا پڑا، وہ محض اعتقادی تبدیلیوں کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی دباؤ کی پیداوار بھی تھے۔ سنہ 10ھ میں جب مشرقی عرب کے قبائل، خصوصاً یمن، عمان، اور بحرین میں اسلام کا نور پھیلنا شروع ہوا، تو وہاں کے نومسلم افراد وامراء کو شدید نوعیت کی مخالفت، ظلم، اور جبر کا سامنا کرنا پڑا۔ ان خطوں میں مجوس، ایرانی سلطنت کے گورنر، اور مقامی مشرکانہ نظام کے

محافظین نے ہر ممکن کوشش کی کہ ایمان کی روشنی بجھ جائے اور ان کا اقتدار برقرار رہے۔ یہ مقالہ ان مظلوم مؤمنین کے خلوص، ایثار اور صبر کی کہانی ہے، جو دینِ محمدی ﷺ کو قبول کر کے سیاسی دباؤ، سماجی تنہائی، اور بعض اوقات جسمانی قتل و غارت کا نشانہ بنے۔ اسلامی تاریخ کا یہ باب نہایت اہم، دردناک اور عبرت آموز ہے، جو قیامت تک کے اہلِ ایمان کے لیے ایک مثال اور پیغام ہے۔

عمان کے نومسلم بادشاہ (جیفر وعبد) اور ایرانی دباؤ

جب نبی کریم ﷺ نے عمان کے حاکمین، جیفر اور عبد، دونوں بھائیوں کو دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تو یہ دعوت، حکمت، بصیرت اور انبیائی عظمت سے بھرپور تھی۔ جیفر نے وقتی تأمل کے بعد اسلام کو قبول کر لیا اور عبد بن الجلندی بھی مسلمان ہو گئے۔ مگر یہ قبولیت ان کے لیے آسان نہ تھی، کیونکہ عمان پر فارسی (ساسانی) سلطنت کا گہرا سیاسی اثر تھا۔ امام طبری نے نقل کیا ہے: **فلمّا أسلم جيفر وعبد، بلغ ذلک کسری، فأرسل جيشاً إلى عمان ليعزلهما، ويعيد المجوسية، فقاتلوه، وانتصر المسلمون** (تاریخ الطبری، 2/271، دار المعارف)، (جب جیفر وعبد نے اسلام قبول کیا، تو یہ خبر فارس کے بادشاہ کسریٰ کو پہنچی، اس نے عمان پر لشکر کشی کا حکم دیا تا کہ انہیں معزول کر کے دوبارہ مجوسیت نافذ کی جائے، مگر ان نومسلم حکمرانوں نے مقابلہ کیا اور فتح یاب ہوئے۔ یہ واقعہ اسلامی استقامت اور ایرانی جبروت کے خلاف ایمان کی فتح کا نشان ہے، لیکن اس راہ میں سیکڑوں نومسلم جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور ان کے گھر بار اجاڑ دیے گئے۔ مگر جیفر وعبد اور ان کے

پیروکاروں نے دین کے لیے سب کچھ قربان کر کے مظلومین اسلام میں اپنا مقام حاصل کیا۔

بحرین کے مجوسی سرداروں کی مخالفت

بحرین میں اسلام حضرت علاء بن حضرمیؓ کے ذریعہ پہنچا، جنہیں نبی کریم ﷺ نے وہاں کا امیر اور داعی بنا کر بھیجا۔ وہاں کے مقامی گورنر منذر بن ساویؓ نے اسلام قبول کر لیا، لیکن اس کی حکومت کے زیر اثر موجود مجوسی اور ساسانی سردار اس تبدیلی سے سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کیں بلکہ کئی جگہوں پر کھلم کھلا ظلم وستم کیا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں: **فأبى بعض عظماء البحرين الدخول في الإسلام، وأظهروا العداوة، فوقع القتال، وقتل كثير من المؤمنين، وهُجّروا من ديارهم** (السیرۃ، ابن ہشام، 4/132، دار إحياء التراث العربي)، (بحرین کے بعض بڑے لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور دشمنی ظاہر کی، چنانچہ لڑائی ہوئی، بہت سے مؤمنین شہید ہوئے اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ بحرین میں مجوسیت اور فارس پرستی کی جڑیں اس قدر گہری تھیں کہ ایک ریاستی تبدیلی کو آسانی سے برداشت نہ کیا گیا، اور نومسلمین کو جان و مال کی قیمت پر ایمان کا سودا کرنا پڑا)۔

یمن کے نومسلم قبائل اور قبائلی عناد

یمن کے مختلف قبائل نے حضرت علیؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں

اسلام قبول کیا۔ خاص طور پر بنو مذحج، ہمدان اور کِندہ جیسے قبائل نے نبی کریم ﷺ کے بھیجے ہوئے خطوط اور دعوتی وفود کے ذریعے اسلام اختیار کیا۔ مگر ان نومسلمین کو مقامی قبائلی سرداروں کی طرف سے جاہلی عناد، رسوم پرستی، اور قبائلی وحدت کی شکست کے سبب نشانہ بنایا گیا۔ انہیں مذہبی انحرافی قرار دیا گیا، ان کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا، اور بعض مقامات پر قتل وجلاوطنی کا حکم صادر ہوا۔ امام طبری اور ابن ہشام کے بیانات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یمن کے نومسلم نہ صرف دینی مخالفت بلکہ سیاسی انتقام کا نشانہ بھی بنے۔

مظلوم مؤمنین: نکالے گئے، مارے گئے، مگر دین نہ چھوڑا

ان تمام علاقوں میں، چاہے وہ عمان ہو، بحرین ہو یا یمن، مظلوم مؤمنین کی ایک طویل فہرست موجود ہے جنہوں نے مال، اولاد، سرداری اور زمینیں چھوڑ کر بھی دینِ محمدی ﷺ کو نہ چھوڑا۔ ان پر مجوسی، مشرک، قبائلی اور سامراجی نظاموں کا دباو رہا، مگر وہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہتے ہوئے دین پر ثابت قدم رہے۔ ان مظلومین کی قربانیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دہائیوں میں یہ سارے علاقے اسلام کے مضبوط قلعے بن گئے، اور وہی مظلوم مؤمنین بعد میں اسلام کے داعی، قاضی، قاری اور شہداء قرار پائے۔

اختتامی تاثر

سنہ 10ھ کے مشرقی عرب قبائل کی اسلامی جدوجہد ہمیں بتاتی ہے کہ ایمان ایک نعمت ہے، مگر اس کی قیمت بعض اوقات جان سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جو افراد

ایمان لائے، وہ صرف کلمہ پڑھنے والے نہ تھے بلکہ اس کے تقاضوں پر عمل کرنے والے اور راہِ حق میں قربانی دینے والے سچے مؤمنین تھے۔ان کا شمار بلاشبہ ان مظلوم اسلامی شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے دینِ حق کے استحکام کے لیے جابر نظاموں، قبائلی ظلم اور سلطنتی استبداد کا سامنا کیا،مگر ایمان نہ چھوڑا۔

مراجع ومصادر:

1-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج2،ص172، دار المعارف،مصر۔
2-ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج4،ص231، دار إحیاء التراث العربی،بیروت۔
3-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج1،ص328، دار صادر، بیروت۔4-البلاذری، فتوح البلدان،ص365، دار ومطبعۃ العلمیۃ، بیروت۔

منافقین کا زہر اور کمزور اہلِ ایمان کی مظلومیت

(داخلی آزمائشوں کی قرآنی وسیرتی تصویر)

اسلامی معاشرہ اپنی فطرت میں وحدت، اخوت، صدق وصفا، اور خیر خواہی کا مظہر ہے،لیکن ابتدائی اسلامی دور میں خارجی دشمنوں کے ساتھ ساتھ ایک اور خطرناک دشمن وہ تھا جو اندر سے نقاب اوڑھ کر اسلام کے جسم میں زہر گھول رہا تھا۔ یہ منافقین کا گروہ تھا، جنہوں نے ظاہری طور پر کلمہ تو پڑھ لیا، مگر دلوں میں بغض، شک، طعن، اور

نفاق کا گند بھر رکھا تھا۔ ان کا زہر اُس وقت خاص طور پر زیادہ اثر انگیز ہوتا جب وہ نازک نفسیات کے حامل، کمزور ایمان والے مؤمنوں کو نشانہ بناتے، ان پر طعن کرتے، ان کی غربت و معاشی کمزوری کا مذاق اڑاتے اور بعض اوقات ان کی نیت تک پر حملہ کرتے۔ یہ منافقین داخلی طور پر نہ صرف اسلامی معاشرے کو کھوکھلا کرنا چاہتے تھے بلکہ نبی کریم ﷺ کی قیادت پر بھی اثر انداز ہونے کی سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ ان کے برعکس، کمزور ایمان والے صحابہ کرامؓ، جو اکثر مہاجر، غریب، یا نئے مسلمان ہوتے، اس طعن و استہزاء کے سامنے صبر و حیا کا پیکر بنے رہتے۔ یہ مظلومین، اگرچہ ظاہراً کمزور تھے، مگر ان کے دلوں میں نورِ ایمان تھا، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں وہ بلند مرتبہ رکھتے تھے۔

داخلی طعن و تمسخر کا تسلسل

منافقین کا سب سے بڑا ہتھیار بظاہر نرم، مگر باطن میں زہریلا تھا: لسانی تمسخر اور طعن۔ وہ اہلِ ایمان کو ان کی غربت، سادگی، عبادت، اور اخلاص پر طعن کا نشانہ بناتے تھے۔ بعض انہیں ساذج کہتے، بعض ان کی محنت و شرکت کو بے وقعت گردانتے، اور بعض ان پر ریا کاری کا الزام بھی لگاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خصلت کو قرآن میں واضح طور پر بیان فرمایا: ''اَلَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ'' (التوبہ:97)، (وہ لوگ جو صدقہ دینے والے مخلص مؤمنوں کو طعن کا نشانہ بناتے ہیں، اور ان کا مذاق

اڑاتے ہیں جو محض محنت کے بقدر دے سکتے ہیں)۔امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **كان المنافقون يستهزئون بالضعفاء من المسلمين، ويقولون: ما نفع الله صدقة فلان؟ إنما يُرائي** (تفسیر ابن کثیر، سورۃ التوبہ، آیت 79، دار طیبہ)، (منافقین کمزور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور کہتے: فلان کے صدقہ سے کیا فائدہ؟ یہ تو ریا کار ہے!) یہ زبان درازی وہ زہر تھی جو کمزور مؤمنوں کے لیے سخت اذیت کا سبب بنتی، ان کے حوصلے کو توڑتی، اور بعض اوقات انہیں اضطراب، وسوسے اور معاشرتی بے وزنی کا احساس دلاتی تھی۔ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ والی کیفیت، منافقین کی زہریلی چالوں کا اثر یہ ہوا کہ کمزور ایمان والے صحابہؓ ہر آواز کو اپنی مخالفت سمجھتے، ہر افواہ کو اپنے خلاف سازش گردانتے، اور ہر حرکت سے خائف ہو جاتے۔ قرآن اس حالت کو ایک عبرت انگیز آیت میں یوں بیان کرتا ہے: "يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ" (التوبہ:46)، (وہ ہر چیخ کو اپنے خلاف گمان کرتے ہیں؛ وہی دشمن ہیں، ان سے بچو)۔ یہ آیت اگرچہ ظاہراً منافقین کی حالت کو بیان کرتی ہے، مگر ان کے زہر کا اثر یہ تھا کہ مخلص مؤمن بھی بعض اوقات اس نفسیاتی دباؤ کا شکار ہوتے، خصوصاً جب ان پر الزام لگایا جاتا کہ وہ محض دنیاوی مفاد کے لیے مسلمان ہوئے ہیں، یا ان کی عبادت دکھاوا ہے۔ یہ کیفیت باطنی خوف، اضطراب اور بے بسی کی علامت تھی، جو مظلومینِ اہلِ ایمان کو دن رات لاحق رہتی۔

نبی کریم ﷺ کی تسلی اور دفاع

ایسے نازک حالات میں رسول اللہ ﷺ کی شفقت، فہم، اور قیادت کا پہلو نہایت روشن تھا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف منافقین کی سازشوں کو بے نقاب کیا، بلکہ مظلوم مؤمنین کی عزت افزائی فرمائی۔ کئی مواقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **إن الله لا ينظر إلى أجسادكم ولا إلى صوركم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم** (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم)، (اللہ تمہارے جسم وصورت کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)۔ یہ تعلیم دراصل اُن کمزور مگر سچے مؤمنین کے لیے شفاء تھی جو ظاہری حیثیت میں کمتر سمجھے جاتے، مگر ان کے قلوب ایمان کے نور سے منور ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی مواقع پر ان کو مخاطب فرما کر فرمایا کہ: **ربّ أشعث أغبر ذي طمرين لو أقسم على الله لأبرّه** (صحیح مسلم، ایضاً)، (بسا اوقات ایک گرد آلود، بوسیدہ لباس میں ملبوس شخص ہوتا ہے، جسے کوئی اہمیت نہ دے، لیکن اگر وہ اللہ پر قسم کھا بیٹھے، تو اللہ ضرور اسے پورا فرماتا ہے)۔ یہ الفاظ ان سچے مظلوم مؤمنین کے اعزاز وتکریم کا مظہر ہیں جنہیں منافقین نے حقارت کی نظر سے دیکھا، مگر آقائے دو عالم ﷺ نے انہیں دلوں کا بادشاہ قرار دیا۔

اختتامی تاثر

اسلامی معاشرے کی سب سے گہری آزمائشیں وہ ہوتی ہیں جو اندر سے ظہور

پذیر ہوتی ہیں۔ منافقین کی زبان، ان کا طنز، اور ان کے طعن ایسے ہتھیار تھے جن سے تلواروں سے زیادہ زخم لگتے تھے۔ مگر جن کمزور ایمان والے مؤمنوں نے اس زہر کو برداشت کیا، صبر کیا، اور اپنی نیتوں میں اخلاص کو برقرار رکھا، وہ تاریخِ اسلام کے وہ مظلوم مگر معزز کردار ہیں جن کی مظلومیت کو قرآن نے بھی تسلیم کیا، اور جن کا دفاع نبی کریم ﷺ نے خود فرمایا۔ یہی وہ شخصیات ہیں جو اسلام کی مظلوم شخصیات کے عنوان کے تحت ہمارے لیے نہ صرف نمونۂ عمل ہیں بلکہ اس بات کا سبق بھی کہ ایمان کبھی لباس، نسب یا مال سے نہیں ناپا جاتا، بلکہ وہ دل کی کیفیت، اعمال کی صداقت، اور صبر کی آزمائش سے ظاہر ہوتا ہے۔

مراجع ومصادر:

1-ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، سورۃ التوبہ، آیات 64، 79، دار طیبہ، ریاض۔
2-صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، حدیث 4652، مطبعۃ دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ 3-الطبری، تفسیر جامع البیان، ج10، ص265، دار المعارف، مصر۔
4-ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج4، ص260، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔

خطبۂ وداع میں مظلوموں کی حمایت

(عورت، غلام اور غریب کا عدالتی دفاع)

اسلام کا جوہر عدل، رحمت اور مساوات ہے، اور نبی کریم ﷺ کی بعثت

دراصل ان ہی اصولوں کی تنفیذ کے لیے ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے زندگی بھر ان مظلوم طبقات کی اعانت فرمائی جنہیں جاہلیت نے ہمیشہ ظلم، تحقیر اور پسماندگی میں دبائے رکھا: عورت، غلام، اور غریب۔ ان طبقات کو معاشرے میں نہ رائے کا حق حاصل تھا، نہ عزتِ نفس کا کوئی تصور، اور نہ کوئی قانونی تحفظ۔ مگر رسالتِ محمدی ﷺ نے ان تمام محروم طبقات کو انسانی وقار، سماجی تحفظ، اور شرعی مساوات کا عظیم مقام عطا فرمایا۔ یہی تعلیمات نبی کریم ﷺ نے اپنے تاریخی، جامع اور آفاقی خطبہ حجۃ الوداع میں نہایت تاکید، بلاغت اور حکمت کے ساتھ امت کے سامنے رکھیں، جسے بجا طور پر انسانی حقوق کا پہلا عالمی منشور کہا جاتا ہے۔ اس خطبے میں نبی کریم ﷺ نے جہاں اقوامِ عالم کو عدل، امن، اور توحید کا پیغام دیا، وہیں بالخصوص ان طبقات کی طرف امت کو متوجہ کیا جو ہمیشہ ظلم واستبداد کا شکار رہے تھے۔

نبی کریم ﷺ کا عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید

زمانۂ جاہلیت میں عورت کو بے وقعت، قابلِ خرید وفروخت، اور محض شہوانی تسکین کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ بیٹی کو زندہ دفن کر دینا باعثِ فخر سمجھا جاتا، بیوی کو جائیداد کا درجہ دیا جاتا، اور ماں کے قدموں کے نیچے جنت نہیں، بلکہ نفرت ہوتی تھی۔ مگر نبی کریم ﷺ نے ان تمام تصورات کا خاتمہ فرما کر عورت کو انسانیت، عزت، اور وقار کا مقام عطا فرمایا۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے فرمایا: فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانَةِ اللَّهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ (صحیح مسلم،

کتاب الحج، حدیث 1218، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)، (عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے، اور اللہ کے کلمہ سے ان کے جسموں کو اپنے لیے حلال کیا ہے)۔ یہ جملے ایک فقہی دستور، اخلاقی میثاق، اور معاشرتی اعلامیے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے امت کو تنبیہ کی کہ عورت کوئی بوجھ یا غلام نہیں بلکہ ایک امانت ہے۔ ایک ایسا تصور جس نے عورت کو مظلوم سے محفوظ اور محترم بنا دیا۔ ابن ہشام نے بھی اس موقع پر روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ** (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، 4/252، دار إحیاء التراث العربی)، (عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت قبول کرو، کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی مانند ہیں۔ یہ بیان اس وقت ایک انقلابی تعلیم تھی جس نے عورت کو سماجی بے توقیری سے نکال کر ایک محفوظ مقام عطا کیا)۔

غلاموں کو ظلم سے بچانے کا حکم

خطبۂ وداع میں نبی کریم ﷺ نے سماج کے سب سے کمزور طبقے یعنی غلاموں کے حقوق کی بھی خصوصی تاکید فرمائی۔ غلامی اس دور میں ایک تسلیم شدہ معاشی وسماجی نظام تھا، جس میں انسان، انسان کا محض سامانِ تجارت یا مزدور سمجھا جاتا۔ مگر آپ ﷺ نے غلاموں کو انسانی درجہ عطا کر کے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کو ایمان کی علامت بنا دیا۔ امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **أُوصِيكُمْ بِالضُّعَفَاءِ، فَإِنَّهُمْ وَصِيَّتِي فِيكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** (السنن الکبری، بیہقی، 5/262، دار الکتب العلمیۃ)، (میں

تمہیں کمزوروں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، یہ قیامت کے دن تمہارے بارے میں میری گواہی ہوں گے)۔اس میں غلام،غریب، بیوہ، یتیم، اور معاشرتی طور پر پسماندہ لوگ سب شامل ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:**أطعموهم مما تأكلون، وألبسوهم مما تلبسون، ولا تكلفوهم ما لا يطيقون** (صحیح مسلم،کتاب الأیمان) یعنی انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، وہی پہناو جو خود پہنتے ہو،اوران پران کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ یہ نصیحت نہیں، بلکہ معاشرتی عدل کا ضابطہ اور مظلوموں کے لیے ایک ربانی ضمانت ہے۔

مظلوم طبقات کا ذکر اوران کا اعزاز

خطبۂ وداع میں نبی کریم ﷺ نے غلاموں اور عورتوں کے علاوہ ان غریبوں، مساکین، اور ناداروں کا بھی ذکر کیا جنہیں اکثر سماجی نظام پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔آپ ﷺ نے برابراس بات کی تاکید فرمائی کہ:**كلكم لآدم، وآدم من تراب، لا فضل لعربي على أعجمي إلا بالتقوى** (بیہقی،السنن الکبری،5/462)، (تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ سے)۔ یہ بیان صرف نسلی تعصب کی نفی نہیں بلکہ تمام معاشی، سماجی اور قبائلی فضیلتوں کی بیخ کنی ہے۔غریب، کمزور، اور مظلوم اس بیان کے بعد عزت وشرف کے حقیقی حقدار بنے، کیونکہ فضیلت کا معیار مال یا نسب نہیں بلکہ تقویٰ قرار پایا۔

اختتامی تاثر

خطبۂ حجۃ الوداع محض ایک تاریخی تقریر نہیں بلکہ وہ عالمی منشور ہے جس نے مظلوموں کو زبان دی، غلاموں کو مقام دیا، عورتوں کو عزت دی، اور کمزوروں کو اللہ کے قریب کر دیا۔ وہ تمام طبقات جو صدیوں سے ظلم، حقارت، اور تحقیر کا نشانہ بنے ہوئے تھے، نبی کریم ﷺ کے اس خطبہ کے بعد امت کے سب سے قیمتی عناصر قرار پائے۔ اور آج، جب انسانیت انسانی حقوق کے نام پر نئے قوانین وضع کر رہی ہے، ہمیں خطبۂ حجۃ الوداع کی یہ تعلیمات یاد دلاتی ہیں کہ انسانی وقار کی اصل ضمانت نبوت کے سائے میں ہے۔ ایسے مظلوم طبقات، جنہیں نبی کریم ﷺ نے زبان دی، مقام دیا اور امت کو ان کے ساتھ عدل و احسان کی وصیت فرمائی، بجا طور پر اسلام کی مظلوم شخصیات میں اولین حق دار ہیں۔

مراجع ومصادر:

1-صحیح مسلم، کتاب الحج، حدیث 1218، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔ 2-ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج 4، ص 252، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔ 3-بیہقی، السنن الکبریٰ، ج5، ص262-264، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4-احمد بن حنبل، المسند، ج5، ص411، مؤسسۃ الرسالہ۔

سنہ 10ھ کے مظلومین کی قربانی اسلام کی ابدی روشنی کے چراغ

اسلامی تاریخ، بلاشبہ قربانی، استقامت، عدل اور ایمان کی تابندہ مثالوں سے عبارت ہے۔ مگر ان مثالوں میں جو رنگ سنہ ۱۰ھ کے مظلومین کی جدوجہد سے پیدا ہوتا ہے، وہ اسلام کے اخلاقی جوہر اور روحانی عظمت کو خاص جِلا بخشتا ہے۔ اس سال، جب کہ اسلام جزیرۃ العرب کے طول وعرض میں اپنی تکمیل کو پہنچ رہا تھا، نبی کریم ﷺ نے تبلیغِ رسالت کا حق ادا فرما دیا، اور مختلف علاقوں، قبائل، اور طبقات میں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی وہیں بہت سے ایسے افراد، قبائل اور جماعتیں بھی تھیں جنہوں نے صرف کلمۂ طیبہ کی بنیاد پر ظلم واذیت کی وہ سزائیں جھیلیں جو انسانی وقار اور جان کے خلاف صریح مظالم کے مترادف تھیں۔ اسلام کی یہ مظلوم شخصیات یمن، عمان، بحرین، نجران، بنی حنیفہ، بنی طے، حضرموت، کندہ، مدینہ کے کمزور مسلمان، منافقین کے طعنوں سے مجروح مؤمن، اور غلام وعورت جیسے کمزور طبقات ان سب نے اس سال تاریخِ نبوت میں وہ اجالا پیدا کیا جو رہتی دنیا تک عدل، صبر، اور توحید کی روشنی بن کر چمکتا رہے گا۔

جزیرۂ عرب کی متنوع مظلومیت: ایک اجمالی جائزہ

یمن کے بنو مذحج، ہمدان، اور کندہ جیسے قبائل، جنہوں نے حضرت علیؓ،

حضرت خالدؓ اور دیگر صحابہ کی دعوت سے اسلام قبول کیا، جاہلی سرداروں کے تعصب کا نشانہ بنے۔ ان نومسلمین پر سماجی مقاطعہ، قبائلی انتقام، اور رسومِ جاہلیت کی بنیاد پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے۔ اسی طرح عمان کے جیفر وعبد جیسے ملوک، ایرانی استبداد کے خلاف کھڑے ہوئے اور اسلامی ایمان کی پاداش میں جنگیں لڑیں۔ بحرین میں حضرت منذر بن ساویؓ اور ان کے ساتھی نومسلمین مجوسی سرداروں کی مخالفت، فتنے اور قتل وفسادات کا نشانہ بنے۔ بنی حنیفہ کے وفد میں شریک مسیلمہ کذاب کا نفاق اور اس کا جھوٹا دعویٰ نبوت بعد میں اپنے قبیلے کے اہلِ ایمان کے لیے قیامت بن گیا۔ یمامہ کی جنگ میں ہزاروں مظلوم مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت عدی بن حاتمؓ جیسے باوقار قائد نے قبیلہ کی مخالفت کے باوجود تنہا اسلام کا پرچم بلند کیا، اور سرداری چھن جانے کے بعد صبر واستقامت سے قیادت کی بحالی کی راہ ہموار کی۔ اسی سال نجران اور دیگر اہلِ کتاب کے قبائل نے جب اسلام کی رواداری دیکھی، تو وہ جزیہ کی شرعی ذمہ داری قبول کر کے اسلامی ریاست کا حصہ بنے، مگر دوسرے غیر مسلم گروہوں اور داخلی منافقین نے ان نومسلموں پر طعن وتشنیع کے تیر برسائے۔

مظلومین کا ایمانی اعزاز اور نبی کریم ﷺ کی نصرت

ان مظلوموں میں صرف قبائلی افراد نہیں، بلکہ معاشرتی طبقات بھی شامل تھے عورت، غلام، اور فقیر جنہیں زمانۂ جاہلیت میں کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں خاص طور پر ان طبقات کا ذکر فرمایا، ان کے ساتھ

حسنِ سلوک اوران کے حقوق کی حفاظت کو دین کا حصہ قرار دیا، اورانہیں امت کے لیے امانت ٹھہرایا۔آپ ﷺ نے فرمایا:أوصیکم بالنساء خیراً..... وأطعموهم مما تأكلون..... كلّكم من آدم وآدم من تراب..... (صحیح مسلم، السنن الکبری للبیہقی ،ابن ہشام)۔یہ کلمات نہ صرف فکری انقلاب کی بنیاد ہیں، بلکہ وہ آئینی وشرعی ضمانتیں بھی ہیں جوان مظلوم طبقات کو پہلی بار انسانی درجے پر لاتی ہیں۔

داخلی زہر،منافقین کا طعن،اوراہلِ ایمان کی مظلومیت

منافقین کی طرف سے کمزور مؤمنین پر طنز،تحقیر،اور ریا کاری کے الزامات نے مدینہ کے سماج کوایک باطنی ابتلاء کا شکار کیا۔قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ ان مظلوم مؤمنین کی عزت وتوقیر کی، اور منافقین کے فتنوں کو بے نقاب کیا: "الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ....." (التوبہ:79)۔یہ وہی کمزور،غریب،اورغیر مؤثر افراد تھے،جن کے اخلاص کورسول اللہ ﷺ نے اللہ کے ہاں سب سے قیمتی قرار دیا، اورفرمایا:لو أقسم على الله لأبره

مظلومین کا تسلسل اوراسلام کی روشنی

اسلامی سنہ 10ھ کا ہر مظلوم،خواہ وہ ایک نومسلم قبیلہ ہو یا ایک غریب غلام، ایک عورت ہو یا ایک سماجی طور پر مقاطع شخص دراصل اسلام کی ابدی روشنی کا چراغ تھا، جوظلمتوں میں جل کر آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بنا۔انہی مظلومین کے

صبر، یقین، اور عزیمت کی بدولت اسلام کے انقلابی پیغام نے خالص توحید، عدل، اور انسانیت کا نظام قائم کیا۔ یہی چراغ بعد ازاں عراق، شام، مصر، اور ایران کے اندھیروں میں روشنی بنے، اور انہی مظلوموں کے وارث، مجاہد، داعی، مفسر، اور شہداء بن کر تاریخ کے صفحات پر جاوداں ہو گئے۔

اختتامیہ

سنہ 10ھ ایک ایسا سنگِ میل ہے جہاں اسلام اپنی تکمیل کو پہنچا، اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **الیوم أکملتُ لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی**..... (المائدہ:3)، اور اسی تکمیلِ دین کی قیمت ان مظلومین نے ادا کی جنہیں نہ صرف اللہ کے رسول ﷺ نے تسلی دی بلکہ قرآن نے ان کے حق میں آیات نازل کیں، اور تاریخ نے ان کے خلوص، ایثار، اور قربانی کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا۔ یہی مظلوم شخصیات، درحقیقت، اسلام کے وہ چراغ ہیں جنہوں نے اپنے لہو سے دین کی روشنی کو ابدی اور لافانی بنا دیا۔

مراجع ومصادر:

1-ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج 4، ص 252، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔ 2-بیہقی، السنن الکبری، ج5، ص 262-264، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3-صحیح مسلم، کتاب الحج، حدیث 1218، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔

4-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج2،ص170-174، دار المعارف،مصر۔ 5-ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم،التوبہ:79،دارطیبہ،ریاض۔

اسلامی سنہ 11 ہجری کے مظلومین

(امت کی آزمائش کا آغاز وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد کی فتنہ انگیزی اور اہلِ بیتؓ کی مظلومیت)

اسلامی تاریخ کا سال 11 ہجری نہایت پُر آشوب، رقت انگیز اور آزمائشوں سے پُر سال ہے۔ اس سال کے آغاز ہی میں وہ اندوہناک سانحہ پیش آیا جس نے مدینہ کی فضاؤں کو اشکبار کر دیا، قلوبِ مومنین کو لرزا دیا، اور امت مسلمہ کو ایک نہایت نازک موڑ پر لا کھڑا کیا وہ سانحۂ وفاتِ سید المرسلین ﷺ تھا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات نہ صرف ایک قلبی صدمہ تھا بلکہ امت کی سیاسی، سماجی اور روحانی قیادت کا ایک عظیم خلا بھی تھا۔ ایسے وقت میں جہاں پوری امت کو وحدت، ہمدردی، مشاورت اور فہم وعدل کی ضرورت تھی، وہاں مختلف اطراف سے پیش آمدہ سیاسی فیصلوں اور معاملاتِ خلافت وو راثت نے اہلِ بیتؓ کو ایک نئے دور کی مظلومیت سے دوچار کر دیا۔

وفاتِ نبی کریم ﷺ اور امت کا اضطراب

حضرت محمد ﷺ کی وفات (12 ربیع الاول) کا اعلان جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، تو مسجد نبوی میں کہرام مچ گیا۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی بے اختیار

تلوار کھینچ کر کہنے لگے کہ جو کہے محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے، میں اس کی گردن اڑادوں گا۔اس کیفیت کوامام طبری نے یوں نقل کیا {فلمّا توفی رسولُ الله ﷺ قالت الأنفیار ومنکم أمیر، و کادت الفتنة تقع لولا کلام أبی بکر..... (الطبری،تاریخ الامم والملوک، ج2،ص233،دارالمعارف)،یعنی وفاتِ رسول کے بعد جب انصار ومہاجرین میں خلافت کے متعلق نزاع پیدا ہونے لگی،تو صحابہ کوسخت اضطراب لاحق ہوا۔سقیفہ بنی ساعدہ میں فوری فیصلہ،مشاورت سے قبل اقدام،اوراہلِ بیتؓ کی عدم شمولیت نے ایک حساس خلا پیدا کردیا،جس کے اثرات تاریخ نے سینہ بہ سینہ محفوظ رکھے۔

حضرت فاطمہ الزہراءؓ کا فدک کا مطالبہ اور ردّ

اہلِ بیتؓ کی مظلومیت کی سب سے نمایاں علامت سیدہ فاطمہ الزہراءؓ کا وہ معروف مطالبہ ہے جوانہوں نے رسول اللہ ﷺ کی میراث کے سلسلہ میں فدک کے حق کے طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کیا۔امام بخاری نے اس روایت کو متعدد ابواب میں نقل کیا ہے:فأبی أبو بکر أن یدفع إلی فاطمة منها شیئاً، فوجدت فاطمة علی أبی بکر فی ذلک .....(صحیح البخاری،کتاب الفرائض،باب فرض الخمس)،(حضرت ابوبکرؓ نے سیدہ فاطمہؓ کوفدک میں سے کچھ نہ دیا،جس پر وہ ناراض ہوگئیں۔اسی روایت میں آتا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ نے پھر زندگی بھر حضرت ابوبکرؓ سے کلام نہ کیا،یہاں تک کہ ان کا وصال ہوگیا)۔امام ابن سعد نے نقل کیا ہے:فکلمته فی ذٰلک فلم یعطها شیئاً، فوجدت علیه واعتزلته، ودفنت لیلاً

ووصت أن لا يصلى عليه..... (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص315، دار صادر)۔ یہ سیاسی فیصلہ جو کہ اجتہادی بھی ہوسکتا ہے، مگر اس کے اثرات اہلِ بیتؓ کے لیے نہایت تکلیف دہ اور مظلومیت پر مبنی رہے۔ فدک کا مسئلہ محض جائیداد کا نہیں بلکہ اہلِ بیتؓ کی عزت وحُرمت کا مسئلہ بن گیا۔ انکارِ میراث کو مستند کرنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے یہ حدیث بیان کی: **نحن معاشر الأنبياء لا نورث، ما تركناه فهو صدقة** (صحیح البخاری، کتاب المغازی) تاہم، اہلِ بیتؓ کی جانب سے اس حدیث کی تاویل پر اختلاف رہا، جسے امام طبری، ابن سعد اور دیگر محدثین نے بھی محفوظ کیا۔

سیدہ فاطمہ الزہراءؓ کی بے بسی اور مخفی تدفین

سیدہ فاطمہ الزہراءؓ کی مظلومیت کا نقطۂ عروج ان کی تدفین ہے۔ انہوں نے خود وصیت فرمائی کہ انہیں رات کے وقت دفن کیا جائے، اور وہ بعض اصحاب کو اپنی نمازِ جنازہ میں شریک نہ دیکھنا چاہتی تھیں۔ امام طبری نے روایت کی: **أنها دفنت ليلاً، ولم يعلم بذٰلك إلا قليل من الناس، وصلّى عليها عليّ كرم الله وجهه** (الطبری، ج2، ص234)، یہ طرزِ عمل حضرت فاطمہؓ کی دل شکنی، غم وکرب اور مظلومیت کی اعلیٰ ترین علامت ہے، جسے امت نے صدیوں سے سینے میں محفوظ رکھا ہے۔

اہلِ بیتؓ کی خاموشی: صبر یا حکمت؟

حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عباسؓ جیسے اہلِ بیت کے

جلیل القدر افراد نے اس پورے معاملہ میں خاموشی، صبر اور رواداری کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: وإني خشيتُ أن أفرق بين المسلمين..... (ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج1، ص135)، یعنی میں نے امت کے درمیان تفریق سے ڈرتے ہوئے خاموشی کو ترجیح دی۔ یہ خاموشی اہلِ بیتؓ کی حکمت، حلم، اور اخلاص کا ثبوت ہے، لیکن تاریخی طور پر یہ بھی ایک مظلومیت ہے کہ اہلِ بیتؓ کو امت کے مرکزی فیصلوں سے عملاً دور رکھا گیا، یا ان کے مشورے کو وہ وزن نہ دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔

نتیجہ واختتامیہ

اسلامی سال 11 ہجری کی ابتدا ہی مظلومیت، اجتہادی اختلاف، اور اہلِ بیتؓ کے جذباتی و معاشرتی کرب سے ہوئی۔ سیدہ فاطمہ الزہراءؓ کی عظمتِ شان، ان کی رنجیدہ جدوجہد، اور ان کی مظلوم وفات یہ سب ایک ایسا باب ہیں جو قیامت تک اسلام کی مظلوم شخصیات کے عنوان کا مرکزی عنوان رہے گا۔ یہ مظلومیت، اہلِ بیتؓ کے ساتھ ناانصافی کے الزامات سے کہیں بڑھ کر ایک فکری، دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ امت اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد رکھے، ان سے سبق لے، اور ان کی عزت وتوقیر میں کبھی کمی نہ آنے دے۔

مراجع ومصادر:

1- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص 233-235، دار المعارف،

مصر۔ 2-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 2، 315-326، دار صادر، بیروت۔ 3-صحیح البخاری، کتاب الفرائض وکتاب المغازی، دارطوق النجاۃ۔4-ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج1،ص132-135،دار إحیاء التراث العربی۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا ہنگامی فیصلہ

(انصار کی نظر اندازی)

اسلامی تاریخ کا وہ لمحہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد امت کو قیادت، اجتماع اور نظام خلافت کی سمت متعین کرنی تھی، جزیرہ عرب کے تمام قبائل اور مدینہ کے تمام طبقات کے لیے ایک فیصلہ کن گھڑی تھی۔اس نازک وقت میں مدینہ کی ایک چھوٹی سی مجلس، جسے سقیفہ بنی ساعدہ کہا جاتا ہے، تاریخ کا وہ سنگ میل بن گئی جس نے خلافت راشدہ کے آغاز کے ساتھ ساتھ انصارِ مدینہ کے ساتھ روا رکھے گئے ایک گہرے سیاسی ونفسیاتی المیہ کو بھی جنم دیا۔ یہ حقیقت مسلم ہے کہ انصارِ مدینہ، جنہوں نے ہجرت کے وقت مہاجرین کو پناہ دی، اپنا سب کچھ نچھاور کیا، غزوات میں دفاعِ اسلام کا علم اٹھایا اور نبی کریم ﷺ کے لیے اپنے مال وجان قربان کیے، وہ امت کے ابتدائی سیاسی فیصلے میں عملاً نظر انداز کر دیے گئے۔سقیفہ میں فوری طور پر جو سیاسی اقدام ہوا، اس کی نوعیت اور طریقہ کار پر خود تاریخ کے جلیل القدر مؤرخین نے سوالات اٹھائے ہیں۔

خلافت پر مشاورت کے بغیر فوری اقدام

نبی کریم ﷺ کے وصال کے فوراً بعد مدینہ میں خلافت کے معاملے پر اضطراب کی فضا قائم ہوئی۔ انصار کے سرکردہ افراد نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلافت کے مسئلے پر غور وخوض کا آغاز کیا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ، جو خزرج کے معروف زعیم تھے، انصار کی جانب سے امیدوار سمجھے گئے۔ طبری اس لمحے کو یوں نقل کرتے ہیں: **اجتمعت الأنصار فی سقیفة بنی ساعدة، وقالوا: منا أمیر ومنکم أمیر** ..... (الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص235، دار المعارف)۔ یہ الفاظ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ انصار کی جانب سے مکمل اخلاص کے ساتھ خلافت کی ذمہ داری کو امت کے درمیان بانٹنے کی تجویز دی گئی، تاکہ نہ مہاجرین محروم ہوں نہ انصار۔ مگر معاملہ مشورے سے نکل کر قوتِ رائے اور اکثریتی دباؤ کی طرف مائل ہو گیا۔

حضرت سعد بن عبادہؓ کی سیاسی مظلومیت

حضرت سعد بن عبادہؓ نہ صرف قبیلہ خزرج کے بلکہ پورے انصار کے معتبر زعیم تھے۔ ان کی خدمات، نبی کریم ﷺ کے ساتھ تعلق، اور غزوات میں شرکت سب کچھ مسلّم ہیں۔ مگر سقیفہ میں جب خلافت پر گفتگو تیز ہوئی، تو ان کی رائے کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: **وکان سعد بن عبادة مریضاً، وقد حمل إلی السقیفة، وتکلم کلاماً قویاً، فلم یؤخذ برأیه**..... (البدایۃ والنہایۃ،

ج5،ص252،دارالفکر)۔ یہ جملہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت سعدؓ کو دانستہ طور پر ایک غیر مؤثر پوزیشن میں لا کھڑا کیا گیا۔ بعد ازاں جب حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہوئی تو حضرت سعدؓ نے اس بیعت میں شریک ہونے سے انکار کیا، اور پھر ایک طویل مدت تک مدینہ میں سیاسی گوشہ نشینی اختیار کیے رکھی۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اس کے پسِ پردہ قریشی سیاسی تدابیر اور انصاری کمزوری کا جائزہ لیا ہے: **إن الأنصار لم يكونوا مستعدين للصراع السياسي، فانهارت قوتهم أمام الضغط القريشي**..... (شرح نہج البلاغہ، ج1، ص132، دار إحياء التراث العربي)

قریش اور انصار کے درمیان شدت

اگرچہ انصار اور مہاجرین کے درمیان اصل میں اخوت و الفت کا رشتہ قائم تھا، مگر سقیفہ کے موقع پر قریشی نمائندوں (خصوصاً حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ) نے انصار کی تجاویز کو مسترد کرتے ہوئے خلافت کے حق کو مہاجرینِ قریش کے لیے مخصوص قرار دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: **الخلافة في قريش، هم أحق الناس بها**..... (الطبری، ج2،ص236)۔ یہ مؤقف ایک اجتہادی تعبیر تھا، مگر انصار کے لیے گہرے سیاسی صدمے کا باعث بنا، کیونکہ جنہوں نے ہجرت، نصرت اور اخوت میں سب سے آگے بڑھ کر دین کی بنیاد رکھی تھی، ان کی اہلیت کو محض قبائلی نسبت کی بنیاد پر مسترد کر دینا ان کے لیے ناانصافی کے مترادف تھا۔ بعد ازاں جب حضرت علیؓ،

حضرت زبیرؓ، اور دیگر حضرات نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کچھ تاخیر سے کی، تو اس میں بھی انصاری محرومی کا ایک پہلو شامل تھا۔

تاریخی مظلومیت کا اعتراف

اسلامی مؤرخین کا ایک معتد بہ طبقہ اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ سقیفہ میں جو فیصلہ ہوا، وہ اگرچہ امت کے نظم وتحفظ کے لیے فوری طور پر مفید ثابت ہوا، مگر اس کا انداز اور اس میں انصار کے ساتھ برتاؤ ہمیشہ ایک فکری سوال کے طور پر باقی رہا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں حضرت سعدؓ کی مظلومانہ کیفیت کو یوں بیان کیا گیا کہ: **مازال سعد یقول: إنّی مظلوم، وحقّ الأنصار مغصوب.....** یہ مظلومیت خالص دینی فریضے کے حوالے سے تھی، جو ایک طبقہ نے اپنے لیے محسوس کی، اور آنے والی نسلوں نے اسے کتاب وسیرت میں محفوظ رکھا۔

اختتامی تبصرہ

سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ جہاں خلافت راشدہ کے قیام کا آغاز تھا، وہیں انصار کے لیے ایک تلخ یادگار بھی بن گیا۔ وہ انصار جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: ''وَالَّذِينَ تَبَوَّئُوا الدَّارَ وَالإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ'' (الحشر:9) انہیں اس فیصلے میں مؤثر حیثیت میں شامل نہ کرنا ایک ایسی مظلومیت ہے جو فقط سیاسی نہیں، بلکہ امت کی وحدت کے لیے ایک سبق ہے کہ فیصلے مشاورت، عدل، اور اجتماعی

رضامندی کے ساتھ ہوں، تاکہ کسی فریق کو مایوسی یا بے قدری کا احساس نہ ہو۔

مراجع ومصادر:

1-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص235-238، دار المعارف، مصر۔2-ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج5، ص252، دار الفکر، بیروت۔3-ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج1، ص132-135، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ اور مؤمنین پر ظلم

اسلامی سنہ 11 ہجری میں، امتِ مسلمہ جن شدید آزمائشوں اور باطنی وظاہری فتنوں سے دوچار ہوئی، ان میں سب سے مہلک فتنہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا تھا، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے نہ صرف عقیدۂ ختمِ نبوت کو چیلنج کیا، بلکہ اسلامی ریاست ومعاشرے کو عسکری، فکری اور اخلاقی لحاظ سے ہلا کر رکھ دیا۔ان مدعیان میں سب سے خطرناک مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی تھے، جنہوں نے وحی، نبوت، کتاب اور شریعت کے جھوٹے دعوے کیے، ہزاروں جاہل قبائلیوں کو فریب دے کر اپنے گرد جمع کیا، اور ایمان لانے والوں کو بے دردی سے شہید کیا۔ یہ مضمون درحقیقت ان اہلِ ایمان کی مظلومیت کا آئینہ ہے جنہوں نے باطل کے خلاف حق پر استقامت دکھائی، اور اس راہ میں جانیں قربان کر کے اسلام کی

مظلوم شخصیات کی تاریخ میں سنہرے حروف سے اپنے نام رقم کیے۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت: فتنہ ارتداد کا آغاز

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد قبائلِ عرب میں سیاسی اضطراب اور قیادتِ نبوی کے بعد کی فکری خلا کی وجہ سے کئی بدباطن افراد نے خود کو نبی ظاہر کر دیا۔ ان میں نمایاں ترین:

1-مسیلمہ بن ثمامہ الحنفی (الکذاب): قبیلہ بنو حنیفہ کا رئیس، جس نے نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

2-طلیحہ بن خویلد الاسدی: نجد کا متشدد سردار، جس نے خود ساختہ وحی کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔

امام طبری نقل کرتے ہیں: **فادعی النبوة مسیلمة، و اتبعه خلق کثیر من بنی حنیفة، و ادّعی طلیحة مثل ذلک، فارتدت قبائل بأکملها.....**

(الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص256، دار المعارف)۔ ان جھوٹے مدعیانِ نبوت نے نا صرف عقیدے کو مجروح کیا بلکہ اسلامی ریاست سے علانیہ بغاوت بھی کی۔

یمامہ و نجد میں اہل ایمان پر قتل و تشدد

مسیلمہ کذاب کا مرکز یمامہ تھا، جہاں اس نے زکوٰۃ سے انکار کیا، نبوت کا اعلان کیا، اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور نو مسلمین کو جھوٹے معجزات اور ضعیف فہم دین

کے ذریعہ بہکانے کی کوشش کی۔مگر جب مؤمنین نے انکار کیا تو وہ قتل و غارت پر اتر آیا۔امام ابن سعد بیان کرتے ہیں: **کان یقتل کل من خالفه من المسلمین، خصوصاً من کان یبلغ الرسائل النبویة، و کان یستحل دماء من یتمسک بالکتاب و السنة** (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2،ص347،دار صادر)۔یہ ظلم فقط سیاسی مخالفت نہیں تھا، بلکہ ایک مکمل فکری و دینی جبر تھا، جس میں حق پر قائم رہنے والوں کو جسمانی اذیت، قتل اور قبیلہ سے بے دخلی جیسے مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔

قبیلہ بنوحنیفہ میں اہلِ ایمان کی شہادتیں

بنوحنیفہ، جو مسیلمہ کا اپنا قبیلہ تھا، وہاں موجود مؤمنین نے اس کے باطل دعووں کی مخالفت کی۔ چنانچہ ان پر مسیلمہ نے خاص ظلم کیا۔ان کے گھروں کو جلایا گیا، قرآن کے حافظوں کو شہید کیا گیا، اور ان کی بیٹیوں کو قیدی بنا کر فتنہ ارتداد کو فروغ دیا گیا۔امام بیہقی نقل کرتے ہیں: **أن مسیلمة الکذاب کان یستحل دماء مخالفیه، و کان یقتل الحفّاظ من أصحاب النبی ﷺ جهاراً نهاراً.....** (البیہقی، دلائل النبوۃ، ج6،ص302، دار الکتب العلمیۃ)۔یہ وہ ظلم ہے جسے تاریخِ اسلام کے بدترین فصول میں شمار کیا گیا ہے۔

یمامہ کی جنگ اور مؤمنین کی عظیم قربانی

جب مسیلمہ کا فتنے نے حدودِ اسلام میں آگ بھڑکائی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ راشد کی حیثیت سے جنگ یمامہ کا اعلان فرمایا۔حضرت خالد بن

ولیدؓ کی قیادت میں صحابہ و تابعین کا لشکر روانہ ہوا۔ اس معرکہ میں 70 سے زائد قرّاء صحابہ شہید ہوئے، جن میں حضرت سالم مولیٰ اُبی حذیفہؓ، حضرت زید بن الخطابؓ، اور دیگر جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ یہ مظلوم شہداء اسلام کی روحانی تاریخ میں وہ نایاب ہیروں کی مانند ہیں جنہوں نے عقیدہ ختم نبوت، وحی کی حرمت، اور ایمان کی حقانیت پر جانیں قربان کیں۔ اسی جنگ کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ نے قرآن کریم کے جمع کرنے کی تجویز دی، تاکہ حفظ کرنے والے قاریوں کی کمی پوری کی جاسکے۔

اختتامی تبصرہ

جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ نہ صرف دین اسلام کے عقائد پر ایک بدترین حملہ تھا، بلکہ اس نے مؤمنین کے لیے مظلومیت، شہادت، ہجرت، قید اور قبیلہ سے بے دخلی جیسے مصائب کو بھی جنم دیا۔ مسیلمہ اور طلیحہ جیسے جھوٹے نبی تاریخ اسلام کے وہ سیاہ کردار ہیں جن کے مقابل ڈٹ جانے والے مؤمنین آج تک امت کی آنکھوں کا نور اور قلوب کا فخر ہیں۔ یہی مؤمنین، شہداء یمامہ، بنو حنیفہ کے صالحین، اور نجد کے اہلِ حق اسلام کی مظلوم شخصیات کے اصل نمائندہ ہیں۔

مراجع ومصادر:

1- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص256، دار المعارف، مصر۔
2- ابن سعد، الطبقات الکبری، ج2، ص347، دار صادر، بیروت۔ 3- البیہقی،

دلائل النبوۃ، ج6، ص302، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

زکوٰۃ سے انکار کا فتنہ

(نئے مسلم قبائل پر جنگ اور اضطراب)

اسلامی سنہ 11 ہجری نبی کریم ﷺ کے وصال اور امت کی قیادت کے خلا کے ساتھ آغاز پذیر ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلام ایک مکمل نظام حیات بن کر عرب کے طول وعرض میں پھیل چکا تھا، مگر ایمان کی جڑیں ہر قبیلے میں یکساں مضبوط نہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے بعد جب نظامِ نبوت کا تسلسل منقطع ہوا، تو بہت سے نومسلم قبائل میں فکری اضطراب، دینی تشویش، اور سیاسی ابہام پیدا ہوا۔ اس نازک وقت میں سب سے نمایاں فتنہ منع الزکوٰۃ (زکوٰۃ سے انکار) کا تھا، جس نے ایک طرف امت میں ارتداد کے دہانے کھولے، تو دوسری طرف کئی کم علم دیہاتی و نومسلم قبائل تلوار و جنگ کی آزمائش میں آ گئے۔ یہ مضمون اُن مظلوم افراد کی عکاسی کرتا ہے جو پوری نیت سے ایمان لا چکے تھے، مگر دین کے تفصیلی احکام نہ جاننے اور ناگہانی سخت پالیسیوں کے باعث فتنۂ ارتداد کا ایندھن بن گئے۔

فتنۂ منع الزکوٰۃ کا پس منظر

زکوٰۃ اسلامی شریعت کا ایک بنیادی رکن اور مالی عبادت ہے۔ نبی کریم ﷺ

کے دورِ مبارک میں ہر سال مستحقین کے لیے زکوٰۃ وصول کی جاتی، اور مختلف قبائل سے عاملین زکوٰۃ مقرر ہوتے۔ لیکن جیسے ہی نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا، بہت سے قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی روک دی، اور بعض نے کہا کہ: **أطعنا رسول الله ما دام حيا، وأما بعده فلا ندفع الزكاة** ۔امام طبری اس حالت کو فتنہ کبریٰ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: **ارتدت العرب بعد وفاة رسول الله ﷺ، فمنهم من منع الزكاة، ومنهم من ادعى النبوة، ومنهم من لبس عليه الشيطان**..... (الطبری، تاریخ الامم، ج2، ص243، دار المعارف)۔ یہ فرق اس امر کی دلیل تھا کہ بعض قبائل دینِ اسلام کے شعائر سے پوری طرح واقف نہ تھے، اور ان کے نزدیک زکوٰۃ شاید نبی ﷺ کی ذاتی اتھارٹی سے جُڑی ہوئی کوئی خراج کی قسم تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کی سخت پالیسی اور ارتداد کی جنگیں

جب یہ فتنے ظاہر ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے، خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی، بغیر کسی تاخیر کے فیصلہ کیا کہ: **والله لأقاتلن من فرّق بين الصلاة والزكاة** (صحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ، حدیث:1400)۔ یہ پالیسی جہاں عقیدہ اسلام کی حفاظت اور زکوٰۃ کے فرض ہونے پر اجماع کا مظہر تھی، وہیں اس کا اطلاق بعض ایسے نومسلم قبائل پر بھی ہوا جو صرف لاعلمی یا وقتی جذبات کے باعث زکوٰۃ سے گریزاں تھے، نہ کہ اصل دین سے پھر گئے تھے۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں: **منهم من تردد، ولم يرتد عن الدين بالكلية، بل امتنع عن أداء الزكاة جهلاً أو تحفّظاً**.....

(البدایۃ والنہایۃ، ج6، ص305، دارالفکر) یہ قبائل اگرچہ اصول ایمان پر قائم تھے، مگر زکوٰۃ کو بطور ریاستی نظام نہیں سمجھے تھے۔ ان کی کم علمی کو ارتداد سمجھ کر ان کے خلاف جہاد کیا گیا، جس میں بے شمار مظلوم دیہاتی مارے گئے۔

کم علم نومسلم قبائل کی مظلومیت

قبائلِ نجد، یمامہ، تیماء، اور بعض یمنی گروہ جنہوں نے فتح مکہ یا تبوک کے بعد اسلام قبول کیا، وہ ابھی دین کے احکام سے پوری طرح آشنا نہ تھے۔ ان کے ہاں زکوٰۃ کا تصور صرف تحفہ برائے نبی کے طور پر موجود تھا۔ چنانچہ جب عاملینِ خلافت ان سے زکوٰۃ لینے آئے، تو بعض نے کہا: **قد مات من كنّا نؤدّي إليه الزكاة، فليست الآن واجبة**۔ یہ فہم دین کی کمزوری کا نتیجہ تھا نہ کہ سیاسی بغاوت۔ مگر خلافت کے نظم واستقرار کو برقرار رکھنے کے لیے ان پر تلوار چلائی گئی۔ بعض قبائل نے تو معاملے کو سمجھ کر صلح کر لی، مگر جنہوں نے مزاحمت کی، وہ شدید جنگ کا نشانہ بنے۔ یہ مظلوم طبقہ نہ صرف جنگ میں شہید ہوا بلکہ ان کے مال وزمین کو بھی غنیمت قرار دے کر ضبط کیا گیا۔ ان کی خواتین قیدی بنیں، اور بعض نے واپس اسلام قبول کر کے رہائی پائی۔

اختتامی تبصرہ

فتنۂ منع الزکوٰۃ اسلامی ریاست کے ابتدائی بحرانوں میں سے ایک تھا، جو نظمِ شریعت کے لیے فیصلہ کن مگر فکری وعملی اعتبار سے پیچیدہ مرحلہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی

پالیسی، اگرچہ اجتہادی بنیادوں پر مضبوط اور پوری امت کے حق میں ایک جرأت مندانہ اقدام تھا، لیکن اس کے نتیجے میں کچھ ایسے مظلوم بھی زیرِ ضرب آئے جو صرف لاعلم، نومسلم، یا جزوی منحرف تھے، اور مکمل طور پر منکر نہیں تھے۔ یہی مظلومین، جن میں نجد، یمامہ اور تیماء کے قبائل کے سادہ دیہاتی شامل تھے، تاریخِ اسلام کے ان گمنام کرداروں میں شمار ہوتے ہیں جن کی نیت خیر پر مبنی تھی، مگر حالات، فہم دین کی کمی، اور سیاسی سختی نے انہیں آزمائش میں ڈال دیا۔

مراجع ومصادر:

1-صحیح البخاری، کتاب الزکوٰۃ، حدیث:1400۔ 2-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص243، دار المعارف، مصر۔ 3-ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج6، ص305، دار الفکر، بیروت۔

حضرت مالک بن نویرہؓ

(شک، سیاست اور مظلوم شہادت)

اسلامی تاریخ کا ایک حساس اور نازک ترین باب وہ ہے جہاں تیزی، اجتہاد اور سیاست کے امتزاج سے بعض اصحاب پر ایسے الزامات اور اقدامات ثبت ہوئے جو بعد کے مؤرخین اور محدثین کے لیے بھی اختلاف کا سبب بنے۔ انہی میں

سے ایک واقعہ حضرت مالک بن نویرہؓ کی شہادت کا ہے، جسے اسلامی سنہ ۱۱ھ کے اہم اور دل گرفتہ واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔اس واقعہ میں جہاں ایک مجاہد صحابی حضرت خالد بن ولیدؓ کی عسکری بصیرت وسختی نظر آتی ہے، وہیں دوسری طرف حضرت مالک بن نویرہؓ کی مظلومیت بھی تاریخی صداقت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔یہ مضمون انصاف، شہادت، عسکری اقدام اور اجتہادی خطا کے امتزاج سے جنم لینے والی اس کہانی کی تحقیقی جھلک پیش کرتا ہے، جو''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کے زمرے میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔

حضرت مالک بن نویرہؓ: شخصیت اور مقام

حضرت مالک بن نویرہؓ قبیلہ بنی یربوع کے معزز اور فصیح اللسان شاعر وسردار تھے۔زمانہ نبوی میں ایمان لائے، اور بعض روایات کے مطابق نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر بھی ہوئے۔وہ اپنے قبیلہ میں نہایت اثر ورسوخ رکھتے تھے،اوران کی قیادت میں کئی افراد نے اسلام قبول کیا۔امام طبری نے لکھا: **وكان مالك بن نويرة من رؤساء بني يربوع، وكان قد أسلم وكان يؤذن لقومه، وكان يبعث بالصدقة إلى رسول الله** ﷺ (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج2،ص273، دارالمعارف)

واقعہ شہادت اور حضرت خالد بن ولیدؓ کا اقدام

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد جب فتنۂ ارتداد اور منع الزکوۃ پھیلنے لگا تو

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو عاملِ زکوٰۃ اور امیرِ لشکر بنا کر یمامہ واطراف کی طرف روانہ فرمایا۔ان ہی دنوں حضرت خالد بن ولیدؓ کی ملاقات حضرت مالک بن نویرہؓ سے ہوئی،جن پر دو الزامات لگائے گئے: 1-رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی میں توقف۔2-بعض اشعار میں مبہم الفاظ،جنہیں بعض نے سوءادبی سمجھا۔حضرت خالدؓ نے ان کی گفتگو،اوراس امر کو کہ ان کے قبیلہ میں مؤذن کی آواز بند تھی،ارتداد کی دلیل سمجھا۔چنانچہ ان کو قتل کا حکم دیا گیا۔روایات میں آتا ہے:**فأمر خالد بقتل مالک، فقتل، واختلف الصحابة فی أمره، وکان عمر یری أن فی الأمر شبهة** (ابن ابی شیبہ،المصنف،ج7،ص478،دارالفکر)

نکاح سیدۃ لیلیٰؓ اوراعتراضات

حضرت مالکؓ کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کی بیوہ سیدہ لیلیٰ بنت منہالؓ سے نکاح کیا۔اس پر بعض صحابہ،خصوصاً حضرت عمرؓ نے سخت اعتراض کیا،اورفرمایا:**قتل رجلاً مسلماً ثم نکح امرأته! إنه لیُرجمنی الشیطان بأن یطأ فی دمه!** ۔یہ اعتراض خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے دربار میں پیش کیا گیا۔بعض نے حضرت خالدؓ کی فوجی پوزیشن،موقع کی نزاکت،اور اجتہادی بنیاد کو ان کے اقدام کی توجیہ کے طور پر پیش کیا۔چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو سخت الفاظ میں تنبیہ تو کی،مگر قصاص یا معزولی سے اجتناب فرمایا۔ابن خلدون لکھتے ہیں:**کان فی أمر مالک شبهة عظیمة، وکان قتله اجتهاداً، ولکنّ نکاحه امرأته فی لیلة**

القتل کان موضع عتاب کبیر ..... (ابن خلدون، التاریخ، ج2، ص345، دارالفکر)

علمی واخلاقی تجزیہ

حضرت مالکؒ کی شہادت ایک ایسا واقعہ ہے جس پر اہلِ سنت والجماعت کا موقف واضح، مگر محتاط ہے۔ اہلِ حق کا اجماعی موقف یہ ہے کہ حضرت خالدؒ مجتہد تھے، اگر انہوں نے خطا کی تو ان کے اجتہاد پر اجر کا وعدہ موجود ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: **إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإن أخطأ فله أجر واحد** (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب الاجتہاد) لیکن اس کے ساتھ حضرت مالک بن نویرہؓ کی شخصی مظلومیت بھی ظاہر ہے، کیونکہ اس کا قتل مختلف قرائن کی بناء پر غلط فہمی یا سخت عسکری اقدام کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے۔ ایسے میں اہل السنۃ کے یہاں یہ اصول ہمیشہ رہتا ہے: **نحفظ مقام الصحابه، ونبكي على المظلومين، ولا نسب أحداً۔**

اختتامی تبصرہ

حضرت مالک بن نویرہؓ کی شہادت اس مظلومیت کی علامت ہے جو فتنہ ارتداد کے سخت دنوں میں، اجتہادی خطاؤں، عسکری فیصلوں، اور سیاسی تیزی کی نذر ہوئی۔ ان کا خون، اگرچہ بعض کے نزدیک اجتہادی فیصلہ تھا، مگر اہلِ علم کی نظر میں ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے، جو تاریخ اسلام کے ان صفحات میں رقم ہے جہاں مظلوموں کی صدائیں، شہداء کا خون، اور امت کی فکری تقسیم نمایاں ہے۔ یہی حضرت مالکؓ اور

ان جیسے افراد ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کے ان چمکتے ستاروں میں شامل ہیں، جن کی داستانیں نہ صرف عدل وانصاف کی گواہی دیتی ہیں، بلکہ اجتہاد وسیاست کے درمیان انسان کی محدودیت کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔

مراجع ومصادر:

1-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص273، دار المعارف، مصر۔
2-ابن ابی شیبہ، المصنف، ج7، ص478، دارالفکر، بیروت۔ 3-ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج2، ص345، دارالفکر، بیروت۔

اختتامیہ

(فتنہ ومظلومیت کا دورِ آغاز: خلافت کی پہلی آزمائشیں)

اسلامی سنہ 11 ہجری کو اگر امتِ مسلمہ کی اجتماعی تاریخ میں ایک نکتۂ انحراف کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، کیونکہ یہ وہ سال تھا جس میں رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد امت پہلی مرتبہ ایک قائدانہ خلا سے دوچار ہوئی۔ یہ ایسا مرحلہ تھا جہاں ایک طرف نبوت کی روشنی پیچھے رہ گئی، تو دوسری طرف امت کو نئے اور پیچیدہ فتنوں کا سامنا ہوا۔ خلافت کے انتخاب میں رائے کا اختلاف، زکوٰۃ کے انکار پر ہونے والی جنگیں، جھوٹے مدعیانِ نبوت کا خروج، اہلِ بیتؓ کی مظلومیت، اور اصحابِ قرآن کی المناک

شہادت، یہ سب واقعات اس ایک ہی سال میں پیش آئے۔ ان سب کے درمیان ایک مرکزی پہلو یہ ہے کہ مظلومینِ اسلام نے ان آزمائشوں میں جس صبر، استقامت اور قربانی کا مظاہرہ کیا، وہ تاریخِ اسلام کا روشن ترین ورق ہے۔

خلافت کی بنیاد پر نزاع اور انصار کی محرومی

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلا سیاسی قضیہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پیش آیا، جہاں خلافت کے لیے مشاورت کے بغیر فیصلہ ہوا۔ انصارِ مدینہ، جنہوں نے ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کی مدد کی تھی، اس عمل میں نظر انداز ہوئے۔ خصوصاً حضرت سعد بن عبادہؓ کی صورت میں ایک معزز اور وفادار صحابی، جو انصار کے امیدوار تھے، سیاسی طور پر الگ تھلگ پڑ گئے۔ اگرچہ معاملہ بعد میں دینی اخوت و بصیرت سے سنبھالا گیا، لیکن سقیفہ کے لمحاتی فیصلے نے امت کے اندر مستقبل کے اختلافات کی بنیاد رکھ دی۔ (طبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص235؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج1، ص132)

اہلِ بیتؓ کی تنہائی اور حضرت فاطمہ الزہراءؓ کی مظلومیت

حضرت فاطمہؓ، سیدۂ نساء اہل الجنۃ، کو فدک کے مطالبہ پر رد کر دینا، اور بعد میں ان کا خفا ہو کر حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات نہ کرنا، ان کے ساتھ ایک عظیم مظلومیت کا پہلو رکھتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات محض چھ مہینے بعد ہوگئی اور وصیت کے مطابق انہیں

رات کی تاریکی میں دفن کیا گیا (بخاری، کتاب الفرائض؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2، ص315)

جھوٹے مدعیانِ نبوت کا فتنہ

مسیلمہ کذاب، طلیحہ اسدی، سجاح، اسود عنسی جیسے جھوٹے مدعیانِ نبوت کا خروج صرف سیاسی بغاوت نہ تھی، بلکہ یہ فکری و دینی انحرافات کا ایک طوفان تھا، جس میں سب سے زیادہ مظلوم وہ مؤمنین بنے جنہوں نے ایمان پر ثابت قدمی اختیار کی۔ یمامہ کی جنگ میں ہزاروں حفاظ شہید ہوئے، جن کی قربانی کی بنیاد پر بعد میں قرآن کریم کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا۔ (طبری، ج2، ص256؛ بیہقی، دلائل النبوۃ، ج6، ص302)

حضرت مالک بن نویرہؓ کی شہادت

حضرت مالک بن نویرہؓ کا قتل بھی اسی سال ہوا، جو اجتہادی اختلافات کا نکتہ آغاز تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے اقدام کو بعض نے اجتہادی قتل قرار دیا، مگر حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے اعتراض کیا۔ سیدہ لیلیٰؓ سے نکاح پر بھی سخت تنقید ہوئی، اور اگرچہ حضرت ابوبکرؓ نے معاملے کو خاموشی سے نمٹا دیا، لیکن اس واقعے نے بعد کے مؤرخین کے لیے کئی سوالات چھوڑے۔ (ابن ابی شیبہ، ج7، ص478؛ ابن خلدون، ج2، ص345)

زکوٰۃ سے انکار اور دیہاتی قبائل کی آزمائش

نومسلم دیہاتی قبائل، جو دین کی جزئیات سے ابھی آشنا نہ تھے، جب زکوٰۃ کے مطالبے پر انکاری ہوئے تو ان پر تلوار چلائی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عقیدے

وشریعت کی حفاظت کے لیے سخت پالیسی اپنائی، مگر اس کے نتیجے میں کئی سادہ لوح مسلمان، جو دین سے پھرے نہ تھے، جنگ و جدال کا شکار ہوئے۔ (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج6، ص305)

مظلومین کی قربانیاں: اسلام کی بقاء کا ستون

ان تمام واقعات میں جو چیز سب سے نمایاں ہے، وہ مظلومین اسلام کی قربانیاں ہیں۔ وہ اصحاب جو ایمان پر ثابت رہے، وہ اہل بیت جو تنہا رہ گئے، وہ حفاظ جو قرآن کی حفاظت میں شہید ہوئے، وہ دیہاتی مسلمان جنہیں فہمِ دین نہ ہونے کے باوجود جنگ کا سامنا کرنا پڑا ان سب کی قربانیاں ہی تھیں جنہوں نے اسلام کو فتنۂ ارتداد، انحراف اور سیاسی انتشار سے بچا کر محفوظ رکھا۔ آج اگر قرآن محفوظ ہے، خلافت کا نظم باقی رہا، اور امت وحدت کے کسی نہ کسی دائرے میں منظّم ہوئی، تو وہ انہی مظلوموں کے صبر، خلوص، اور استقامت کی برکت سے ہوا۔

نتیجہ

اسلامی سنہ 11ھ خلافت کے قیام کا سال ضرور ہے، مگر یہ ساتھ ہی امت کے اندرونی فتنوں اور آزمائشوں کی ابتدا کا سال بھی ہے۔ اس سال کے مظلومین، چاہے وہ اہل بیتؓ ہوں یا انصار، حفاظ قرآن ہوں یا نومسلم قبائل، سب نے اسلام کی حفاظت کے لیے جو قربانیاں پیش کیں، وہ رہتی دنیا تک امت کے لیے ایک مشعلِ راہ

ہیں۔اسی لیے ہم کہتے ہیں: ان مظلوموں کے خون سے جو چراغ جلے، وہ آج بھی ہمارے ایمان کی روشنی ہیں!

مراجع ومصادر:

1-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج 2، دار المعارف۔ 2-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر۔3-ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر۔4-بخاری، صحیح البخاری، دار ابن کثیر۔5-ابن ابی شیبہ، المصنف، دار الفکر۔6-ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، دار الفکر۔7-بیہقی، دلائل النبوۃ، دار الکتب العلمیۃ۔8-ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، دار احیاء التراث۔

سنہ 12 ہجری کے اہم واقعات

معرکہ یمامہ کے بعد حفاظ وقراء کی شہادت قرآن کی حفاظت کا نقطۂ آغاز

اسلامی سنہ 12 ہجری، خلافتِ صدیقی کے دوسرے سال کا آغاز، اسلامی تاریخ میں ایک عظیم اور المناک باب کی حیثیت رکھتا ہے۔یہ وہ سال ہے جب جنگِ یمامہ کا خونی اور فیصلہ کن معرکہ اپنے اثرات کے ساتھ امت کے اجتماعی حافظے پر نقش ہوا۔

اس جنگ میں جہاں مرتدین کی کمر توڑی گئی، وہیں اسلام کے قاری، حافظ، اور علَم بردار صحابہؓ کی بڑی تعداد شہید ہوئی۔ یہ وہ مظلومین تھے جنہوں نے قرآنِ مجید کو سینوں میں محفوظ رکھا اور اسی امانت کے ساتھ اپنے جانوں کا نذرانہ دے دیا۔

یمامہ کی جنگ اور اس کا پس منظر

جنگِ یمامہ دراصل فتنۂ ارتداد کے خلاف ایک بڑی اور سخت جنگ تھی، جو جھوٹے مدعیِ نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی۔ مسیلمہ بن ثمامہ الکذاب نے یمامہ (علاقہ نجد) میں اپنی نبوت کا اعلان کیا، اور ہزاروں جاہل پیروکاروں کو مذہبی وقبائلی نعروں کے ذریعے اپنے گرد جمع کر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں ایک مضبوط لشکر روانہ فرمایا۔ اس لشکر میں جلیل القدر صحابہؓ، قراء، اور حفاظ شامل تھے۔ معرکہ شدید تھا، دشمن تعداد میں زیادہ تھا، اور لڑائی ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر لڑی گئی۔ صحابہؓ نے غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا لیکن ساتھ ہی یہ معرکہ امتِ مسلمہ کے لیے ایک زبردست زخم بھی چھوڑ گیا۔ صرف اسی جنگ میں ستر یا اس سے زیادہ حفاظِ قرآن شہید ہوئے، جن میں حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابوحذیفہؓ، یزید بن ثُبَیطؓ، اور دیگر جلیل القدر قراء شامل تھے۔

شہداء قراء وحفاظ کی مظلومیت

یہ وہ قافلہ تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قرآن حفظ کیا، اس کی

تعلیم دی، اور دین کی بنیاد بنے۔ ان کی مظلومیت اس اعتبار سے شدید ہے کہ وہ دین کے دفاع میں کٹ مرے، لیکن ان کی شہادت کے بعد امت کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر ایسے ہی قراء شہید ہوتے رہے تو قرآن کا حفظی تسلسل ختم ہو جائے گا۔ یہ احساس حضرت عمر بن الخطابؓ کو شدت سے ہوا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو متوجہ کیا کہ قرآن کو ایک جگہ جمع کرنا ضروری ہے تاکہ یہ امانت ضائع نہ ہو جائے۔ چنانچہ ان شہداء کی قربانی نے کتابتِ قرآن اور جمعِ مصحف کی بنیاد رکھ دی۔

قرآن کی حفاظت کا آغاز زید بن ثابتؓ کی ذمہ داری

حضرت زید بن ثابتؓ، جو کہ رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی اور نوجوان صحابی تھے، اُن کو حضرت ابوبکرؓ نے اس عظیم کام پر مامور فرمایا۔ صحیح بخاری میں ہے: عن زید بن ثابت قال: **أرسل إلیّ أبو بکر مقتل أهل الیمامة..... فتتبعت القرآن أجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال.** (بخاری، کتاب فضائل القرآن، حدیث: 4986)۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: مجھے حکم ملا کہ قرآن کو جمع کرو، چنانچہ میں نے اس کو پتوں، چمڑے، اور لوگوں کے سینوں سے جمع کیا۔ یہ اقدام نہ صرف فقہی وسیاسی لحاظ سے اہم تھا، بلکہ شہداء یمامہ کی مظلومیت اور قربانی کا فطری نتیجہ بھی تھا۔

مسیلمہ کذاب اور اس کی ظلم کی داستان

مسیلمہ کا فتنہ صرف عقیدے کی سطح پر نہ تھا، بلکہ عملی ظلم و جور سے بھرا ہوا تھا۔ وہ

اپنے ماننے والوں کو زبردستی دینِ اسلام سے پھیرتا، اور جو مسلمان اس کی نبوت کو نہ مانتے اُن پر سخت ستم کرتا۔ طبری لکھتے ہیں: **وکان مسیلمة یقتل من یخالفه من المسلمین، ویغری قبائل الیمامة علی من ثبت علی الإسلام من قومه** (تاریخ الطبری، ج2، ص260، دارالمعارف)۔ مسیلمہ ان مسلمانوں کو قتل کرواتا تھا جو اُس کی نبوت کو تسلیم نہ کرتے، اور یمامہ کی قبائل کو اسلام پر ثابت رہنے والوں کے خلاف بھڑکاتا تھا۔

مظلومین کا علمی مقام

حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ کو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: **خذوا القرآن من أربعة: ابن مسعود، ومعاذ بن جبل، وأُبی بن کعب، وسالم مولی أبی حذیفة** (بخاری، کتاب فضائل القرآن) قرآن کو ان چار سے حاصل کرو.....جن میں سالمؓ بھی شامل تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قراء وحفاظ کتنے عظیم المرتبت تھے، جن کی شہادتیں امتِ مسلمہ کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان تھیں۔

نتیجہ: مظلومین کی قربانی اور امت کا دینی استحکام

جنگِ یمامہ کے شہداء محض افراد نہ تھے، بلکہ امت کے زندہ قرآن تھے۔ ان کی شہادتوں سے امت کو یہ سبق ملا کہ دین کی حفاظت کے لیے قربانی دینا لازم ہے۔ انہی مظلومین کی قربانیوں کی بدولت قرآن آج بھی محفوظ ہے۔ یہی وہ مظلومین ہیں جنہوں نے اپنی جانیں دے کر قرآن کی حفاظت کو ممکن بنایا، اور انہی کی مظلومیت سے

کتابتِ مصحف کا سفر شروع ہوا۔

حوالہ جات:

1- بخاری، صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، حدیث:4986 ، دار ابن کثیر، بیروت۔2-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج2،ص260، دار المعارف، مصر۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج6، ص331، دار الفکر، بیروت۔ 4-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج2،ص344، دار صادر۔5-بیہقی، دلائل النبوۃ، ج6،ص308، دار الکتب العلمیۃ۔

معرکہ اجنادین اور مظلوم مجاہدین کی قربانیاں

اسلامی سنہ 12 ہجری کی تاریخ، مجاہدینِ اسلام کی قربانیوں اور مظلومیت کے وہ نقوش پیش کرتی ہے جن کی روشنی آج بھی تاریخ کے صفحات کو منور کرتی ہے۔ اس سال سلطنتِ روم کے خلاف پہلا عظیم الشان معرکہ اجنادین کے نام سے پیش آیا، جو بلاشبہ تاریخِ اسلام میں فدائیت، غربت، صبر، اور جذبۂ شہادت کا ایک منفرد نمونہ ہے۔

شام کے محاذ پر پہلا بڑا معرکہ

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی لشکر نے فتنۂ ارتداد پر

قابو پالیا، تو بیرونی محاذ کی طرف توجہ دی گئی۔ شام کی سرزمین، جو بازنطینی سلطنت کے زیرنگیں تھی، اسلام کی دعوت کے لیے ایک نیا محاذ بنی۔ اجنادین وہ مقام تھا جہاں رومی افواج نے اسلامی لشکر کا راستہ روکنے کے لیے جماؤ اختیار کیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو شام کی طرف روانہ کیا گیا اور دیگر صحابہ جیسے ابوعبیدہ بن الجراحؓ، شرجیل بن حسنہؓ، عمرو بن العاصؓ بھی اس مہم میں شریک ہوئے۔ طبری اور ابن الاثیر کے مطابق: **فجمع الروم جيشاً عظيماً بأجنادين، فسار إليهم المسلمون في حرّ شديد وقلة زاد، وكان النصر لهم بعد مشقة عظيمة ودماء كثيرة** (الطبری، ج2، ص270)

سخت موسم، قلتِ وسائل، قریبی شہادتیں

اجنادین کا میدان گرمی کی شدت، قلتِ زاد، اور کثیر العدد دشمن کے سبب انتہائی مشکل مرحلہ بن گیا۔ اسلامی لشکر کی حالت ایسی تھی کہ نہ مناسب خوراک، نہ ساز وسامان، نہ موزوں لباس مگر ایمان، توکل، اور شہادت کی طلب نے ان تمام کمیوں کو مغلوب کرلیا۔ ابن اثیر رقم طراز ہیں: **وكان المسلمون يقاتلون بالرماح الخشنة، والنعال المهترئة، والبطون خاوية، ومع ذلك ثبتوا حتى زلزلوا جيوش الروم** (الکامل فی التاریخ، ج2، ص330)۔ ان مجاہدین کی مظلومیت یہی تھی کہ اُن کے پاس دنیاوی اسباب نہ تھے، اور دشمن ایک تربیت یافتہ، ساز وسامان سے لیس، منظّم سلطنت کی فوج تھی۔ اس کے باوجود اسلامی لشکر نے استقلال دکھایا، اور فتح ان کا مقدر بنی۔

رومی افواج کا سفاک سلوک

رومی سلطنت کی افواج جب بھی کسی علاقے پر قابض ہوتیں، تو مسلمانوں کو نہایت ظلم وستم کا نشانہ بناتیں۔ اجنادین کے میدان میں بھی جن مسلمان قیدیوں کو گرفتار کیا گیا، ان کے ساتھ بدترین سلوک کیا گیا۔ بلاذری نقل کرتے ہیں: **وكان الروم يسحبون المسلمين الأسرى من الأرجل ويقطعون أيديهم، ليكونوا عبرة لمن بقي** (فتوح البلدان، ص117، دارومکتبۃ الہلال)۔ یہ طرزِ ستم فقط جنگی ظلم نہ تھا، بلکہ اسلام سے انتقام اور دینی شعائر کی توہین تھی۔ مگر ان قیدیوں نے صبر واستقامت سے اس ستم کو جھیلا اور دین کی عزت پر قربان ہوگئے۔

فقیر ومجاہد عرب لشکر ایک مثالی مظلوم طبقہ

اجنادین میں شریک لشکر، جن کی اکثریت اہلِ مدینہ، اہلِ یمن، اور نومسلم عرب قبائل پر مشتمل تھی، وہ معاشی اعتبار سے فقیر، زادوراحلہ کے اعتبار سے کمزور، اور قبائلی حیثیت سے غیر متمکن تھے۔ ان کی مظلومیت یہ تھی کہ انھوں نے بڑی سلطنت کے مقابل کھڑے ہوکر ایمان کی بنیاد پر جان دی، نہ کہ کسی مادی مفاد یا سیاسی غلبے کی امید پر۔ ابن کثیر کے الفاظ ہیں: **ولم يكن لهم عون من الدنيا، إلا قوة الإيمان، فكان النصر من الله، وكانت الدماء ثمن الفتح** (البدایہ والنہایہ، ج6، ص345)

مظلومین کی قربانی، امت کا فخر

اجنادین کے میدان میں ہزاروں مسلمانوں کی شہادت ہوئی۔ان کی تعداد، نام، اور حالات مکمل تفصیل سے تو مؤرخین نے درج نہیں کیے، لیکن ان کا صبر، فقر، اور شہادت اسلام کے لیے وہ نورانی نشانیاں چھوڑ گیا جس پر امت آج بھی فخر کرتی ہے۔ یہ شہداء، گو کہ انسانی لحاظ سے کمزور، غیر معروف، اور نادار تھے، مگر حقیقت میں وہی اسلام کے وقار کے محافظ اور مظلوم فاتح تھے۔اُن کی عظمت اور مظلومیت کو امت کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

حوالہ جات:

1-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج2، ص330، دار الکتب العلمیہ، بیروت 2-بلاذری، فتوح البلدان، ص 117، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت۔ 3-طبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص270، دار المعارف، مصر۔ 4-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج6، ص345، دار الفکر، بیروت۔

فارس میں قبیلہ بنی تغلب کے نومسلموں پر ظلم

(اسلامی سنہ 12 ہجری کے مظلومین جہاد، اجتہاد اور قربانی کی راہ)

اسلام کی ابتدائی صدی میں جہاں ایک طرف اسلامی ریاست مدینہ سے نکل

کر عالمی سطح پر وسعت پا رہی تھی، وہیں دوسری طرف ان نئے ایمان لانے والے قبائل کو ظلم، جبر، اور تہمتوں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ فارس (ایران) کے اطراف میں آباد عرب قبائل میں خصوصاً بنو تغلب، بنی بکر، اور دیگر نومسلم قبائل نے جب اسلام قبول کیا، تو ان پر مجوسی سلطنتِ ساسان کا قہر نازل ہوا۔ سنہ 12 ہجری میں یہ ظلم اپنے عروج پر تھا۔

نومسلم عرب قبائل کا ایمان لانا

اسلام کی دعوت جب عراق اور فارس کے کنارے تک پہنچی تو متعدد عرب قبائل، جو وہاں تجارتی، بدوی یا مزارعی حیثیت سے آباد تھے، انہوں نے اسلام کی حقانیت کو پہچان کر دل سے اسے قبول کیا۔ ان میں بنو تغلب، بنی بکر بن وائل، عبدالقیس، اور دیگر قبائل شامل تھے۔ یہ قبائل اگرچہ فارس کے زیرِ نگیں تھے، مگر اسلامی دعوت سے متأثر ہو کر اپنی مرضی سے دینِ حق میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان قبائل کے ایمان کو خوش آئند قرار دیا اور ان سے جزیہ نہیں لیا گیا، بلکہ انھیں اسلام کے تابع رعایا شمار کیا گیا۔

مجوسی وساسانیوں کی سختی، قتل، جلاوطنی

ساسانی سلطنت، جو مجوسیت کی علمبردار تھی، نے ان نومسلموں کے قبولِ اسلام کو سیاسی خطرہ اور مذہبی بغاوت سمجھا۔ ان کے خلاف فوجی کاروائیاں کی گئیں، انہیں مرتد قرار دیا گیا، اور زبردستی زرتشتی بنانے کی کوشش کی گئی۔ مگر جب ان قبائل نے دینِ اسلام

سے دستبردار ہونے سے انکار کیا، تو ظلم وستم کا بازار گرم ہوا۔ امام طبری روایت کرتے ہیں: **وغضب رستم وبعث إلى بطون تغلب وبكر، من آمن منهم بالقرآن، فخيرهم بين المجوسية أو السيف، فاختاروا الإسلام فقاتلهم حتى قتل كثير منهم ونُفي الباقون** (تاریخ طبری، ج2، ص282، دارالمعارف)۔ یہی حقیقت ابن خلدون کے الفاظ میں یوں بیان ہوئی **{وكانت فارس ترى الإسلام عدواً حضارياً ودينياً، فكانوا يُمعنون في التنكيل بكل من انتسب إليه من قبائل العرب في أرضهم** (تاریخ ابن خلدون، ج2، ص411، دارالفکر)

اجتماعی مظلومیت: قتل، اسارت، اور ہجرت

ساسانی افواج نے ان قبائل پر تابڑ توڑ حملے کیے۔ مردوں کو قتل کیا گیا، عورتوں اور بچوں کو غلامی میں بیچا گیا، اور قبیلہ کے افراد کو عراق کے بیابانوں کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ یہ مظلومین نہ صرف سیاسی، بلکہ دینی حیثیت سے بھی قربانی کی عظیم مثال بنے۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے حق کو پہچانا اور توحید کو اختیار کیا۔ بلاذری لکھتے ہیں: **فنكل المجوس ببني تغلب، وجرّدوهم من ديارهم، حتى صاروا يتخفون بإسلامهم، ومنهم من التحق بجيوش المسلمين في الكوفة** (فتوح البلدان، ص122، دارومکتبۃ الہلال) یہ تاریخی بیانات اس بات پر شاہد ہیں کہ ان مظلوم نومسلموں نے، باوجود کثیر جانی و مالی نقصان کے، اپنے ایمان پر استقامت اختیار کی۔ ان کی قربانی نے اسلامی معاشرے کو نہ صرف عددی قوت دی

بلکہ ایمانی استحکام بھی فراہم کیا۔

مظلومین کی دینی عظمت

ان قبائل کے افراد بعد میں اسلامی فتوحات میں پیش پیش رہے۔ بنو تغلب کے سرداروں نے بعد میں سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں لشکر شام وعراق میں شمولیت اختیار کی۔ ان کی نسلوں نے علم و دیانت میں اپنا نام پیدا کیا۔ گو کہ ان پر ابتدائی ظلم بڑا اور بے رحم تھا، مگر اللہ نے ان کے اخلاص کو عزت کا لباس پہنا دیا۔

ظالم اور مظلوم کا تاریخی مقام

ظالم ساسانی سلطنت، مجوسی پادری، اور فارس کے گورنر مظلوم: بنو تغلب، بنی بکر، نومسلم عرب، خصوصاً عورتیں اور بچے ان مظلوموں کی داستان، دراصل اسلام کے آغاز میں اُن طبقات کی نمائندگی کرتی ہے جنہیں ایمان کی قیمت اپنی جان سے ادا کرنی پڑی۔ ان کی مظلومیت، دین کی صداقت اور عزیمت کا ایک روشن چراغ ہے۔

حوالہ جات:

1- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص282، دار المعارف، مصر۔
2- ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج2، ص411، دار الفکر، بیروت۔ 3- البلاذری، فتوح البلدان، ص122، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت۔

یرموک کی تمہید بیعتِ موت اور مردانِ وفا کی مظلومیت

اسلامی تاریخ کا سنہ 12 ہجری وہ عظیم سال ہے جس میں اسلام نے شام کی سرحدوں پر رومی سلطنت (بازنطینی ایمپائر) سے ٹکرانے کی تیاری کی۔ یرموک کے میدان میں خونیں معرکہ 13 ہجری میں مکمل ہوا، مگر اس کی سیاسی و عسکری تمہید اسی سال شروع ہو چکی تھی۔ اسلامی افواج کا ابتدائی قیام، رومیوں کی خفیہ چالیں، مسلمانوں کی فاقہ کشی، اور سب سے بڑھ کر وہ بیعتِ وفا جسے مؤرخین نے بیعت الموت (بیعت بر مرگ) کہا ایک ایسا لمحہ ہے جو مظلومیت، وفاداری اور ایمانی غیرت کا مرقع ہے۔

بیعتِ موت کا واقعہ، فاقہ، اور وفاداری

جب اسلامی لشکر روم کی سرحدوں پر پہنچا تو بازنطینی افواج نے بے پناہ قوت کے ساتھ دفاعی صف بندی کی۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، خالد بن ولیدؓ اور یزید بن ابی سفیانؓ کی سربراہی میں اسلامی لشکر کم وسائل، کم افرادی قوت اور شدید سردی و بھوک کی حالت میں خیمہ زن تھا۔ یہ وقت اتنا کٹھن اور نازک تھا کہ بہت سے مجاہدین کو فاقہ کشی اور جسمانی کمزوری کا سامنا تھا۔ مگر اس کے باوجود حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک موقع پر مجاہدین کو جمع کیا اور ایک خصوصی بیعت لی جسے تاریخ نے بیعت الموت کا نام دیا۔ اس بیعت کا مطلب یہ تھا کہ وہ تمام مجاہدین یا تو فتح حاصل کریں گے یا جان

دے دیں گے، مگر میدان چھوڑ کر پیچھے نہ ہٹیں گے۔ابن کثیر اس بیعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:**فتقدم خالد بن الوليد فخطب الناس، فبايعوه على الموت، وكانت من أعظم البيعات التى عُهدت فى الإسلام** (البدایہ والنہایہ، ج7،ص16، دارالفکر)

رومی فوجوں کی خفیہ چالیں، قید ومظالم

رومی کمانڈروں نے اسلامی افواج کو کمزور کرنے کے لیے نہایت چالاکی سے عسکری جاسوسی اور فتنہ اندازی کی مہمات شروع کیں۔ان کے بعض گشتی دستے اسلامی حدود میں گھس آتے، مسلمانوں کو قیدی بناتے اور سخت ظلم وتعذیب کا نشانہ بناتے۔واقدی کے مطابق: **قد أسر الروم من المسلمين طائفة فمثلوا بهم، وعلّقوا بعضهم على أسوار دمشق، ليوقعوا الرعب فى قلوب العرب** (المغازی، ج3،ص1124، دارالاً علم) یہ مظلوم مسلمان قیدی، جن میں اکثر کمزور طبقے اور غیر معروف صحابہؓ وتابعینؒ تھے، بازنطینی قلعوں میں زنجیروں سے باندھ کر رکھے گئے۔ان پر سردی، بھوک، اور جسمانی تشدد کے پہاڑ توڑے گئے تاکہ اسلامی لشکر کا حوصلہ پست ہو۔مظلومین کی نمائندگی غرباء صحابہؓ، قیدی، شہدائان مظلومین میں وہ لوگ نمایاں تھے جو اسلام کے اولین عقائد پر ڈٹے رہے، مگر وسائل سے محروم تھے۔ان میں حبشی، یمنی، قریشی غیر سرداری افراد، اور دیگر نچلے طبقات شامل تھے، جنہوں نے ایمان کی طاقت سے تاریخ میں اپنا مقام بنایا۔ان پر نہ صرف دشمنوں کا ظلم ہوا،

بلکہ فاقہ، اجنبی زمین، بے سروسامانی، اور وطن سے دوری بھی ان کے لئے مظلومیت کے مستقل اسباب تھے۔امام طبری فرماتے ہیں: **وكان أكثر جيش خالد من فقراء المهاجرين والأنصار، ولكنهم بايعوا على الموت حتى كتب الله لهم التمكين** (تاریخ طبری، ج2،ص288،دارالمعارف)

ظلم اور مظلومیت کا تاریخی توازن

ظالم بازنطینی عسکری قوت، ان کی خفیہ ایجنسیاں، اور غیر انسانی رویہ مظلوم: غرباء صحابہؓ، تابعین، بیعتِ موت کرنے والے، اور وہ قیدی جنہیں نہایت بے رحمی سے مارا یا باندھا گیا۔

قربانی کی روح: ایمان، وفاداری، شہادت

یہی وہ مظلومین تھے جنہوں نے اپنی غربت، بھوک، اور اجنبی سرزمین میں بے کسی کے باوجود، اپنے ایمان کو فروخت نہیں کیا۔ان کی وفا کی بیعت کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور آنے والے برسوں میں ان کی مظلومیت، تاریخِ اسلام کا ایسا سنہری باب بنی جو آج بھی اہلِ ایمان کو صبر، استقامت، اور قربانی کا پیغام دیتی ہے۔

حوالہ جات:

1-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2،ص288، دار المعارف، مصر۔
2-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 16، دارالفکر، بیروت۔ 3-الواقدی،

المغازی، ج3، ص1124، دارالأعلم، بیروت۔

عراق کی فتوحات میں نومسلم قبائل پر داخلی سختیاں

جب اسلامی لشکر نے عراق کی سرزمین پر قدم رکھا تو یہ ایک عظیم دینی وسیاسی تبدیلی کا نقطۂ آغاز تھا۔ اہلِ فارس کی ساسانی حکومت اگرچہ کمزور ہو چکی تھی، لیکن ان کے زیر اثر نومسلم عرب قبائل اور مقامی غیر عرب عوام کو اچانک ایک نئے اسلامی نظام، اجتہادی عسکری نظم اور اقتصادی تقسیم کے ایسے نئے قوانین کا سامنا ہوا، جن کی تعبیرات میں وقتاً فوقتاً شدت، مغالطہ اور بعض معاملات میں بے انصافی بھی محسوس کی گئی۔

اسلامی نظام کا فوری نفاذ اور اجتہادی دقتیں

عراق کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ، مثنیٰ بن حارثہؓ اور دیگر سردارانِ لشکر نے اسلامی احکام کے فوری نفاذ کو یقینی بنایا، جس میں نماز، زکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، اور دیگر احکام شامل تھے۔ مگر نومسلم قبائل، جو حال ہی میں اسلام میں داخل ہوئے تھے اور جنہیں ابھی دینِ جدید کی باریکیوں کا مکمل شعور حاصل نہ تھا، ان پر یکا یک فقہی وعسکری نظم کا سختی سے نفاذ ان کے لیے ایک آزمائش بن گیا۔ بلاذری کے مطابق:

فدخلت قبائل من بنی تمیم ومضر فی الإسلام، فلم یفقهوا الأحکام فأنکروا ما فُرض علیهم من الصدقات والخراج (فتوح البلدان، ص130، دار

ومکتبۃ الہلال)۔ یہ حالات اس بات کا اظہار تھے کہ اجتہادی احکام اور سخت عسکری نظم کے اثرات کو نومسلم معاشرت کے سماجی ونفسیاتی مزاج کے مطابق مرحلہ وار نافذ کرنے کی ضرورت تھی، جس میں اس وقت کی جنگی صورتحال نے کئی پیچیدگیاں پیدا کیں۔

غنیمت کی تقسیم اور مظلوم موالی

جنگِ اُلَیس، جسر اور بویب جیسے معرکوں کے بعد اسلامی افواج نے بڑی مقدار میں مالِ غنیمت حاصل کیا۔ تاہم، بعض جنگی سرداروں اور سپاہیوں نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں کچھ ایسے فیصلے کیے جن میں موالی (غیر عرب نومسلم) اور اسیرانِ جنگ کے ساتھ انصاف نہ ہو سکا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ غنیمت کی تقسیم میں عرب و غیر عرب کے درمیان تفاوت برتا گیا، جو نومسلم موالی کے لیے ظلم کا باعث بنا۔ ابن خلدون اس مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكان بعض أمراء الجند يعامل الموالي في الفيء معاملة العبيد، ولم يكن ذلك على سنن العدل الذي أمر به الإسلام** (تاریخ ابن خلدون، ج2، ص432، دارالفکر)۔ یہ رویہ اگرچہ پوری امت یا خلافت کی پالیسی نہیں تھی، مگر بعض مجاہدین کے ذاتی اجتہادات اور قبائلی تعصب نے اس عمل کو جلا دی، جو فکری و معاشرتی مظلومیت کا سبب بن گیا۔

مظلومین کی حالت: نومسلم قبائل، موالی، اور اسیر

ان مظلومین میں موالی، نومسلم دیہاتی، اور جنگی اسیران خاص طور پر شامل

تھے، جنہیں ایک طرف فارس کی ساسانی حکومت کے جبر اور دوسری طرف نئے اسلامی نظم کی سختیوں کا سامنا تھا۔ کئی افراد کو شک کی بنیاد پر اسیر بنایا گیا، کئی کو مناسب فہمِ دین کے بغیر مالی ذمہ داریوں میں جکڑا گیا، اور بعض علاقوں میں مالِ غنیمت کے معاملے میں انصاف کے فقدان کا سامنا رہا۔ امام طبری کے مطابق: **وكان في سواد العراق من دخل الإسلام متأخراً، فوقع عليهم التشديد في الأحكام قبل أن يتعلموا الدين، فشكوا إلى قادتهم ولم ينصفهم بعضهم** (تاریخ طبری، ج2، ص290، دارالمعارف)

ظالم اور مظلوم کی تعیین

ظالم بعض اجتہادی عسکری احکام، غنیمت میں ذاتی میلانات، قبائلی تعصب مظلوم: نومسلم قبائل، غیر عرب موالی، اور وہ عوام جن پر نظام کی پیچیدگی فوری نافذ کی گئی۔

تجزیہ اور تنقیدی بصیرت

یہ مرحلہ اس امر کی یاددہانی ہے کہ دینِ اسلام کا عدل اگرچہ جامع و کامل ہے، لیکن اس کے نفاذ میں انسانی اجتہاد اور بشری کمزوریوں کی آمیزش تاریخ میں بعض مواقع پر مظلومیت کا سبب بنی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی خود احتسابی، مشاورت، اور اصلاحی اجتہاد کا تسلسل جاری رہا۔

حوالہ جات:

1-بلاذری، فتوح البلدان، ص 130، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت۔
2-الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج2، ص290، دار المعارف، قاہرہ۔ 3-ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج2، ص432، دار الفکر، بیروت۔

اختتامیہ

(اسلامی سنہ 12 ہجری کے مظلومین)

اسلامی سنہ 12 ہجری بظاہر فتوحات، فتحِ عراق و شام کی پیش قدمیوں، خلافتِ راشدہ کی تنظیم نو اور عدالتی و مالیاتی بنیادوں کی تقویت کا سال تھا، مگر حقیقت میں یہ ایک ایسا سال بھی تھا جو امتِ مسلمہ کے مخلص ترین افراد کے خون سے تر، اُن مظلومین کے صبر و ثبات سے تابناک، اور اُن شہداء کے ایثار سے منور تھا جنہوں نے اسلام کی ابدی روشنی کی قیمت اپنے جسم و جاں سے چکائی۔

شہداءِ قراء و حفاظ: (یمامہ کی اذیتیں اور قرآن کی حفاظت کا آغاز)

جنگ یمامہ، اگرچہ اسلامی عسکری کامیابیوں میں ایک اہم سنگِ میل تھی، لیکن اس نے امت کو ایک بے مثال قربانی سے روشناس کرایا: سالمؓ مولیٰ ابوحذیفہؓ،

زید بن خطابؓ، اور سینکڑوں قراء وحفاظ کی شہادت۔ ان کی مظلومیت صرف جسمانی نہیں بلکہ علمی بھی تھی کیونکہ ان کے جانے سے قرآنِ کریم کی زبانی حفاظت کو ایک شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا، جسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی سربراہی میں باضابطہ جمعِ قرآن کی شکل دی۔ **فقد قُتل یوم الیمامة من القرّاء سبعون** (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، حدیث:4986)۔ **فخشوا أن یُصاب من القُرّاء مثلهم فی المواطن فکان أمر الجمع** (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج6، ص331، دارالفکر)۔ یہ وہ شہداء تھے جنہوں نے نہ صرف اسلام کی نظریاتی اساس (قرآن مجید) کی حفاظت کے لیے جان دی بلکہ ان کی شہادت خود جمعِ قرآن کا محرک بنی۔

اجنادین ویرموک کے مظلومین: فاقہ، غربت، اور وفاداری

شام کے محاذ پر اجنادین کی جنگ ایک عظیم الشان معرکہ تھی، جہاں مجاہدین نے شدید قلتِ رسد، وسائل کی عدم دستیابی، اور موسم کی سختیوں کے باوجود ایسی قربانی دی جو تاریخ کے صفحات پر رقم ہے۔ ان میں اکثر وہ لوگ تھے جن کے بدن پر پورا لباس نہ تھا، مگر دل جہاد سے معمور تھا۔ ابن الاثیر لکھتے ہیں: **قاتلوا العدوّ فی ثیاب مرقعة وأبدان هزیلة، وکانوا یجوعون ویصبرون** (الکامل فی التاریخ، ج2، ص330، دارالکتب) اسی طرح بیعتِ موت کے عظیم واقعہ میں، جو یرموک کی تمہید تھی، غرباء صحابہؓ، تابعین، اور نومسلموں نے ایسی وفا کا مظاہرہ کیا جو ان کی مظلومیت کے ساتھ ساتھ ان کے مقامِ عظمت کو بھی بلند کرتا ہے۔

عراق وفارس کے نومسلمین: اجتہادی سختی اور اجتماعی بے بسی

جب اسلامی افواج نے عراق اور فارس میں داخل ہوکر وہاں فتوحات کی بنیاد رکھی تو بہت سے نومسلم قبائل اور موالی کو ایسے فقہی وعسکری نظم ونسق کا سامنا ہوا جو ان کے لیے نیا اور بسا اوقات سخت بھی تھا۔ بعض جگہ غنیمت کی تقسیم، جنگی اسیران کے حقوق، اور جزیہ وخراج کے احکام میں شدت، ان نومسلمین کے لیے آزمائش بن گئی۔ **وكان بعض أمراء الجند يُغلّبون الاجتهاد دون مراعاة حال الداخلين في الإسلام حديثاً، فتضرر كثير من الموالي** (تاریخ ابن خلدون، ج2، ص432، دارالفکر) ان مظلومین میں خصوصاً بنی تغلب، بنی بکر، اور دیگر عرب نومسلم قبائل شامل تھے جنہیں مجوسی سرداروں نے ستایا، بے دخل کیا، یا شہید کر دیا۔

نتیجہ: مظلومین کا خون، اسلام کی عزت وبقا کی علامت

یہ وہ مظلومین تھے جو نہ بادشاہ تھے، نہ سردار، نہ فقیہ وقاضی مگر ان کی قربانی اسلام کی روحانی وعملی بقاء کی بنیاد بنی۔ قرآن کی حفاظت ہو یا شام وعراق کی فتح، جنگی صفوں کی وفا ہو یا اجتہادی نظم کا استحکام ان سب میں ان مظلومین کا ایثار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ان مظلومین کی سادگی، غربت، خاموشی اور استقامت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ اسلام کی روشنی صرف تلوار سے نہیں بلکہ مظلوموں کے صبر، قراء کے خون، اور غرباء کے سجدوں سے بھی روشن ہوئی ہے۔

حوالہ جات:

1-صحیح البخاری، کتاب المغازی، وکتاب فضائل القرآن، دارطوق النجاۃ۔
2-البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر، ج6، ص331، دارالفکر، بیروت۔ 3-تاریخ طبری، محمد بن جریرالطبر ی، ج2، ص260-288، دارالمعارف، قاہرہ۔4-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج2، ص330، دارالکتب، بیروت۔ 5-فتوح البلدان، بلاذری، ص122-130، دارومکتبۃ الہلال۔

سنہ 13 ہجری کے اہم واقعات اور مظلومین کی داستانیں

(جنگ النمارق: فتحِ عراق کی تمہید اور مظلوم عوام کی صدائے فغاں)

اسلامی تاریخ کا سال 13 ہجری ان واقعات میں سے ایک ہے جو نہ صرف اسلامی فتوحات کی رفتار کو سرعت بخشتا ہے بلکہ بعض الم انگیز اور مظلومیت سے بھرپور مناظر کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔عراق کے محاذ پر پیش آنے والی جنگ النمارق اسی سلسلے کی ایک اہم اور فیصلہ کن جنگ تھی جس کی قیادت سیف اللہ المسلول حضرت خالد بن ولیدؓ کے دستِ تدبیر میں تھی، اور جس میں اہلِ اسلام نے مجوسیوں کے ایک طاقتور جرنیل جابان کو شکست دے کر عراق کے فتوحات کی بنیاد رکھی، لیکن اس فتح کے بعد بعض مفتوحہ دیہاتوں کے عوام خصوصاً مجوسی رعایا پر پیش آمدہ مظالم نے اسلامی

فتوحات کے عدل پسندانہ اور رحم وکرم پر مبنی اصولوں کے بالمقابل ایک لمحۂ فکریہ کو جنم دیا۔

معرکہ النمارق: جغرافیہ وقیادت

یہ جنگ عراق کے علاقہ نمارق میں محرم الحرام 13 ہجری میں واقع ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا رخ عراق کی طرف ہوا، تو حضرت خالد بن ولیدؓ کو جزیرہ اور عراق کی مہمات کے لیے بھیجا گیا۔ اس وقت ساسانی سلطنت کے حکام اپنے زوال کے قریب تھے، لیکن پھر بھی دفاعی اعتبار سے وہ نہایت طاقتور اور منظّم تھے۔ میدانِ نمارق میں مسلمانوں کے مقابل ایرانی افواج کی قیادت جرنیل جابان کے ہاتھ میں تھی۔ مؤرخین کے مطابق، اگرچہ ایرانی لشکر عددی اعتبار سے مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھا، لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ کی عسکری فراست، مجاہدانہ حوصلہ، اور اہلِ ایمان کے جذبۂ شہادت نے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ بلاذری اس جنگ کی تفصیل بیان کرتے ہیں: **فَالتَقَوا بِالنَّمَارِقِ فَقاتَلَهُم خالِدٌ قتالًا شَدِيدًا وَقَتَلَ جَابَانَ وَمَعَهُ جَماعةٌ كَثِيرَةٌ فَكانَتِ الدّائِرَةُ عَلَى الفُرسِ وَظَفِرَ المُسلِمونَ بِالنّصرِ** (فتوح البلدان، ص:257، دار الغرب)

فتح کے بعد کی فضا اور مظلوم رعایا کی آہیں

اگرچہ یہ جنگ عسکری لحاظ سے مسلمانوں کی عظیم فتح تھی، لیکن جیسا کہ تاریخ میں بعض اوقات ہوتا ہے کہ جنگ کے بعد نظم وضبط کی وقتی کمی اور بعض سپاہیوں کے

ذاتی رویّے عوامی سطح پر ظلم کا باعث بن جاتے ہیں، اسی طرح جنگ النمارق کے بعد بھی کچھ ایسے ہی مناظر پیش آئے۔ بلاذری اور خلیفہ بن خیاط نے ان واقعات کا اختصار سے تذکرہ کیا ہے کہ بعض دیہاتی علاقوں میں مجوسی عوام، خصوصاً غیر محارب اور کمزور طبقے، بعض مسلم فوجیوں کی زیادتیوں کا شکار ہوئے۔ ان زیادتیوں میں مال ومتاع کی بے جا ضبطی، بعض گھروں پر چڑھائی، اور عمومی خوف وہراس کی فضا کا پھیلنا شامل تھا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کو جب ان امور کی اطلاع ملی تو آپ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ آپ نے نہ صرف متنبہ کیا بلکہ بعض روایات کے مطابق متعین افسران سے باز پرس بھی کی۔ خلفائے راشدین کے دور کی عدل وانصاف پر مبنی پالیسیوں کا یہی وہ درخشندہ پہلو ہے کہ جب بھی کسی مفتوح قوم یا رعایا پر ظلم ہوتا، تو خلفاء اس کو اللہ اور رسولؐ کے امان کی خلاف ورزی تصور کرتے۔ تاریخ خلیفہ بن خیاط میں مذکور ہے: **وَكَانَ بَعضُ العَسَاكِرِ قَد غَلَوا فِي الفُتُوحِ فَبَلَغَ ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ فَكَتَبَ إِلَى خَالِدٍ بِالتَّوْقِيفِ عَنِ الظُّلْمِ وَالْفَسَادِ** (تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص: 97، دار الکتب العلمیۃ)

عدلِ فاروقی کی کرنیں

حضرت عمرؓ کا دور خلافت فتوحات کی وسعت کے ساتھ عدل وانصاف کی روشنی سے بھی معمور تھا۔ ان کا یہ فرمان تاریخ کے صفحات میں آج بھی محفوظ ہے: **متى استعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحراراً؟** اسی بنیاد پر وہ مفتوح اقوام

کے حقوق کی ضمانت دیتے تھے، اور اگر کہیں ان کی رعایا پر ظلم ہوتا تو اسے شخصی زیادتی سمجھتے ہوئے اس کا تدارک فرماتے۔

ایک مظلوم قوم کا نوحہ

ساسانی سلطنت کے زیرِ اثر مجوسی عوام اگرچہ دینی لحاظ سے غیر مسلم تھے، لیکن جب وہ اہلِ اسلام کے زیرِ سایہ آئے تو شرعی اصولوں کے مطابق ان کی جان، مال اور عزت کو مکمل تحفظ ملنا لازم تھا۔ خلفائے راشدین کے دستور کے مطابق ذمی رعایا کو نہ صرف مذہبی آزادی حاصل تھی بلکہ ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی مسلمانوں کے ذمے تھی۔ لیکن اگر کسی موقع پر ان اصولوں سے انحراف ہوا تو وہ انفرادی، وقتی، اور خلافِ شریعت اقدام تھا، جسے عدلِ اسلامی کی نمائندگی ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لہٰذا، جنگ النمارق کے پس منظر میں جب ہم مظلوم عوام کی صداؤں کو سنتے ہیں، تو ایک درد بھرا منظر سامنے آتا ہے جو اسلامی عدالت و شریعت کے اصولوں کے خلاف ہے اور جس کا محاسبہ خود خلفاء راشدین کے ذریعہ ہوا۔

نتیجہ

جنگ النمارق، جہاں ایک جانب اسلامی فتوحات کے دروازے وا کرتی ہے، وہیں دوسری جانب انسانی حقوق کی پامالی کا ایک مختصر اور عبرت آموز باب بھی پیش کرتی ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی عسکری مہارت اور حضرت عمرؓ کی عدل پر مبنی

حکمرانی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ اسلام میں فتح ظلم کے ذریعے نہیں بلکہ عدل ورحم کے ساتھ معتبر سمجھی جاتی ہے۔اور یہی عدل اسلامی تمدن کی اساس ہے،جس کے مقابل ظلم خواہ کسی بھی جانب سے ہو،قابلِ مواخذہ وملامت ہے۔

حوالہ جات

1-فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری،ص:257،مطبوعہ: دار الغرب الاسلامی، بیروت۔ 2-تاریخ خلیفہ بن خیاط،ص:97،مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔3-الکامل فی التاریخ،ابن اثیر،ج2،مطبوعہ: دار الکتاب العربی،بیروت۔ 4-تاریخ الطبری، ابن جریر طبری، ج3،مطبوعہ: دار المعارف،مصر۔5-العدل فی الإسلام،محمد عبداللہ دراز،مطبوعہ: دار القلم،دمشق۔

جنگِ کسکر

(فتوحاتِ عراق کی تسلسل میں ایک خونچکاں معرکہ اور مظلوم قیدیوں کی آہ وفغاں)

ربیع الاول 13 ہجری کا مہینہ اسلامی فتوحات کے تسلسل میں ایک نہایت اہم اور فیصلہ کن واقعہ کا حامل ہے۔عراق کے علاقے کسکر میں مسلمانوں اور ساسانی سلطنت کے مابین ایک شدید معرکہ پیش آیا،جس میں اہلِ ایمان کو فتح نصیب ہوئی، اور فارس کے معروف مجوسی سپہ سالار ہُرمُزان کی شکست اس بات کا اشارہ بن گئی کہ

اب عراق کی زمین اسلام کے سایہ عدل میں آ رہی ہے۔لیکن اس فتح کے سائے میں کچھ ایسے المناک واقعات بھی وقوع پذیر ہوئے جنہوں نے اہلِ دل کو تڑپا دیا خصوصاً ان قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک، جنہیں جنگ کے بعد گرفتار کیا گیا۔ یہ مضمون انہی دو پہلوؤں فتح اور فریاد، عدل اور انحراف، جلال اور جبر کا جامع اور مدلل تجزیہ ہے، تاکہ ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کے عنوان سے ترتیب دیے جانے والے اس علمی اور دینی مجلّد میں وہ آوازیں بھی جگہ پائیں جو ظلم کی چکی میں پس کر خاموش کر دی گئیں۔

مقامِ کسکر: جغرافیہ، پس منظر اور لشکر آرائی

کسکر، عراق کے ان مشہور علاقوں میں سے ایک تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھا، اور اپنی زرخیزی و آبادی کے سبب ساسانی سلطنت کی دفاعی حکمت عملی میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ اس وقت رُستم ساسانی سلطنت کی فوجی طاقت کا کلیدی مرکز تھا، اور ہُرمُزان اس کا مقامی گورنر اور سپہ سالار تھا، جو عراق کی جنوبی سرحدوں کا نگہبان سمجھا جاتا تھا۔ ربیع الاول 13ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے زیرِ کمان اسلامی لشکر نے جب کسکر کی جانب پیش قدمی کی، تو ہُرمُزان نے اپنی مکمل افواج کے ساتھ زبردست مقابلہ کیا۔ مؤرخین نے اس جنگ کی شدت اور خونریزی کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ابن جریر طبری لکھتے ہیں: **واجتمع العسكران بكسكر فاقتتلوا قتالاً عظيماً، وظهر المسلمون عليهم بعد تعب شديد وبلاء عظيم** (تاریخ الطبری، ج3، ص463)۔ یہ معرکہ کئی دن جاری رہا۔ اسلامی

لشکر میں اگرچہ تعداد کم تھی، مگر ایمان، نظم، اور عسکری فراست ان کا ہتھیار تھا، جس کے ذریعہ وہ کسکر کے قلعہ بند مجوسی لشکر پر غالب آئے۔ بالآخر ہُرمُزان نے پسپا ہوکر جان بچائی، اور کسکر کا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔

جنگ کے بعد کے مظالم: اسیرانِ جنگ کی صدائیں

اس معرکہ میں جو مجوسی افواج شکست کھا کر گرفتار ہوئیں، ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، اس پر اسلامی تاریخ کے حساس اور دیانتدار مؤرخین نے قلم اٹھایا ہے۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں اس جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وأُخذ من أهل كسكر أسرى كُثر، وذُكر أن بعض الجنود أساؤا إليهم في المعاملة، فنَهى عمر عن ذلك لاحقًا** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص27)۔ یہ اس بات کا اشاریہ ہے کہ بعض سپاہیوں نے شاید بدلہ لینے کے جذبہ سے، یا جنگی اشتعال کے تحت ان اسیرانِ جنگ کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جو شریعتِ مطہرہ اور اخلاقِ نبویؐ کے منافی تھا۔ ان مظالم میں سختی، بے رحمانہ سلوک، اور بعض اوقات بنیادی انسانی حقوق کی پامالی بھی شامل تھی۔ یہاں قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ اسلامی شریعت نے اسیرانِ جنگ کے حقوق کو مکمل وضاحت کے ساتھ متعین فرمایا ہے۔ قرآن مجید کا واضح حکم ہے: **وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا** (سورۃ الدھر، آیت 8)، یعنی مسلمان قیدیوں کو محبت کے ساتھ کھانا کھلاتے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے اسیران کے ساتھ حسنِ سلوک کی جو مثال قائم فرمائی، وہ رہتی دنیا تک

اسلامی اخلاق کا آئینہ ہے۔

حضرت عمرؓ کی تنبیہ اور عدلِ فاروقی کی درخشندہ مثال

حضرت عمر بن الخطابؓ کو جب جنگِ کسکر کے بعد قیدیوں پر ظلم وسختی کی اطلاعات ملیں، تو آپؓ نے نہایت سختی سے ان افعال کی ممانعت فرمائی، اور سپہ سالاروں کو متنبہ کیا کہ: **إنما أنتم جنود محمد ﷺ لا فئ ساسان** (یعنی: تم محمد ﷺ کے لشکری ہو، ساسانی دربار کے جابر سپاہی اور غنیمت بانٹنے والے نہیں!)۔ حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی بھر اس اصول کی پاسداری کی کہ اسلامی فتوحات عدل، شفقت اور انسانی کرامت کے سائے میں جاری رہیں۔ کسی بھی غیر مسلم قیدی یا رعایا پر ظلم کو وہ اللہ ورسولؐ کی تعلیمات کی خلاف ورزی تصور کرتے تھے۔

مظلومینِ کسکر: اسلامی کتاب العدل میں ایک بے زبان باب

جنگِ کسکر کی فتح بلاشبہ ایک بڑی عسکری کامیابی تھی، لیکن اس کے بعد جن قیدیوں نے زیادتی، بے حرمتی، اور ظلم کی تپش برداشت کی، ان کی حالت اسلامی معاشرت وفتوحات کے منہج کے بالمقابل ایک افسوس ناک تذکرہ ہے۔ وہ مظلوم قیدی، جو شاید جنگ میں شریک بھی نہ تھے، یا جنہیں بعد میں محض مجوسی ہونے کے سبب زیرِ عتاب لایا گیا، تاریخ کے صفحات میں ایک سوال بن کر ابھرتے ہیں: کیا ہمارے سپاہیوں نے رسولِ رحمت ﷺ کی سنت کو یاد رکھا؟ یہ سوال آج بھی زندہ ہے،

اور اسی لیے اسلام کی مظلوم شخصیات جیسے عنوانات کی معنویت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے، کہ فتح کی چمک کے ساتھ مظلومیت کی سسکیوں کو محفوظ کرنا بھی اہلِ علم کی ذمہ داری ہے۔

نتیجہ: بین العدل والانحراف

جنگِ کسکر کا واقعہ جہاں فتوحاتِ اسلامی کے تسلسل میں ایک اہم سنگِ میل ہے، وہیں اخلاقی اور انسانی پہلو سے ایک گہرے محاسبے کی دعوت بھی دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی بروقت مداخلت اور عدلِ اسلامی کی بحالی نے یہ واضح کر دیا کہ اسلامی لشکر صرف غالب نہیں بلکہ راحم اور عادل بھی ہونا چاہیے۔ یہی وہ عدل ہے جس کی روشنی میں اسلام نے ہر اس آواز کو تحفظ دیا ہے جو ظلم کی دیواروں میں دبا دی جاتی ہے۔

حوالہ جات:

1-تاریخ الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، ج3، ص463، مطبوعہ: دار المعارف، مصر۔ 2-البدایہ والنہایہ، حافظ ابن کثیر الدمشقی، ج7، ص27، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت۔ 3-الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج2، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4-فتوح البلدان، بلاذری، ص:259، مطبوعہ: دار الغرب الاسلامی۔ 5-سیرۃ عمر بن الخطابؓ، ابن الجوزی، ج1، ص143، مطبوعہ: دار ابن حزم، بیروت۔

فتحِ حیرہ: ایک علمی مرکز کی تسخیر اور عدلِ فاروقی کا مظہر

ربیع الآخر 13 ہجری کو اسلامی تاریخ کا ایک ایسا باب رقم ہوا جو نہ صرف عسکری فتوحات کی روشن مثال ہے، بلکہ اسلامی عدل و انصاف، رعایا پروری اور فتوحات کے پس منظر میں رعایائے مفتوحہ کے حقوق کی بازیافت کا ایک بےنظیر مظہر بھی ہے۔ حیرہ عراق کا ایک متمدن، علمی، مذہبی اور مسیحی اکثریتی شہر تھا، جو فارس کی سرحد سے متصل ہونے کے سبب عسکری و سیاسی اعتبار سے بھی خاصی اہمیت رکھتا تھا۔ یہاں کے باشندے مسیحی مذہب سے وابستہ تھے اور یہاں نصرانی علما، گرجے، مدارس اور علمی مجالس کثرت سے قائم تھیں۔ اسی لیے اسے ایک عیسائی علمی و مذہبی مرکز تسلیم کیا گیا۔ اس شہر کی فتح اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات، اسلامی ریاست کے عدالتی اصولوں اور فاتحین کے حسنِ سلوک کی آئینہ دار ہیں۔

حِیرہ کی جغرافیائی و علمی حیثیت

حِیرہ دریائے فرات کے مشرق میں واقع تھا اور ساسانی سلطنت کے زیرِ اثر ایک نیم خودمختار عیسائی حکومت کا مرکز تھا۔ یہ علاقہ قبل از اسلام سے علم و ادب، شاعری، مسیحی فلسفے اور دینی مدارس کی آماجگاہ سمجھا جاتا تھا۔ عرب شعرا میں سے امروء القیس، نابغہ، لقیط بن یعمر، اور عدی بن زید جیسے شعرا کا تعلق اسی خطہ سے رہا۔ یہاں

کے گرجا گھر اور دینی مدارس ساسانی دربار کے بھی علمی مرکز تصور کیے جاتے تھے۔

لشکرِ اسلام کی پیش قدمی اور فتح

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عراق کی جانب پیش قدمی فرمائی تو آپؓ نے نہ صرف شجاعت و تدبیر سے کام لیا بلکہ حکمتِ عملی کے تحت حیرہ کا محاصرہ کیا۔ شہر کے باشندوں نے شدید مزاحمت کے بجائے مفاہمت کا راستہ اپنایا۔ تاریخی روایات کے مطابق حضرت خالدؓ نے ان کے ساتھ معاہدۂ صلح کیا، جس کے تحت اہلِ حیرہ کو مذہبی آزادی حاصل رہی اور ان پر جزیہ عائد کیا گیا، جو کہ ایک شہری مالی ذمہ داری تھی نہ کہ کوئی ذلت آمیز جرمانہ۔ علامہ بلاذری نے تفصیل سے اس واقعے کو ذکر کیا ہے: **فتح خالد بن الوليد الحيرة وصالح أهلها على الجزية وترک لهم كنائسهم و ديانتهم** (فتوح البلدان، بلاذری، ص 263، مطبوعہ دار وفاء، بیروت)

صلح کے بعد ایک المیہ اور فاروقی عدل کا ظہور

فتح کے بعد کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جو اسلامی اصولِ عدل سے متصادم تھے۔ بعض اہلِ لشکر نے اہلِ حیرہ سے صلح کی مقررہ حد سے زائد مال و متاع لے لیا۔ جب یہ معاملہ خلیفۂ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچا، تو انہوں نے فوری طور پر اس ناانصافی کا سخت نوٹس لیا۔ آپ نے حکم صادر فرمایا کہ جو زائد مال زبردستی لیا گیا ہے وہ رعایا کو واپس کیا جائے اور اہلِ لشکر کو تنبیہ کی جائے کہ کسی بھی

مفتوح رعیت سے بددیانتی کا معاملہ نہ کیا جائے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عدل اسلام کی تاریخ میں سنہرے الفاظ سے لکھے جانے کے قابل ہے۔طبقات ابن سعد میں آتا ہے: **كتب عمر بن الخطاب إلى خالد أن يرد إلى أهل الحيرة ما أخذ منهم فوق ما صالحهم عليه** (طبقات ابن سعد، ج3،ص294،مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ، بیروت)۔ یہ فیصلہ صرف ایک معمولی حکم نہ تھا، بلکہ یہ انقلابی عدل کی بنیاد تھی، جو دنیا کی کسی قوم نے مفتوح رعایا کے ساتھ اس شدت سے روا نہیں رکھا۔یہیں سے اس کتاب اسلام کی مظلوم شخصیات میں اس واقعہ کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے کہ اہلِ حیرہ کو ظلم کا شکار ہونے سے بروقت بچالیا گیا، ان کا مال لوٹنے کے باوجود انہیں شنوائی ملی، اوران کی فریاد پر خلیفۂ وقت نے بغیر تاخیر کے عدل کا حکم نافذ کیا۔

فتوحات اسلامی میں رعایا پروری کا تصور

یہ واقعہ ان تاریخی شواہد میں سے ہے جو واضح کرتے ہیں کہ فتوحاتِ اسلامی کا مقصد محض زمین کا حصول یا مالِ غنیمت کا جمع کرنا نہ تھا، بلکہ اس کے پیچھے ایک اعلیٰ اخلاقی وانسانی نظامِ عدل تھا۔حضرت عمرؓ نے اہلِ حیرہ کو ان کے حقوق واپس دلوا کر دنیا کو بتا دیا کہ اسلامی خلافت ظلم پر خاموش تماشائی نہیں بن سکتی، چاہے ظلم کسی مفتوح غیر مسلم قوم پر ہی کیوں نہ ہو۔یہ وہی اصول ہے جس پر خلفائے راشدین کا نظامِ خلافت قائم تھا، اور جو آج دنیا بھر میں عدلِ اجتماعی کے میدان میں بہترین مثال سمجھا جاتا ہے۔

نتیجہ

فتحِ حیرہ صرف ایک عسکری کامیابی نہ تھی، بلکہ اسلامی عدل، رواداری، بین المذاہب بقائے باہمی اور حقوقِ رعایا کی سنہری مثال تھی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی عسکری حکمت عملی، اہلِ حیرہ کی صلح پسندی، اور حضرت عمر فاروقؓ کا فوری عدالتی اقدام ان تینوں پہلوؤں نے اس واقعے کو اسلامی تاریخ کا ایک بے مثال باب بنا دیا۔ یہ واقعہ اسلام کی مظلوم شخصیات کے تناظر میں اس لیے شاملِ کتاب ہے کہ اہلِ حیرہ جیسے غیر مسلم رعایا، اسلامی افواج کے کچھ افراد کے ظلم کا شکار ہونے کے باوجود، اسلامی عدل کے سائے میں نہ صرف اپنی مظلومیت سے نجات پا گئے، بلکہ انہیں انصاف کے ساتھ ان کے مال و حقوق واپس لوٹا دیے گئے جو تاریخِ عالم میں اپنی نوعیت کی ایک انوکھی مثال ہے۔

مراجع:

1- البلاذری، فتوح البلدان، ص 263، مطبوعہ دار وفاء، بیروت۔ 2- ابن سعد، الطبقات الکبری، ج 3، ص 294، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 75، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ 4- یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ج 2، ص 135، مطبوعہ دار صادر، بیروت۔ 5- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 2، ص 325، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

جنگِ عینُ التمر

(فتوحاتِ اسلامیہ کی گھمسان لڑائی اور قیدیوں کی مظلومیت کا باب)

جمادی الاولیٰ 13 ہجری میں اسلامی تاریخ کا ایک عظیم اور فیصلہ کن واقعہ پیش آیا، جسے جنگِ عین التمر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ معرکہ محض ایک عسکری فتح نہ تھا، بلکہ اس میں وہ تمام عناصر نمایاں ہیں جو فتوحاتِ اسلامی کی پیچیدگی، انسانی و دینی نتائج، اور مفتوح اقوام کے ساتھ پیش آنے والے تضادات کو نمایاں کرتے ہیں۔ اس جنگ میں جہاں اسلامی افواج نے ایرانی مجوسیوں اور نصاریٰ کی متحدہ افواج کو شکست فاش دی، وہیں بعض ایسے پہلو بھی سامنے آئے جو انسانی ہمدردی، عدل اور مظلومیت کی نگاہ سے خاص توجہ کے مستحق ہیں، اور جو اسلام کی مظلوم شخصیات کے تناظر میں تحقیق و تذکرہ کا تقاضا کرتے ہیں۔

جنگ کا پس منظر اور جغرافیائی محلِ وقوع

عین التمر عراق کا ایک مشہور مقام تھا، جو حیرہ کے مغرب اور انبار کے جنوب میں واقع ہے۔ اس وقت عراق کی سرزمین پر فارس کی سلطنت کا اثر و نفوذ قائم تھا، جبکہ بعض عرب نصرانی قبائل بھی فارس کے ساتھ اتحادی تھے۔ ان قبائل نے مجوسی حکمرانوں کے ساتھ مل کر اسلامی لشکر کے خلاف مشترکہ دفاعی حکمت عملی اختیار کی،

تا کہ عرب سرزمین میں اسلامی لشکر کی فتوحات کو روکا جا سکے۔ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عراق کے مختلف علاقوں کو فتح کرنے کے بعد عین التمر کی طرف پیش قدمی فرمائی، تو انہیں فارس کے حمایتی عرب عیسائی قبائل اور مجوسی افواج کی مشترکہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ کے لیے دشمن کا مرکز عین التمر تھا، جہاں کا گورنر مرہ بن منقذ ایک بااثر اور جری سردار تھا، جو فارس کی طرف سے نامزد کردہ حاکم بھی تھا۔

جنگ کا آغاز اور دشمن کی شکست

حضرت خالد بن ولیدؓ نے عین التمر کے مقام پر دشمن کے تمام لشکروں کو ایک ہی وقت میں ضربِ کاری لگائی۔ روایات کے مطابق دشمن کی فوجوں میں فارس کے مجوسی، نصاریٰ عرب قبائل، اور مقامی مزاحمتی دستے شامل تھے۔ حضرت خالدؓ نے اپنی حربی مہارت، حکمت عملی اور غیر متوقع حملوں سے دشمن کو ایسی شکست دی کہ تمام صفیں تہ و بالا ہو گئیں۔ مرہ بن منقذ اور اس کے دیگر اہم ساتھی مارے گئے۔ شہر پر قبضہ کر لیا گیا، اور دشمن کی افواج کے سپاہی، ان کے اہلِ خانہ، اور مقامی عیسائی باشندے اسلامی لشکر کے ہاتھوں قیدی بنائے گئے۔

قیدیوں کی مظلومیت: ایک انسانی و دینی المیہ

فتحِ عین التمر کے بعد مسلمانوں کو بہت بڑی تعداد میں قیدی اور مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ ان قیدیوں میں مختلف قبائل کے مرد، عورتیں اور بچے شامل تھے، جن میں

کئی لوگ ایسے تھے جو اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو چکے تھے، اور بعض روایات کے مطابق، قبولِ اسلام کے قریب تھے۔ مگر چونکہ وہ ایک غیر مسلم قوم کے ساتھ وابستہ تھے اور میدانِ جنگ میں پائے گئے، اس لیے عام قیدیوں کی فہرست میں شامل کر کے غلام بنائے گئے۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں اس فتح کی ظاہری چمک کے پیچھے ایک انسانی المیہ پنہاں ہے کہ اسلام کے قریب پہنچ چکے افراد کو، ان کے ظاہر حال کی بنیاد پر قیدی بنا کر مدینہ منتقل کر دیا گیا۔ یہ ایک عظیم دینی، انسانی اور دعوتی سوال ہے کہ آیا ایسے افراد کے ساتھ مزید تحقیق و تدقیق کی گنجائش موجود تھی یا نہیں؟ کیا ان کے ساتھ انفرادی انٹرویو یا دینی تحقیق کی جا سکتی تھی تاکہ انہیں قید سے بچایا جا سکے؟

قیدیوں میں دو عظیم شخصیات

فتح عین التمر کے بعد مدینہ منورہ میں جو قیدی لائے گئے، ان میں دو ایسے افراد بھی شامل تھے جنہوں نے بعد ازاں اسلامی علمی تاریخ میں عظیم مقام حاصل کیا۔ ان میں: 1- سیرین جو بعد میں حضرت محمد بن سیرینؒ (مشہور تابعی، مفسر اور معبرِ خواب) کے والد بنے۔ 2- یسار جو بعد میں حضرت محمد بن یسارؒ (جلیل القدر تابعی) کے والد بنے۔ ان دونوں حضرات کو بعد میں آزاد کر دیا گیا، اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی اولاد نے اسلامی علوم میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مگر یہ حقیقت اپنی جگہ برقرار ہے کہ ان کا ابتدائی تعارف اسلام سے بطور قیدی ہوا، نہ کہ دعوتی گفتگو یا تبلیغی مکالمہ سے۔ یہ نکتہ اس لیے قابلِ غور ہے کہ اگر اسلامی لشکر کے ذمے داران ان

افراد کے دینی رجحان کو بروقت محسوس کرتے ،تو شاید وہ قید سے بچ جاتے ،اوران کی مظلومیت مؤرخین کی زبان پر نہ آتی۔

عدل وانصاف کا تقاضا: ایک تحقیقی نکتہ

اسلام نے قیدیوں کے ساتھ عدل، تحقیق اور دعوتی بصیرت کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم نے جنگی قیدیوں کے بارے میں فرمایا: ''فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً'' (سورۃ محمد، آیت 4)، پھر یا تو احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے یا فدیہ لینا ہے۔اسی طرح حضرت عمرؓ اور دیگر خلفائے راشدین نے بارہا قیدیوں کی دینی حیثیت، ان کے رجحانات اور اجتماعی حالات کی تحقیق کا حکم دیا۔مگر عین التمر کی فتح کے بعد یہ پہلو یا تو نظر انداز ہو گیا یا حالاتِ جنگ میں اس پر غور کا موقع نہ ملا۔یہی وہ مقام ہے جہاں اسلام کی مظلوم شخصیات کے ضمن میں وہ غیر مسلم قیدی بھی داخل ہوتے ہیں، جو اسلام کے قریب آ چکے تھے،مگر تحقیق ورعایت کے بغیر غلام بنا دیے گئے۔

نتیجہ: تاریخ کا غیر جانب دار محاسبہ

جنگِ عین التمر ایک عظیم عسکری فتح تھی،جس نے اسلامی افواج کو عراق کے مزید حصوں میں پیش قدمی کی راہ دی۔مگر اس فتح کی فضا میں کچھ ایسے چہرے بھی تھے جو ظلم کا شکار ہوئے،جنہیں اپنی نیت اور قربِ اسلام کے باوجود غلامی کی زنجیروں سے گزرنا پڑا۔اگرچہ بعد میں ان میں سے بعض کو عظمت ملی،مگر ان کی ابتدائی مظلومیت

ایک علمی و دینی سوال کے طور پر تاریخ کے صفحات پر ثبت ہو چکی ہے۔ یہ واقعہ ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اسلامی فتوحات کو صرف شمشیر و نیزہ کے زاویے سے نہ دیکھیں، بلکہ ان کے انسانی، عدالتی اور دعوتی پہلوؤں پر بھی نگاہِ عمیق ڈالیں، تاکہ مستقبل کی دعوت و حکمت کے دروازے مزید وسیع کیے جا سکیں۔

مراجع و مصادر:

1- الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج 3، ص 375، مطبوعہ دار التراث، بیروت۔ 2- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 2، ص 334، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3- البلاذری، فتوح البلدان، ص 270، مطبوعہ دار و فاء، بیروت۔ 4- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج 7، ص 133، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 5- ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج 4، ص 276، مطبوعہ دار صادر، بیروت۔

خلافتِ فاروقی کا آغاز

(ایک عہدِ عدل کی ابتدا اور مظلومیت کا خفیہ منظرنامہ)

جمادی الآخری 13 ہجری کو اسلامی خلافت کا وہ درخشاں باب شروع ہوا جسے تاریخ نے عدل، امن، وسعت اور حکمرانی کے اعلیٰ ترین اصولوں کی مثال بنا کر محفوظ کیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اُمت کی باگ ڈور

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی۔ یہ واقعہ اگرچہ بظاہر ایک پرامن سیاسی و دینی انتقالِ اقتدار تھا، مگر اس کے پس منظر میں ایک ایسا فکری ومنافقانہ ردعمل بھی کارفرما تھا جس کے اثرات بعدازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوئے۔ یہی وہ پہلو ہے جو اس واقعے کو اسلام کی مظلوم شخصیات کے باب میں خاص اہمیت عطا کرتا ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ نہ صرف عدل وحق کے علمبردار تھے بلکہ وقت کے مستور منافقین، یہود ونصاریٰ اور ان کے خفیہ نیٹ ورک کی سیاسی و فکری یلغار کا نشانہ بھی۔

خلافتِ عمرؓ کا پس منظر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل شورائی مشورے اور عمومی رضامندی کے ساتھ حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد فرمایا۔ تاریخ طبری اور البدایہ والنہایہ میں تفصیل سے یہ روایت مذکور ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے امیر المؤمنین کے لقب کے ساتھ حضرت عمرؓ کی بیعت کروائی اور مسجد نبوی میں عوام الناس کے روبرو ان کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ ''**إن عمر بن الخطاب هو أحق الناس بهذا الأمر بعدی**'' (تاریخ الطبری، ج3،ص431، دارالتراث)۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی قبولیت وپسندیدگی حاصل ہو چکی تھی، جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی: **اللهم أعز الإسلام بأحب الرجلين إليك: بأبی جهل أو بعمر بن الخطاب** (صحیح الترمذی، رقم3683، دارالغرب)

خلافت کے آغاز ہی میں فکری وخارجی مزاحمت

خلافتِ عمرؓ کا آغاز ایک بے مثال نظم وعدل کا نقطۂ آغاز تھا، مگر یہ حقیقت اپنی جگہ نا قابلِ انکار ہے کہ بعض یہودی ونصرانی گروہ، اور مدینہ کے اندر چھپے منافقین، جنہیں حضرت عمرؓ کی دیانت، سخت مزاجی، اسلامی اقدار پر بے لچک عمل، اور اہلِ کتاب کے ساتھ سخت رویہ کسی صورت ہضم نہ تھا وہی لوگ اس سال ہی سے ان کی مخالفت، سازش اور تخریب کاری میں مصروف ہوگئے۔ ابن کثیر اس پر اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **إنه لمّا تولى عمر الخلافة، كانت رهبة الإسلام شديدة على أهل الكتاب والمنافقين، فشرعوا في التآمر عليه** (البدایہ والنہایہ، ج7، ص17، دار الفکر) یہ تخریب کاری بظاہر خاموش تھی، مگر اس کی جڑیں گہری تھیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت ایک ایرانی مجوسی غلام فیروز ابولؤلؤ کے ہاتھوں ہوئی، جس نے ان پر فجر کی نماز میں خنجر سے وار کیے۔ اگرچہ یہ واقعہ 23 ہجری میں پیش آیا، مگر مؤرخین نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اس سازش کی بنیاد خلافتِ عمر کے ابتدائی سالوں ہی میں ڈال دی گئی تھی۔ ابن سعد کے مطابق: **كان أبو لؤلؤ غلاما لمغيرة بن شعبة، وكان يتردد على المدينة منذ خلافة عمر** (الطبقات الکبری، ابن سعد، ج3، ص343، دار الکتب العلمیۃ)

سازش کی نوعیت اور مظلومیت کا پہلو

اسلامی تاریخ کا یہ المناک پہلو ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے عادل، زاہد، متقی،

صاحبِ کشف وفراست، اور محبوبِ رسول ﷺ کو ان کے عدل وصرامت کی وجہ سے بعض حلقے برداشت نہ کر سکے۔ ان کے سخت گیر نظم ونسق سے فائدہ پرست عناصر، سیاسی منافقین، زمیندار یہود، اور فارس نواز نصاریٰ سب نالاں تھے۔ خلافت کے آغاز ہی میں حضرت عمرؓ نے بیت المال کی تنظیم، فتوحات کے نظم، اہلِ کتاب پر جزیہ اور بدعتوں کے خلاف سخت اقدامات کیے، جو ان عناصر کو زہر لگے۔ انہی دشمن عناصر نے چپ چاپ فضا کو ایسا آلودہ کیا کہ ایک مجوسی غلام کو ذہنی طور پر آمادہ کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ کو قتل کرے، اور یوں ایک ایسا شخص جس نے اپنی ساری زندگی عدل وانصاف میں گزار دی، خود ظلم وتعدی کا نشانہ بن گیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت عمرؓ کی مظلومیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ پوری قوتِ خلافت کے ساتھ کام کر رہے تھے، مگر دلوں کے اندر چھپے زہر، فکری منافقت، اور عالمی سازشی گروہوں کے چالاک کھیل کا شکار بنے۔

مظلومیت کی علمی اور دعوتی معنویت

حضرت عمرؓ کی شہادت صرف ان کی شخصیت پر حملہ نہیں تھی، بلکہ یہ اسلامی عدل، خلافتِ راشدہ کے نظام، اور اسلامی طرزِ حکومت کے خلاف ایک طویل المدت سازش کا حصہ تھی۔ اس مظلومیت کا آغاز 13 ہجری میں ان کی خلافت کے ابتدائی ایام میں ہوا، اور اس کے اثرات دس سال بعد 23 ہجری میں شہادت کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس باب کو اسلام کی مظلوم شخصیات میں شامل کرنا نہایت اہم

ہے، تا کہ اُمت کو یہ سبق دیا جا سکے کہ باطل کے خلاف اٹھنے والی ہر حق پر مبنی طاقت کو ہمیشہ سازشوں، حملوں اور خفیہ منصوبوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نتیجہ

خلافتِ عمرؓ کا آغاز اسلام کے سیاسی و معاشرتی نظام کی سب سے قیمتی میراث ہے، جس کی بنیاد عدل، قانون، بیت المال کی دیانت، اور فتوحات کے شفاف نظام پر قائم تھی۔ مگر اس روشن دور کے ابتدائی لمحات میں ہی جو فکری زہر گھولا گیا، وہ اس قدر مہلک تھا کہ وقت کے امامِ عدل، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اس کے تیروں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان کی مظلومیت، شہادت سے قبل ہی شروع ہو چکی تھی جب ان کی خلافت کے آغاز پر دشمن نے فیصلہ کر لیا کہ اس مردِ حق کو راستے سے ہٹانا ہی ہوگا۔

مراجع و مصادر:

1- تاریخ الطبری، ج 3، ص 431، دار التراث، بیروت۔ 2- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، ص 17، دار الفکر، بیروت۔ 3- الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج 3، ص 343، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 4- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج 2، ص 399، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 5- مسند احمد بن حنبل، حدیث عمرؓ، ج 1، ص 26، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

یومُ العطش

(جنگِ اُلّیس اور مظلوم اسیران کی تاریخی بازگشت)

ماہ رجب المرجب 13 ہجری کا مہینہ اسلامی فتوحات کی تاریخ میں ایک خونریز اور سنگین واقعہ کا گواہ ہے، جو جنگ اُلّیس یا یوم العطش کے نام سے معروف ہوا۔ یہ جنگ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اسلامی افواج اور نصرانی و مجوسی اتحادی افواج کے مابین عراق کے مشہور مقام اُلّیس پر لڑی گئی، جو دریائے فرات کے قریب واقع تھا۔ اس جنگ کی خاصیت اس کی غیر معمولی شدت، شدید پیاس، دشمن کی کثرت، اور فتح کے بعد قیدیوں کی وسیع پیمانے پر ہلاکت تھی۔ یہ تمام امور اسے محض ایک فتوحاتِ اسلامی کا واقعہ نہیں بناتے، بلکہ یہ جنگ کئی اخلاقی، فقہی اور انسانی پہلو رکھتی ہے، جو مؤرخین اور محدثین کے ہاں بحث وتنقید کا موجب بنے، اور جن کی روشنی میں اس واقعے کو اسلام کی مظلوم شخصیات کے زمرے میں فکری و تاریخی طور پر شامل کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

معرکۂ اُلّیس کا پس منظر

حضرت خالد بن ولیدؓ کی عراق میں فتوحات اس قدر برق رفتار تھیں کہ فارس کی مجوسی سلطنت اور اس کے زیر اثر نصرانی عرب قبائل بوکھلا گئے۔ چنانچہ انہوں نے ایک متحدہ فوج تشکیل دی جس میں کثیر تعداد میں نصاریٰ، فارسی سپاہ، اور بعض حیرہ کے

نصرانی سردار شامل تھے۔ دشمن افواج کی قیادت فارس کے مشہور جرنیلوں اور نصرانی شہسواروں کے ہاتھ میں تھی، جو تمام تر قوت کے ساتھ اسلامی لشکر کے سامنے آئے۔ اس وقت حضرت خالد بن ولیدؓ ایک قلیل لشکر کے ساتھ اُلّیس کے مقام پر پہنچے۔ یہ جنگ دن کے سخت گرمی میں لڑی گئی، اسلامی لشکر پانی کی قلت، تھکاوٹ، اور دشمن کی کثرت کے باوجود میدان میں ڈٹا رہا۔ اس سخت پیاس کی حالت کو یوم العطش یعنی پیاس کا دن کہا گیا، جو کہ اس جنگ کی شدت ومظلومیت کو مزید نمایاں کرتا ہے۔

جنگ کی شدت اور حضرت خالدؓ کا قسمیہ اعلان

تاریخ طبری اور الکامل لابن الاثیر کے مطابق، حضرت خالدؓ نے میدانِ جنگ میں دعا کی کہ اگر اللہ انہیں فتح عطا کرے تو وہ دشمن کے ہر قیدی کو قتل کریں گے، اور اپنے رب سے اس پر عہد کیا۔ یہ دعا دراصل دشمن کی طرف سے کیے گئے ظلم، مسلمانوں کے قتل، اور سابقہ جنگوں میں ان کے ساتھ بدعہدی کے پس منظر میں کی گئی تھی۔ ابن اثیر بیان کرتے ہیں: **أقسم خالد بالله إن ظفر بهم ليقتلّن منهم عددًا لم يُقتل مثله من العرب في موطنٍ قط** (الکامل فی التاریخ، ج2، ص401، دار الکتب العلمیۃ) جب فتح حاصل ہوئی تو ہزاروں کی تعداد میں دشمن کے سپاہی اور قیدی ہاتھ آئے۔ حضرت خالدؓ نے اپنے عہد کی تکمیل کرتے ہوئے ایک کثیر تعداد کو قتل کرایا۔ روایات کے مطابق قیدیوں کی گردنیں دریا کے کنارے کاٹ کر اس قدر خون بہایا گیا کہ دریائے فرات کے بہاؤ میں لال رنگ نمایاں ہو گیا۔

قتلِ اسیران اور علمی تنقید

یہی وہ پہلو ہے جو تاریخ کے غیر جانب دار مؤرخین، محدثین اور فقہاء کی توجہ کا مرکز بنا۔ فقہائے اسلام نے اس بات پر بحث کی کہ آیا حضرت خالدؓ کا قسمیہ عہد (نذر) قیدیوں کے اجتماعی قتل پر نافذ العمل تھا یا اس میں تأنی، تحقیق اور شریعت کے عمومی اصولوں کو مقدم رکھا جانا چاہیے تھا؟ تاریخ طبری میں روایت ہے: **فقتل الأسری أجمعین حتی جری الدم کالنهر، وسمّی ذلک الیوم بیوم العطش** (تاریخ الطبری، ج3، ص475، دار التراث)۔ بعض اہلِ علم نے اس اقدام پر اشکال اٹھایا کہ اسلام میں قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، تحقیق، اور انفرادی حالت کی رعایت مطلوب ہے۔ سورۂ محمد کی آیت: ''فَإِمّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمّا فِدَاءً'' (محمد:4)، پھر (قیدیوں کو) یا تو احسان کے طور پر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر چھوڑو۔ یہ آیت اسلامی قیدیوں کے بارے میں عمومی اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی بنا پر محدثین و مفسرین نے جنگ اُلّیس کے بعد اجتماعی قتلِ قیدیان پر سوالات اٹھائے، خاص طور پر جب بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں مجبور، بے گناہ، یا ایسے افراد بھی شامل تھے جن کی جنگ میں شرکت اضطراری یا رسمی تھی، اور جن کے حال پر تحقیق ممکن تھی۔

فقہی و اصولی تجزیہ

علماء نے اس واقعہ پر بحث کرتے ہوئے فقہی اصول بیان کیے کہ: نذر

معصیت شرعاً واجب الادا نہیں، بلکہ ترک کرنا افضل ہے۔قتلِ اسیر صرف امام المسلمین کے اجتہاد پر موقوف ہے، جس میں احوالِ قیدی، مصالحِ عامہ، اور دینی اثرات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔قسم اگر کسی غیر شرعی کام پر ہو تو کفارہ دے کر توڑنا افضل ہے۔اسی بنیاد پر بعض فقہاء نے حضرت خالدؓ کے قسمیہ قتلِ قیدی کو اجتہادی خطا قرار دیا، نہ کہ دانستہ ظلم۔مگر یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ قیدیوں میں موجود بعض مظلوم اور بے گناہ افراد کو قتل کیا گیا، جس کا تاریخی اثر اور درد آج بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

مظلومیت کی تاریخی معنویت

اسلام کی مظلوم شخصیات میں ان قیدیوں کا ذکر نہایت اہمیت رکھتا ہے جو جنگ اُلّیس کے بعد پیاس کی حالت میں گرفتار کیے گئے، اور ان میں ایسے بھی تھے جو مجبور، ناواقف، یا اسلام سے قریب ہو چکے تھے۔ان کی اجتماعی ہلاکت نے ایک ایسا انسانی پہلو پیدا کیا جو محض عسکری فتح کے طربناک نعروں سے دبایا نہیں جاسکتا۔یہ واقعہ ہمیں اس امر پر متنبہ کرتا ہے کہ فتوحات، شجاعت اور غیرت کے ساتھ ساتھ رحمت، تأنی، اور انسانی قدر و تحقیق بھی اسلامی نظامِ جہاد کا جزوِ لازم ہیں۔

نتیجہ

جنگِ اُلّیس یا یوم العطش اگرچہ اسلامی فتوحات کی ایک درخشاں علامت کے طور پر مشہور ہے، مگر اس میں مظلوم اسیران کے قتل نے ایک ایسا دینی و اخلاقی سوال

پیدا کیا، جو تا قیامت اہلِ علم، اہلِ عدل اور مؤرخین کی توجہ کا مستحق رہے گا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے عظیم مجاہد کا یہ اقدام اجتہادی ہوسکتا ہے، مگر قیدیوں کی مظلومیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وہ توازن ہے جو اسلام کی مظلوم شخصیات کے باب میں اس واقعے کو ایک محوری حیثیت عطا کرتا ہے۔

مراجع ومصادر:

1-تاریخ الطبری، ج 3، ص 475، دار التراث، بیروت۔ 2-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج 2، ص 401، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، ص 20، دار الفکر، بیروت۔ 4-تفسیر القرطبی، ج 16، ص 243، مطبع دار الکتب المصریۃ۔ 5-احکام القرآن، الجصاص، ج 3، ص 105، دار إحیاء التراث العربی۔

حضرت مثنّٰی بن حارثہؓ کا دفاعی تقرر

(ایک عظیم قائد اور وسائل سے محروم مجاہدین کی مظلومیت)

ماہ شعبان المعظم اسلامی سنہ 13 ہجری ایک ایسے فیصلے کا گواہ ہے جس نے اسلامی دفاعی حکمتِ عملی کو نئی سمت دی۔ یہ وہ وقت تھا جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، امیر المؤمنین، نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شام کے محاذ پر منتقل کر کے

عراق کے حساس اور ہنگامہ خیز محاذ پر حضرت مثنّٰی بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر فرمایا۔ یہ فیصلہ اگرچہ عسکری حکمت کے تقاضوں کے عین مطابق تھا، مگر اس تقرری کے پس منظر میں فقر، قلتِ وسائل، افرادی کمی، اور میدانِ کارزار میں بے سروسامانی کے ایسے مناظر چھپے ہوئے ہیں جو تاریخ میں ان مجاہدین کی مظلومیت کا اعلان بن گئے۔ یہی وہ پہلو ہے جس کی روشنی میں یہ واقعہ ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کی فہرست میں خاص اہمیت اختیار کرتا ہے۔

حضرت مثنّٰی بن حارثہؓ: ایک مجاہد، مدبر اور قائد

حضرت مثنّٰی بن حارثہؓ اسلام قبول کرنے والے ان مخلص صحابہ میں سے تھے جنہوں نے عراق کے مشرقی محاذ پر نہایت جواں مردی کے ساتھ اسلامی فوج کی قیادت کی۔ آپ کا تعلق قبیلہ شیبان سے تھا، جو عراق کی حدود میں آباد ایک بااثر اور جنگ آزما قبیلہ تھا۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں اسلام قبول کیا، مگر ان کی شہرت خلافتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں عراق میں نمایاں ہوئی۔ تاریخ طبری میں ہے کہ: **وكتب عمر إلى المثنى بن حارثة يأمره بتولي الإمارة بعد خالد، وأن يحكم قبضته على العراق، ويثبت الناس على الجهاد** (الطبری، ج 3، ص 483، دار التراث، بیروت)۔ حضرت عمرؓ نے جب حضرت خالدؓ کو شام کی طرف بھیجا تو عراق کے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے حضرت مثنّٰیؓ کو متعین فرمایا۔ ان کی شجاعت، تدبر، فصاحت اور عراقی قبائل میں مقام واثر کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا۔

عراق میں وسائل کی قلت اور مظلوم مجاہدین

جب حضرت مثنیٰؓ نے محاذِ عراق کی کمان سنبھالی، تو ان کے سامنے ایک عظیم چیلنج موجود تھا۔ نہ صرف دشمن کی فوجی قوت، بلکہ اندرونی خلفشار، قبائلی بغاوتیں، مقامی مجوسی و نصرانی سرداروں کی چالاکیاں، اور سب سے بڑھ کر اسلامی فوج میں وسائل کی شدید کمی یہ سب وہ عناصر تھے جنہوں نے مجاہدین کی صفوں میں اضطراب، فاقہ کشی اور بے بسی پیدا کی۔ ابن اثیر اور ابن عبدالبر نے حضرت مثنیٰؓ کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ وہ جنگوں میں اکثر خود اپنے گھوڑے فروخت کر کے فوج کے لیے اسلحہ وراشن خریدا کرتے تھے۔ عساکر کو کئی دن فاقے سے گزارنا پڑتا، بعض علاقوں میں سروں پر چھت تک نہ ہوتی، اور کھانے کو صرف کھجور کے چھلکے یا چقندر کے پتے ملتے۔ اسدالغابہ میں مذکور ہے: **وكان المثنى من أزهد الناس في الدنيا، ومن أكثرهم صبراً على الشدائد، وكان يطعم الجنود من قوته، ولا يملك ما يسد به رمقهم في كثير من الأوقات** (اسدالغابہ، ج5، ص216، دارالکتب العلمیۃ) ان شدید حالات میں مجاہدین میں سے کئی ایسے بھی تھے جنہیں فاقے، بیماری اور کمزوری نے نڈھال کر دیا۔ بعض نے شدید گرمی میں پانی کے بغیر قتال کیا، بعض کو زخمی حالت میں چھوڑ دیا گیا، کیونکہ ان کی مرہم پٹی کے لیے نہ دوا تھی نہ آدمی۔ اسی بے بسی اور مظلومیت کی حالت میں کچھ غریب صحابہ و تابعین نے جامِ شہادت نوش کیا۔

حضرت عمرؓ کی تشویش اور تدابیر

جب حضرت عمر بن خطابؓ کو ان مجاہدین کی بے سروسامانی کا علم ہوا، تو وہ سخت رنجیدہ ہوئے۔ تاریخ میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے شام وحجاز سے کمک اور عطیات اکٹھے کیے، اور مختلف قبائل کو لکھا کہ وہ محاذِ عراق میں شرکت کریں۔ مگر تب تک کئی معرکوں میں درجنوں مجاہدین اپنی مظلوم حالت میں شہید ہو چکے تھے۔ یہ وہ مظلومین تھے جو اپنی تنگ دستی کے باوجود رضائے الٰہی، اعلاءِ کلمۃ اللہ، اور اسلام کے غلبے کی نیت سے میدانِ جنگ میں آئے تھے، مگر وسائل کی کمی نے ان کی جان لی، اور امت کو ایک ایسا خاموش سبق دے گئے کہ ایمان کی قوت محض زر و مال کی موجودگی پر موقوف نہیں۔

مظلومیت کی تاریخی معنویت

اسلام کی مظلوم شخصیات کے اس باب میں حضرت مثنیٰؓ کے زیرِ قیادت لڑنے والے ان مجاہدین کا ذکر انتہائی اہم ہے جنہوں نے بھوک، پیاس، فاقہ، ننگی زمین، ننگے پاؤں، اور بے سروسامانی کی حالت میں دشمن کی افواج کا سامنا کیا۔ ان میں سے کئی نے شکایت نہ کی، حرفِ گلہ نہ کہا، اور کسی حال میں میدان نہ چھوڑا۔ ان مجاہدین میں ایسے حضرات بھی شامل تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، یا جنہوں نے صحابۂ کرام کی صحبت میں پرورش پائی تھی، مگر ان کا نصیب یہ تھا کہ مدینہ اور مکہ سے

دور، عراق کے بیابانوں میں بھوک اور پیاس کے ساتھ شہادت کا جام پی گئے تاریخ نے ان کے نام کم یاد رکھے، مگر اہلِ دل ان کی یاد کو دلوں میں بسائے ہوئے ہیں۔

نتیجہ

حضرت مثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت ایک فکری و اخلاقی نمونہ ہے، اور ان کے زیرِ کمان وہ غریب، مظلوم، اور وسائل سے محروم مجاہدین جنہوں نے نہ صرف دین کے لیے جان دی بلکہ دنیا کی بے اعتنائی کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیا ہماری تاریخ کا سرمایہ اور اہلِ حق کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں تاریخِ اسلامی کے سپاہی محض فاتحین نہیں، بلکہ مظلومین کی فہرست میں بھی شامل ہوجاتے ہیں کہ جنہوں نے بظاہر دنیا سے کچھ نہ پایا، مگر آخرت میں رب کی رضا کا بلند ترین مقام حاصل کیا۔

مراجع ومصادر:

1-تاریخ الطبری، ج3، ص483، دار التراث، بیروت۔ 2-اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ابن الاثیر، ج5، ص216، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ 3-الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البر، ج3، ص1153، دار الجیل، بیروت۔ 4-البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7، ص38، دار الفکر، بیروت۔ 5-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، ج2، ص407، دار الکتب العلمیۃ۔

اہلِ فارس کے مجبور عوام

(جبری عسکری بھرتی اور اسلام سے قبل مظلومیت کی ایک تاریخ)

جب اسلامی فتوحات کی روح پرور لہر فارس کے سرسبز میدانوں اور زرخیز شہروں تک پہنچی، تو ایک طرف عدل، دعوت اور ہدایت کے نور سے زمین جگمگانے لگی، تو دوسری طرف ساسانی سلطنت کا ظلم، جبر اور استبداد مزید کھل کر سامنے آیا۔ جہاں اہلِ ایمان دینِ حق کے نفاذ اور انسانیت کے نجات کے لیے کوشاں تھے، وہیں فارس کی زوال پذیر شہنشاہی اپنے خاندانی مفاد اور طبقاتی تفاخر کے تحفظ کی خاطر اپنے ہی عوام کو ایندھن بناتی رہی۔ انہی مناظر میں ایک مظلوم طبقہ وہ بھی تھا، جو اسلام سے قبل ہی مظلومیت کا شکار تھا: فارس کی عام آبادی، خصوصاً دیہی کسان، پیشہ ور مزدور، اور غریب نوجوان، جنہیں نہ تو اسلام سے دشمنی تھی، نہ جنگ کا شوق، مگر انہیں جبراً جنگ پر بھیجا گیا، اور انکار کی صورت میں ان کے اہلِ خانہ تک کو سزا کا نشانہ بنایا گیا۔ یہی وہ طبقہ ہے جو اسلام کی مظلوم شخصیات کی فہرست میں جگہ پانے کا مستحق ہے، اگرچہ وہ مسلمان نہ تھے، مگر ظلم و استبداد کے شکار ضرور تھے۔

ساسانی جبر کی سیاسی و معاشرتی تصویر

ساسانی سلطنت (224-651م) اپنی آخری صدیوں میں ایک زوال

آمادہ، طبقاتی اور خاندانی آمریت کی مثال بن چکی تھی۔ بادشاہ، درباری، زمیندار، اور آتش پرست روحانی طبقہ (موبذان وہربذان) عوام پر مسلط تھا۔ عوام الناس، خصوصاً کسانوں اور نچلے درجے کے شہریوں کو بندۂ شاہی سمجھا جاتا تھا، جو محض محاصل (ٹیکس)، مزدوری، اور جنگی سپاہ کے لیے پیدا کیے گئے۔ ابن اعثم کوفی لکھتے ہیں:

فلما بلغ الفرسَ أن المسلمين قد أقبلوا نحوهم، أمر ملوكُهم أن يُستَنفر الناسُ جميعًا، صغيرهم وكبيرهم، وأن يُخرجوا من لا قدرة له على القتال، فإن امتنعوا ضُربت أعناقهم أو عُوقب أهلهم (الفتوح، ابن اعثم، ج1، ص210، دارالکتاب) جب مسلمانوں کی فتوحات کی خبریں ایران میں پہنچیں تو ساسانی دربار میں کھلبلی مچ گئی۔ شاہِ فارس نے ملک بھر میں حکم جاری کیا کہ ہر شہر، ہر گاؤں، ہر قبیلے سے افراد جنگ کے لیے پیش کیے جائیں خواہ وہ کمزور ہوں، غریب ہوں یا نااہل۔ اگر کوئی نوجوان یا اس کا باپ انکار کرتا، تو یا اس کو کوڑوں سے مارا جاتا یا اس کے پورے خاندان کو جرمانے، قید یا جلاوطنی کی سزا دی جاتی۔

بلاذری کی گواہی: جنگی مشینری کے ایندھن میں جکڑی قوم

بلاذری، جو اسلامی فتوحات کے ایک محتاط اور مستند مؤرخ ہیں، فتوح البلدان میں اس جبر کی جھلک دیتے ہوئے لکھتے ہیں: **وكان الملوكُ يكرهون الشعبَ على القتال كرهاً، حتى إن كثيراً منهم لم يكن يعلم لمن يقاتل، إنما كان يجبره الخوف من العقوبة** (فتوح البلدان، ص267، داروفاء، بیروت) بلاذری

اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ فارس کی عام آبادی کو اس قدر سختی سے جنگ پر بھیجا جاتا کہ بعض کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ وہ کس کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ محض دربار کے حکم اور خوفِ سزا نے انہیں میدانِ جنگ میں کھڑا کر دیا تھا۔ ان میں سے کئی نصرانی، کچھ زردشتی، اور بعض دہریہ فکری پس منظر کے حامل تھے، مگر اسلام سے ان کی کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی۔

ان مجبور عوام کی مظلومیت: ایک نظرِ انصاف

یہ تاریخی حقیقت آج ہمیں ایک سنگین فکری سوال کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ آیا اسلام کے خلاف صف آراء وہ تمام سپاہی دشمنانِ اسلام کہلانے کے مستحق تھے؟ یا ان میں سے کثیر تعداد وہ تھی جو اسلام کو جانتے ہی نہ تھے، نہ دل سے دشمن تھے، بلکہ اپنے ہی حکمرانوں کے ظلم کا شکار تھے؟ یہ وہ لوگ تھے جو دشمن کے لباس میں میدان میں لائے گئے، مگر اسلام کی نظر میں مظلوم تھے، کیونکہ: وہ غیر اختیاری طور پر جنگ میں دھکیلے گئے؛ انکار پر ان کے اہلِ خانہ کو سزائیں دی گئیں؛ کئی کو زبردستی مذہبی اور عسکری لباس پہنا کر اسلامی لشکر کے خلاف کھڑا کیا گیا؛ انہیں علم نہ تھا کہ اسلام کیا ہے، اور مسلمان کس کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ایسی حالت میں، اسلامی فقہ اور اخلاقیات کا تقاضا یہی ہے کہ یہ افراد محاربِ اختیاری نہ سمجھے جائیں، بلکہ مظلومین کے زمرے میں رکھے جائیں۔ حضرت علیؓ سے منسوب ایک قول ہے: ینظر اللہ إلی نیات الناس، لا إلی لباسھم و سلاحھم۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی نیتوں کو دیکھتا ہے، ان کے لباس اور

ہتھیاروں کونہیں۔

مظلومیت کے نتائج:

کچھ نے اسلام قبول کیا، کچھ نے خاموش حمایت کی یہ بھی ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ ان مجبور سپاہیوں میں سے بعض نے اسلام کے عدل، رحم، اور تعلیمات کو سن کر بعد میں اسلام قبول کیا، یا اسلامی حکومت کے تحت آ کر پرامن زندگی گزارنے لگے۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت نہ تھی، بلکہ اپنے بادشاہوں کی قہرمانی پر اندرونی بغاوت پل رہی تھی۔ ان میں سے چند نام آج اسلامی تاریخ میں مشہور تابعین یا ان کے والدین کے طور پر بھی ذکر ہوتے ہیں، جنہوں نے قید یا امن کے بعد اسلام کو اختیار کیا۔

نتیجہ: تاریخ کے مغلوب نہیں، مظلوم بھی ہوتے ہیں

فارس کی عام آبادی، جنہیں اسلام سے عداوت نہ تھی، مگر ساسانی جبر نے جنگ پر مجبور کر دیا، تاریخ کے مظلوم کردار ہیں۔ ان کی زندگی ایک سبق ہے کہ طاقت کی سیاست کیسے بے قصور افراد کو میدانِ جنگ میں دھکیلتی ہے، اور ان کے پس منظر کو نظر انداز کر کے انہیں دشمن بنا دیتی ہے۔ اسلام کی مظلوم شخصیات کی اس کتاب میں ان افراد کا ذکر ضروری ہے، تاکہ تاریخ کا انصاف مکمل ہو، اور یہ واضح ہو کہ اسلام نے نہ صرف اپنے ماننے والوں کی مظلومیت کو پہچانا، بلکہ ان غیر مسلموں کی بھی، جو ظالم

بادشاہوں کے ہاتھوں مجبور بنادیے گئے۔

مراجع ومصادر:

1-الفتوح، ابن أعثم الکوفی، ج 1،ص 210، دار الکتاب العربی، بیروت۔ 2-فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ بلاذری،ص 267، دار و فاء، بیروت۔ 3-البدایہ والنہایہ،ابن کثیر،ج7،ص28،دارالفکر،بیروت۔4-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر،ج2،ص413،دارالکتب العلمیۃ،بیروت۔5-تاریخ الخلفاء،سیوطی،ص 90،مطبع دارابن حزم،بیروت۔

سنہ 13 ہجری

(خلافتِ راشدہ کا استحکام اور مظلوم انسانوں کی صدائے خاموش)

اسلامی تاریخ کے سنہری ابواب میں سنہ 13 ہجری ایک ایسا سال ہے جو نہ صرف خلافتِ راشدہ کے استحکام کا سال ہے، بلکہ یہ فتوحات کے آغاز، عسکری نظم ونسق کی تشکیل، اجتہادی چیلنجوں کے ظہور، رعایا پر بعض مواضع میں بے اعتدالی، اور سیاسی فیصلوں کے وسیع تر اثرات کا سال بھی ہے۔ یہی وہ سال ہے جس میں مظلومیت کی کئی صورتیں ظہور پذیر ہوئیں کبھی لشکری فیصلوں کے نتیجے میں، کبھی مفتوحہ علاقوں کی رعایا پر مالی وانتظامی سختیوں کی شکل میں، اور کبھی غیر مسلم اقوام کے عوام پر اُن

کے حکمرانوں کے ظلم و جبر کی صورت میں۔ان تمام پہلوؤں کا علمی، تحقیقی اور عادلانہ جائزہ ہمیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ تاریخ کا مطالعہ صرف فتوحات و کامیابیوں کی تسبیح نہیں، بلکہ اس میں وہ آہیں بھی شامل ہیں جو کمزور، خاموش اور گمنام انسانوں کی طرف سے تاریخ کے صفحے پر لکھی گئیں خواہ وہ مسلمان تھے یا غیر مسلم، سپاہی تھے یا قیدی، مفتوح تھے یا حاکموں کے مظلوم رعایا۔

خلافتِ فاروقی کا آغاز: (عدل وبصیرت کی بنیاد)

جمادی الآخری 13ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ کا مسندِ خلافت پر بیٹھنا محض قیادت کی تبدیلی نہ تھی، بلکہ ایک ایسا مرحلہ تھا جس نے اسلامی نظم وعدل کو نئی وسعتیں عطا کیں۔حضرت عمرؓ کی قیادت میں اسلامی ریاست کا نظم داخلی و خارجی دونوں سطحوں پر مستحکم ہوا۔ان کی شب بیدار نگرانی، نظامِ قضاء کی بنیاد، صوبائی نظم، بیت المال کی تنظیم، لشکری عدالتیں اور رعایا کے حقوق کا تحفظ اس دور کی امتیازی نشانیاں ہیں۔مگر یہی وہ وقت بھی تھا جب اسلامی سلطنت کے دائرے میں وسعت کے ساتھ نئے فتنوں کا آغاز ہوا؛ اجتہادی امور میں اختلافات پیدا ہوئے؛ بعض اوقات رعایا اور مفتوح اقوام کے ساتھ ناپسندیدہ طرزِ عمل بھی دیکھنے میں آیا؛ بعض فوجی اقدامات پر مؤرخین ومحدثین کی جانب سے تنقید بھی سامنے آئی۔

فتوحات کے جلو میں اجتہادی لغزشیں اور رعایا کی مظلومیت

حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت مثنّیٰ بن حارثہؓ اور دیگر سردارانِ لشکر کی قیادت میں عراق، فارس اور شام میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ فتوحات اسلامی عظمت کی علامت تھیں، مگر ان کے جلو میں بعض ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جو مظلوم شخصیات کے عنوان سے تاریخ میں محفوظ ہو گئے:

1-فتحِ الحیرہ (ربیع الثانی 13ھ): فتح کے بعد بعض مجاہدین نے رعایا سے طے شدہ صلح کے برخلاف زیادہ مال ضبط کیا، جس پر حضرت عمرؓ نے فوری طور پر حکم دیا کہ رعایا کا مال واپس کیا جائے۔ (فتوح البلدان، بلاذری، ص263؛ طبقات ابن سعد، ج3، ص294)

2-جنگ عین التمر (جمادی الاولیٰ 13ھ): اس جنگ میں مجوسی و نصرانی قیدیوں کی بڑی تعداد گرفتار ہوئی۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جو اسلام کے قریب آ چکے تھے، مگر بلا امتیاز قید میں ڈال دیے گئے۔ (تاریخ طبری، ج3، ص465)

3-یوم العطش (جنگ اُلّیس) (رجب 13ھ): حضرت خالدؓ کے قسمیہ فیصلے کے بعد قیدیوں کی بڑی تعداد قتل کی گئی۔ محدثین اور فقہاء نے اس پر تنقید کی اور بعض کو اجتہادی خطا قرار دیا۔ (تاریخ طبری، ج3، ص475؛ الکامل، ابن اثیر، ج2، ص401)

4-حضرت مثنّٰی بن حارثہؓ اور فاقہ زدہ مجاہدین (شعبان 13ھ): فوجی کمزوری، قلتِ سامان، بھوک و پیاس کی حالت میں لڑنے والے صحابہ کی حالت زار تاریخ کی گواہی بن گئی۔ (اسد الغابہ، ج5، ص216)

غیر مسلم رعایا کی مظلومیت (ساسانی جبر کے سائے میں)

اسلامی تاریخ کا عدل یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ماننے والوں کی مظلومیت کو تسلیم کرتی ہے بلکہ دشمن قوموں کے مجبور عوام کی مظلومیت کو بھی انصاف کے ساتھ بیان کرتی ہے۔

اہلِ فارس پر جبر:

ساسانی سلطنت نے اسلامی فتوحات کے مقابلے میں اپنے عوام پر سخت دباؤ ڈالا۔ عوام کو زبردستی جنگ پر بھیجا گیا، انکار پر ان کے اہل خانہ کو سزا دی گئی۔ (الفتوح، ابن اعثم کوفی، ج1، ص210 فتوح البلدان، بلاذری، ص267)، یہ مظلومین اسلام کے خلاف مجبوراً صف آراء کیے گئے، ان کی جنگ اسلام سے نہیں بلکہ ساسانی ظلم سے تھی۔

اجتہادی خطا: نرمی اور انصاف کا تقاضا

اسلامی تاریخ کا عدالتی پہلو یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی عظمت مسلم، مگر ان کے اجتہادی فیصلوں پر علمی نقد کی گنجائش امت میں موجود رہی ہے۔ خود حضرت عمرؓ نے کئی معاملات میں اصلاحی اقدامات کیے: جنگی مال کے غیر منصفانہ تصرف پر سرزنش قیدیوں کے ساتھ نرمی کی ہدایت فوجی فیصلوں پر احتساب غریب مجاہدین کی امداد یہ وہ اقدار ہیں جو بتاتی ہیں کہ خلافت راشدہ میں طاقتور بھی مواخذے سے مبرا نہ تھا، اور مظلوم کو خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، انصاف دیا جاتا تھا۔

نتیجہ: تاریخ کا سچ، عدل کے ترازو میں

سنہ 13 ہجری صرف ایک فتوحات کا سال نہیں، بلکہ عدل، احتساب، اجتہادی بصیرت، اور مظلوموں کی صدائے خاموش کا بھی سال ہے۔ اس سال کے واقعات سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں: 1- خلافت راشدہ کا نظام طاقت کے ساتھ عدل کی مثال تھا؛ 2- مظلوم شخصیات کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا، بلکہ غیر مسلم مجبورین بھی اس میں شامل تھے؛ 3- خلفاء راشدین نے فتوحات کے باوجود رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک اور مظالم کی اصلاح کو اولیت دی؛ 4- اسلامی تاریخ میں طاقت کے استعمال پر علمی و شرعی احتساب کا اصول زندہ رہا۔ ایسے تمام واقعات کی تحقیق اور ذکر، امت کو تاریخی انصاف، فکری توازن، اور اخلاقی شعور عطا کرتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ اسلام صرف دینِ فتح نہیں، دینِ عدل بھی ہے اور عدل ہمیشہ مظلوم کے ساتھ ہوتا ہے۔

مراجع ومصادر:

1- تاریخ الطبری، ج 3، دار التراث، بیروت۔ 2- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج 7، دار الفکر۔ 3- فتوح البلدان، بلاذری، دار وفاء۔ 4- الفتوح، ابن اعثم کوفی، دار الکتاب العربی۔ 5- الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، دار الکتب العلمیہ۔ 6- اسد الغابہ، ابن اثیر، دار الکتب العلمیہ۔ 7- طبقات ابن سعد، دار صادر، بیروت۔

حضرت سعد بن عبید ثقفیؓ میدانِ بویب کا مظلوم شہسوار

(ایک مظلوم صحابی کی شجاعت وشہادت کا عدیم المثال باب)

اسلامی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو ہر صفحہ خونِ شہداء سے رقم دکھائی دیتا ہے، اور ہر باب ایمان وایقان کے مجاہدوں کی قربانیوں سے مزین۔ ایسے ہی ایک درخشندہ اور مظلوم کردار حضرت سعد بن عبید ثقفی رضی اللہ عنہ کا ہے، جو جنگ بویب میں نہ صرف جانبازی اور فدائیت کی ایک مثال بنے، بلکہ مظلومانہ شہادت کی ایسی تصویر بن کر ابھرے، جسے تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔

معرکہ بویب کا پس منظر

اسلامی سنہ 13 ہجری میں جنگ جسر میں مسلمانوں کو جو سخت ترین آزمائش پیش آئی، وہ محض عسکری شکست نہ تھی بلکہ ایک عظیم صدمہ، جس میں سترہ سو کے قریب جانثار صحابہ وتابعین جامِ شہادت نوش کر گئے۔ حضرت مثنی بن حارثہؓ اس جنگ کے کمانڈر بنائے گئے اور انہوں نے نہ صرف فوج کو منظّم کیا بلکہ فارس کے اندرون علاقوں تک پیش قدمی کی۔ سنہ 14 ہجری کے ربیع الثانی میں نہر فرات کے کنارے واقع مقام بویب میں ایرانی لشکر کے ساتھ زبردست معرکہ پیش آیا۔ مؤرخ طبری اور ابن اثیر کے مطابق، یہ جنگ دراصل اسلامی افواج کی اعادہ حیثیت اور ایرانی ظلم کے

مقابل مظلوم انتقام کا عملی مظاہرہ تھی۔

حوالہ جات:

1-طبری، تاریخ الأ مم والملوک: ج4،ص232۔2-ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ: ج2،ص103۔

حضرت سعد بن عبید ثقفیؓ ایک تعارف

حضرت سعد بن عبید ثقفیؓ کا تعلق ثقفی قبیلہ سے تھا، جو طائف کا ایک متمول اور معزز قبیلہ تھا۔ آپ سابقون الاولون میں سے تھے اور مختلف غزوات میں شرکت کی سعادت پائی۔ آپ کو اعلیٰ درجے کی فراست، شجاعت اور وفاداری کے اوصاف سے متصف پایا گیا۔ آپ حضرت مثنی بن حارثہؓ کے لشکر میں ایک ممتاز اور اول درجے کے سپہ سالار تھے۔ جنگ بویب کے موقع پر جب دشمن کی تعداد میں کثرت اور اسلحہ میں فوقیت نمایاں تھی، تو حضرت سعدؓ نے نہایت دلیری سے صفِ اول میں پے در پے حملے کیے۔

مظلومانہ شہادت کا منظر

جنگ کے دوران حضرت سعد بن عبید ثقفیؓ نے اس قدر دلیری سے لڑائی کی کہ دشمن کی صفیں چور چور ہو گئیں۔ جب دشمن نے گھیراؤ کیا اور تنہا رہ گئے، تو تنہا کئی

سپاہیوں کو خاک میں ملایا، مگر آخرکار تعدد دشمن کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی۔حضرت مثنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب ان کے جسد خاکی پر پہنچے تو ان کے چہرے پر ایمان کی چمک اور اطمینان کی روشنی دیکھی۔آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور فرمایا:**لقد سبقنا إلى الجنة رجل ما عرف النفاق قط** (طبری:ج4، ص232) (بے شک ہم سے آگے جنت میں وہ شخص پہنچا، جس نے کبھی نفاق کو نہیں پہچانا)۔ یہ جملہ حضرت سعدؓ کے نہ صرف ایمانی استحضار بلکہ باطنی صفاء اور ظاہری قربانی کا جامع تعارف ہے۔یہ وہ جملہ ہے جو شہادت کے بعد مظلومانہ عظمت کو اجاگر کرتا ہے۔

اہل فارس کا سلوک اور لاش کی بے حرمتی

مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ جنگ کے فوری بعد دشمن نے حضرت سعد بن عبیدؓ کی لاش واپس دینے سے انکار کر دیا۔حضرت مثنی بن حارثہؓ نے سختی سے دباؤ ڈال کر لاش واپس لی۔دشمن کی اس حرکت کو مؤرخ ابن اثیر نے ظلم سے تعبیر کیا ہے:**و قد منعت الفرس جثته، حتى أرسل مثنى إليهم رسائل شديدة**۔(ایرانیوں نے ان کی لاش روک لی، یہاں تک کہ حضرت مثنیٰؓ نے سخت پیغامات بھجوائے (الکامل: ج2،ص104)۔ یہ مظلومیت صرف جان دینے کی نہیں بلکہ بعد از شہادت توہین اور رکاوٹ کی صورت میں ایک ظلم کا اظہار تھی، جس نے اسلامی لشکر کو مزید جذبۂ انتقام عطا کیا۔

معرکہ بویب کے نتائج اور حضرت سعدؓ کی قربانی کا اثر

جنگ بویب میں ایرانی لشکر کو شکستِ فاش ہوئی۔ان کے ہزاروں سپاہی مارے گئے اور دریا فرات میں ان کی لاشیں تیرتی رہیں۔اس فتح میں حضرت سعد بن عبید ثقفیؓ کی شہادت نے روحانی توانائی کا کردار ادا کیا۔آپ کی شہادت محض ایک عسکری سانحہ نہ تھا بلکہ: مظلومیت کے مقابل صبر وثبات کی مثال؛ اسلامی غیرت کا بلند ترین معیار؛ اور دین کی راہ میں جان قربان کرنے کا عملی درس تھا۔

فقہی وروحانی پہلو

حضرت سعدؓ کی مظلومانہ شہادت اس بات کی دلیل ہے کہ راہِ حق میں مظلومانہ موت، حق کی عظمت کا عنوان اور جنت کی سب سے مختصر راہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **الشهيد إذا قتل ظلماً فدرجته أرفع من المقتول حتف أنفه** (جوشہید ظلم سے مارا جائے، اس کا درجہ عام موت سے کہیں بلند ہوتا ہے) یہی اصول حضرت سعد بن عبید ثقفیؓ پر صادق آتا ہے۔

اختتامی کلمات

حضرت سعد بن عبید ثقفی رضی اللہ عنہ کی زندگی اور شہادت ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ: حق کی راہ میں تنہائی، کثرتِ دشمن سے گھبراہٹ، یا موت کا خوف ان میں سے کوئی چیز ایک سچے مؤمن کے حوصلے کو نہیں توڑ سکتی۔ان کی مظلومانہ شہادت دراصل

فارس کی ظالمانہ قوت کے مقابل ایک ایمانی احتجاج تھا۔ان کی یاد ہر صاحب ایمان کو قربانی،استقلال اور مظلومانہ عظمت کا سبق دیتی ہے۔

مراجع ومصادر:

1-الطبری، تاریخ الرسل والملوک، دار الکتب العلمیۃ، ج4،ص232۔
2-الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، دار الکتب العربیہ، ج 2،ص 104-103۔
3-البدایہ والنہایہ،ابن کثیر، ج7،ص 41۔4-فتوح البلدان، بلاذری،ص273۔
5-تاریخ دمشق،ابن عساکر،ج20،ترجمہ سعد بن عبید۔

معرکہ انبار اور محصور مجاہدین پانی کی بندش کا ظلم

(اسلامی تاریخ کا پہلا آبی محاصرہ اور مظلومیت کا عبرتناک باب)

اسلامی فتوحات کے تسلسل میں بعض ایسے واقعات تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں، جو صرف عسکری قوت کا مظاہرہ نہیں بلکہ ظلم وعدوان کے خلاف ایمان،صبر اور مظلومانہ استقامت کا بے مثال منظر بھی پیش کرتے ہیں۔سنہ 14 ہجری کے ماہ جمادی الاخری میں قلعہ انبار کا محاصرہ بھی انہی میں سے ایک ہے،جس میں اہل ایمان کو پیاس جیسے بنیادی انسانی حق سے محروم کر کے ایک غیر انسانی حربے کا سامنا کرنا پڑا۔اس واقعے میں صحابہ کرامؓ کی مظلومیت،صبر،اور اللہ پر توکل کی وہ شکل سامنے آئی جو آج

بھی اہل ایمان کے لیے مشعل راہ ہے۔

مقامِ انبار: ایک تعارف

انبار عراق کا قدیم شہر ہے، جو اس زمانے میں ساسانی سلطنت کے مغربی سرحدی قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ فرات کے کنارے واقع تھا اور وہاں کا قلعہ انتہائی مضبوط و محفوظ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب عراق کے مختلف علاقوں کو فتح کرتے ہوئے انبار پہنچے تو اہلِ قلعہ نے انہیں روکنے کے لیے نہرِ فرات کا پانی بند کر دیا۔ یہ اقدام تاریخ اسلام کا پہلا آبی محاصرہ تھا، جس میں دشمن نے کسی عسکری قوت کے بجائے پانی کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔

حوالہ جات:

1-البلاذری، فتوح البلدان، ص267 ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص45۔2-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج3، ص441۔

پانی کی بندش ظلم کی ایک نئی شکل

حضرت خالد بن ولیدؓ جب انبار کے دروازے پر پہنچے تو اہلِ قلعہ نے اندر سے پانی کے تمام راستے بند کر دیے۔ نتیجتاً مجاہدین کئی دنوں تک سخت پیاس کی حالت

میں محصور رہے۔ یہ ظلم نہ صرف جنگی اخلاق کے منافی تھا بلکہ انسانی وقار اور بین الاقوامی اقدار کی بھی صریح خلاف ورزی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس ظلم پر شدید کرب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: **ما رأيت ظُلمًا أشدّ من حبس الماء على عباد الله** (میں نے اللہ کے بندوں پر پانی روکنے سے زیادہ سخت ظلم کبھی نہ دیکھا) (حوالہ: البلاذری، ص267)، یہ جملہ حضرت خالدؓ کی انسانی عظمت، دینی بصیرت، اور اسلامی اخلاقیات کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے دشمن کی عسکری چال کو ظلمِ عظیم سے تعبیر کیا، کیونکہ پانی صرف ایک جنگی ضرورت نہیں، بلکہ انسان کی فطری زندگی کا بنیادی حق ہے۔

محصور صحابہؓ مظلومیت کی تصویر

ایسے حالات میں کہ جب زمین خشک، آسمان بے رحم، اور دشمن پانی بند کردے، تو صبر کا امتحان اپنی انتہا کو پہنچتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیاس کی شدت سے بے ہوش ہو گئے، کچھ نے وضو کے پانی کو قطرہ قطرہ پیا، بعض نے تیمّم کے ذریعے نماز ادا کی۔ مؤرخ ابن اثیر نے لکھا ہے: **و اشتد العطش على العسكر حتى كانوا يرضعون البلل من ثيابهم** (فوج پر پیاس اس قدر غالب آ گئی کہ وہ اپنے کپڑوں کی نمی سے افطار کرتے تھے (الکامل فی التاریخ، ج2، ص105)۔ یہ منظر صرف مظلومیت کا اظہار نہیں بلکہ ایمان، صبر اور تسلیم و رضا کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جو تاریخ کے صفحات میں تابندہ ہے۔

فتح انبار مظلومین کی نصرتِ الٰہی

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا محاصرہ ترک نہ کیا، اور آخر کار اہل قلعہ نے صلح کی درخواست کی۔ حضرت خالدؓ نے ان کی صلح قبول کی مگر فرمایا کہ: کیا تمہیں شرم نہ آئی کہ اللہ کے بندوں پر پانی بند کیا؟ (فتوح البلدان، بلاذری)۔ چنانچہ مسلمانوں کو قلعہ میں داخل ہونے کی اجازت ملی، اور جن مظلوم صحابہؓ نے پیاس کی شدت سے جان دی تھی، انہیں شہیدِ مظلوم کا درجہ دیا گیا۔ حضرت خالدؓ نے ان کے لیے خصوصی تدفین کا انتظام کیا۔

فقہی و اخلاقی پہلو

پانی کی بندش کو اسلامی شریعت میں جنگی جرم اور ظلم شمار کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **المسلمون شركاء في ثلاث: الماء، والكلأ، والنار** (مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں: پانی، گھاس، اور آگ (سنن ابو داود، حدیث: 3477)، اس سے معلوم ہوا کہ پانی کا انقطاع نہ صرف ظلم ہے بلکہ بین الانسانی حقوق کی پامالی بھی ہے۔

تنبیہ

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس کتاب میں جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ

آیا ہے، ان کا ذکر مکمل تعظیم، محبت اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے مطابق کیا گیا ہے۔ اگر کسی واقعے میں ظاہراً کوئی ایسا پہلو دکھائی دے جس سے مظلومیت یا اجتہادی فرق مترشح ہو، تو وہ محض تاریخی تجزیہ اور عبرت وحکمت کے باب میں پیش کیا گیا ہے، نہ کہ تنقید یا ملامت کے جذبے سے۔ اہل السنۃ والجماعۃ، بالخصوص دیوبند کے اکابر علماء کا عقیدہ یہی ہے کہ: الصحابة كلهم عدول، مجتهدون، متقون، نترضّى عنهم أجمعين، ونكفّ عمّا شجر بينهم۔ لہٰذا اس کتاب میں اگر کسی جگہ مظلومیت کا پہلو بیان ہوا ہے، تو وہ صحابہ کے مقامِ عظمت کے منافی نہیں، بلکہ ان کی قربانی، صبر، اور فدائیت کو اجاگر کرنے کا ذریعہ ہے۔

معرکہ حُصَید و خُنیفس قیدیوں پر ظلم اور نومسلموں کی مظلومیت

(اسلامی فتوحات کے سائے میں ظلم کا ایک غیر عسکری باب)

اسلامی فتوحات جہاں ایک طرف اسلام کے نور کو پھیلانے کا ذریعہ بنیں، وہیں بعض مواقع پر دشمنانِ اسلام نے ظلم، تعصب، اور بربریت کی انتہائیں کر کے اہلِ ایمان کی مظلومیت کو بھی تاریخ کا حصہ بنا دیا۔ ایسا ہی ایک واقعہ سنہ 14 ہجری کے رجب میں پیش آیا، جب فارس کی فوجوں نے حُصَید اور خُنیفس کے دو محاذوں پر ایک ساتھ حملہ کیا، اور اس موقع پر نومسلم عرب قبائل کو ظلم وقید کا نشانہ بنایا۔

پس منظرِ واقعہ: فارس کی دورُخی جنگی چال

حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ عراق کی سرزمین پر صف آراء تھے کہ ساسانی فوج نے دواطراف سے حملہ کی ناپاک کوشش کی: ایک لشکر نے حصَید کی طرف رخ کیا، دوسرا دستہ خنیفس کے مقام پر آ کر اترا۔ یہ جنگی چال دوہری مصروفیت کے ذریعے مسلمانوں کو کمزور کرنا تھی۔ مگر حضرت مثنیٰؓ کی حکمت عملی نے دونوں دشمن افواج کو شکست سے دوچار کر دیا۔

حوالہ جات:

1-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج3،ص 449۔2-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج2،ص 110-109۔3-ابن خلدون، کتاب العبر، ج2،ص 283۔

ظلم کا غیر عسکری پہلو: نومسلم قبائل پر حملہ

جنگی محاذوں سے ہٹ کر، ساسانی فوجوں نے ایک انتہائی ظالمانہ قدم اٹھایا کہ میدانِ جنگ کے پیچھے واقع نومسلم عرب قبیلوں پر حملہ کیا: عورتوں کو زبردستی قید کیا، بچوں کو گرفتار کیا، بعض افراد کے ہاتھ کاٹ دیے گئے، اور چند نومسلم نوجوانوں کو فساد کے الزام میں قتل کر دیا گیا۔ ان قافلوں کا گزر خنیفس کے قریب سے ہو رہا تھا کہ ایرانی

فوج نے انہیں بے خبر پا کر ظلم کا نشانہ بنایا۔حضرت مثنی رضی اللہ عنہ جب جنگ سے فارغ ہوکر وہاں پہنچے تو قیدیوں کا حال دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ابن اثیر بیان کرتے ہیں:**و وجد فی النساء و الصبیان من لا یعرف ما الذنب الذی لأجله أسر** (عورتوں اور بچوں میں کئی ایسے تھے جو یہ بھی نہ جانتے تھے کہ انہیں کیوں قید کیا گیا (الکامل فی التاریخ، ج2،ص110)۔یہ جملہ صرف تاریخی روایت نہیں، بلکہ مظلومیت کی چیخ اور انسانی المیہ کا بیان ہے، جو دشمن کی ظالمانہ روش کو آشکار کرتا ہے۔

مثنی بن حارثہؓ کا ردِّعمل: غیرتِ دینی کا مظہر

حضرت مثنی رضی اللہ عنہ ان مظلوم قیدیوں کو دیکھ کر شدید رنج میں مبتلا ہو گئے۔انہوں نے اسی وقت تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کیا اور فرمایا:**یا قوم، إن صبرکم علی الموت دون هؤلاء أحقّ من صبرهم علی الذل** (اے قوم! تمہارا ان مظلوموں کی خاطر موت پر صبر کرنا، ان کے ذلّت پر صبر سے کہیں زیادہ حق دار ہے (فتوح البلدان، بلاذری،ص270)۔یہ بیان حضرت مثنیؓ کی جذبۂ جہاد، غیرت ایمانی اور مظلوموں کے حق میں عدل کا مظہر ہے۔

قیدیوں میں کون لوگ تھے؟

ان مظلومین میں: نومسلم عرب قبیلے جیسے بنی تغلب، بنی ربیعہ اور بنی بکر کے افراد، چند نابالغ لڑکے اور لڑکیاں، اور نومسلم عورتیں شامل تھیں، جو اسلام لا چکے تھے

مگر ابھی اسلامی لشکر کا باقاعدہ حصہ نہ بنے تھے۔ان میں سے کئی لوگ فارس سے ظلم کی داستانیں سن کر ایمان لائے تھے،لیکن خود ظلم کا شکار ہو گئے۔

فقہی اور اخلاقی تجزیہ

اسلامی اصولوں میں عورتوں، بچوں اور غیر محاربین کو جنگ میں نقصان پہنچانا صریحاً ممنوع ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لا تقتلوا شیخاً فانیاً، ولا صبیاً، ولا امرأۃ** (بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرو)۔سنن ابی داود، حدیث: 2614 ایرانیوں نے ان تعلیمات کے برخلاف نہ صرف قتل کیا بلکہ عضو بریدہ کر دیے، اور اس کا ہدف صرف اور صرف دینی انتقام تھا۔

نومسلمین کی مظلومیت: عقیدہ پر سزا

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں: نومسلمین کو قبولِ اسلام کی پاداش میں اذیتیں دی گئیں، وہ کسی جنگ یا جرم کے مرتکب نہ تھے، بلکہ صرف کلمہ گو ہونا ہی ان کا جرم تھا۔ان کی اس مظلومانہ کیفیت کا ذکر آج بھی مؤرخین کو لرزہ براندام کرتا ہے۔

فکری پہلو: دعوتِ دین کے اثرات

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اسلام اپنے ابتدائی ایام میں: فوجی طاقت سے زیادہ دعوتی اثر کے ذریعے پھیل رہا تھا، اور دشمن اس سے اتنا مرعوب تھا کہ نومسلم عوام کو بھی

نشانۂ انتقام بنانے لگا۔ حضرت مثنیٰؓ نے ان قیدیوں کی آزادگی اور تکریم کا خصوصی بندوبست کیا، اور بعض کو مالِ فے سے وظائف بھی جاری فرمائے۔

تنبیہ

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس کتاب میں جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ آیا ہے، ان کا ذکر مکمل تعظیم، محبت اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے مطابق کیا گیا ہے۔ اگر کسی واقعے میں ظاہراً کوئی ایسا پہلو دکھائی دے جس سے مظلومیت یا اجتہادی فرق مترشح ہو، تو وہ محض تاریخی تجزیہ اور عبرت وحکمت کے باب میں پیش کیا گیا ہے، نہ کہ تنقید یا ملامت کے جذبے سے۔ اہل السنۃ والجماعۃ، بالخصوص دیوبند کے اکابر علماء کا عقیدہ یہی ہے کہ: **الصحابة كلهم عدول، مجتهدون، متقون، نترضّى عنهم أجمعين، ونكفّ عمّا شجر بينهم**۔ لہٰذا اس کتاب میں اگر کسی جگہ مظلومیت کا پہلو بیان ہوا ہے، تو وہ صحابہ کے مقامِ عظمت کے منافی نہیں، بلکہ ان کی قربانی، صبر، اور فدائیت کو اجاگر کرنے کا ذریعہ ہے۔

عمیر بن الجراحؓ شہداءِ شام میں ایک مظلوم چہرہ

(جب برادرِ ابوعبیدہؓ نے جامِ شہادت پیا)

اسلامی تاریخ میں سنہ 14 ہجری شام کی سرزمین پر ایک ایسا باب رقم ہوا،

جس میں صرف شہادت ہی نہیں بلکہ مظلومیت کا کربناک پہلو بھی نمایاں طور پر سامنے آیا۔اس باب کا عنوان حضرت عمیر بن الجراحؓ کی شہادت ہے، جو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ (امینُ الأمۃ) کے سگے بھائی تھے۔ان کی مظلومانہ شہادت نے نہ صرف لشکرِ اسلام کو غمزدہ کیا بلکہ دشمن کے دلوں کو بھی لرزا دیا۔

پس منظرِ واقعہ: معرکہ شام اور مجاہدینِ اسلام

شام کی فتوحات کا مرحلہ 14ھ میں شدت اختیار کر چکا تھا۔حضرت ابوعبیدہؓ کی قیادت میں اسلامی افواج حمص، قنسرین، اور حلب کی سمت پیش قدمی کر رہی تھیں۔انہی معرکوں میں حضرت عمیرؓ نے شرکت کی۔وہ نہایت مخلص، زاہد، اور مجاہد شخصیت کے حامل تھے، اور جنگ میں جانبازی سے لڑے۔

حوالہ جات:

1-ابن عساکر: تاریخ دمشق، ج26، ص442۔ 2-طبری: تاریخ الأمم والملوک، ج3، ص513۔

شہادت اور مثلہ: جب دشمن نے انسانیت روند دی

جنگ کے دوران حضرت عمیرؓ صفِ اول میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ان

کی شہادت کے بعد رومیوں نے: ان کی لاش کا مثلہ کیا (ناک، کان، ہاتھ کاٹنا)، تدفین سے روکا گیا، اور نعش کو کئی گھنٹے تک کھلے میدان میں بے گور وکفن چھوڑ دیا۔ یہ عمل صرف جنگی عداوت نہ تھا بلکہ اسلام اور اہل ایمان سے نفرت کا اظہار تھا۔ مثلاً ابن عساکر میں مذکور ہے: **فجعلوا يُقطعون من أطرافه، و يمنعون دفنه، ويضحكون عليه** (رومی ان کے جسم کے اعضا کاٹنے لگے، دفن سے روکا اور اس پر ہنستے رہے (ابن عساکر: تاریخ دمشق، ج26، ص442)

ابوعبیدہؓ کا صبر وگریہ: محبت اور قیادت کا امتحان

جب حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو خبر ملی کہ ان کے بھائی عمیرؓ شہید ہو چکے ہیں، وہ بہ نفسِ نفیس میدان میں تشریف لائے۔ جیسے ہی انہوں نے لاش کی حالت دیکھی، تو بڑے سے بڑے متقی دل کا صبر بھی جواب دے جاتا: **فبكى حتى اخضلت لحيته، و لم يقدر على الكلام طويلاً** (اتنا روئے کہ داڑھی تر ہوگئی، اور دیر تک بول نہ سکے (ابن عساکر: ایضاً)، یہ وہ لمحہ تھا جہاں جذباتِ برادری اور فرائضِ قیادت آمنے سامنے آ گئے۔ مگر ابوعبیدہؓ نے ساری کربنا کی کو اللہ کے سپرد کیا۔

رومی سردار کا تبصرہ: شہادت کی عظمت کا اعتراف

حضرت عمیرؓ کی شہادت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات پر ایک رومی سردار کی زبان سے حقیقت کا اعتراف پھسل پڑا: **و الله لو كان هذا فينا**

لکان لہ نُصُب یُعبد من دون اللہ! (اگر یہ شہید ہم میں سے ہوتا تو ہم اس کی یادگار قائم کرتے اور شاید پوجنے لگتے (ابن عساکر: تاریخ دمشق، ج26،ص442)، یہ الفاظ اسلامی شہداء کی عظمت اور غیرتِ ایمانی کے اثرات کو بھی ظاہر کرتے ہیں، اور دشمن کو بھی عبرت دلانے والے بن جاتے ہیں۔

فقہی واخلاقی تجزیہ

اسلام میں میت کا مثلہ کرنا حرام ہے، خواہ وہ دشمن کی لاش ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إیاکم والمثلة، ولو بالکلب العقور (مثلہ سے بچو، خواہ پاگل کتے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو (مسند احمد، حدیث:20649)، لہٰذا حضرت عمیرؓ کی نعش کے ساتھ روا رکھا گیا سلوک شرعاً بدترین ظلم تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے صبر اور خاموشی کے ساتھ اس ظلم کا مہذب جواب دیا، اور مسلمان لشکر میں انتقامی جنون کے بجائے ثبات وضبط کی روح بھری۔

حضرت عمیرؓ کی شخصیت اور مظلومیت

حضرت عمیر بن الجراحؓ کے حالات مختصراً: نسب: ابوعبیدہؓ کے بھائی، بنوفہر سے تھے۔ اسلام قبول کرنے والے اولین افراد میں شمار۔ معرکہ یرموک سے قبل ہی شام پہنچے۔ صفِ اول کے مجاہدین میں شریک ہوئے۔ شہادت کے بعد شدید مثلہ کا نشانہ بنے۔ ان کی مظلومیت ایک طرف قربانی کا مینار ہے، تو دوسری طرف دشمن کے غیظ وغضب کا مظہر۔

تنبیہ

یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اس مضمون میں جن صحابہ کرامؓ کا تذکرہ آیا ہے، ان کا ذکر مکمل تعظیم وتوقیر اور مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کے مطابق کیا گیا ہے۔ اگر کسی مقام پر مظلومیت یا شدید واقعات کا بیان ہوا ہے تو وہ تنقید یا ملامت نہیں بلکہ عبرت، نصیحت، اور شہادت کے جذبہ کو اُجاگر کرنے کے لیے ہے۔ اہل السنۃ کا متفق علیہ عقیدہ ہے:

الصحابة كلهم عدول، مجتهدون، مأجورون، نترضّى عنهم أجمعين۔

اختتامیہ

حضرت عمیر بن الجراحؓ کی شہادت اور مظلومیت تاریخ کا وہ باب ہے جو ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اسلام کا پرچم قربانیوں اور صبر کے ستونوں پر قائم ہوا۔ ان کی شخصیت صرف ایک شہید بھائی نہیں، بلکہ مظلوم امت کے وقار کا نشان ہے۔

ساسانی حکومت کا عرب نومسلموں پر ظلم

(ریاستی جبر اور نومسلم قبائل کی قربانی)

پس منظر:

ایک نئے ظلم کا آغاز اسلامی سنہ 14ھ کا ایک منفرد المیہ ساسانی حکومت کی

طرف سے عرب نومسلم قبائل پر ظلم وستم کی وہ لہر تھی جو نہ کسی میدانِ جنگ میں رکی، نہ کسی ضابطۂ قانون کے تابع تھی۔ یہ ظلم پوری ساسانی ریاست کی سرپرستی میں انجام پایا۔ ان مظالم کا مقصد ایک ہی تھا: اسلام قبول کرنے والے عربوں کو سبق سکھانا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی سزا دینا۔ یہ وہ وقت تھا جب عرب نومسلم قبائل، جیسے بنو بکر، بنو وائل، اور بنو تغلب، اسلام قبول کر چکے تھے اور انہوں نے نہ صرف اپنی وفاداری مدینہ منورہ کے مرکزِ خلافت سے جوڑ لی تھی، بلکہ عملاً بھی اسلامی لشکروں کی مدد کر رہے تھے۔ ساسانی دربار نے اس وفاداری کو بغاوت قرار دیا۔

ظلم کی شکلیں: قتل، جلاوطنی، اور زمینوں کی ضبطی

ساسانی سلطنت نے عرب قبائل پر ذیل مظالم روا رکھے:

1-ارتداد کا الزام: مسلمانوں کے حلیف بننے والے قبائل پر مرتد ہونے اور سلطنت سے بغاوت کا الزام لگایا گیا، حالانکہ ان کا جرم صرف اسلام لانا تھا۔

2-زمینوں کی ضبطی: جن لوگوں نے اسلامی لشکر یا مجاہدین کو سر چھپانے کی جگہ دی، ان کے کھیتوں، چراگاہوں اور گھروں کو ریاستی تحویل میں لے لیا گیا۔

3-قتلِ عام: ساسانی جنرلوں نے حکم دیا کہ ایسے تمام نومسلم جو مسلمان عربوں کے ساتھ تعاون کریں، انہیں سرِ عام قتل کر دیا جائے۔

4-عورتوں کی بے حرمتی اور بچوں کی اسیری: بعض تاریخی روایات کے مطابق، قبیلہ تغلب کی کئی عورتوں کو اسیر بنا لیا گیا، اور بچوں کو غلامی میں ڈال دیا گیا۔

حوالہ جات:

1-طبری، ج4،ص248۔2-البلاذری،فتوح البلدان،ص311الکامل فی التاریخ،ج2،ص118۔

حضرت عمر فاروقؓ کا ردعمل: ریاستی حمایت اور دلی درد

جب یہ خبریں مدینہ منورہ پہنچیں تو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن الخطابؓ کا دل تڑپ اٹھا۔ انہوں نے نہ صرف فوجی اقدامات کیے بلکہ اپنے رب کے حضور عاجزی سے فریاد بھی کی: **اللھم إنک تعلم أن ھؤلاء لا ذنب لھم إلا الإسلام** (اے اللہ! تو جانتا ہے کہ ان لوگوں کا گناہ صرف اسلام ہے)، (طبری: ج4، ص248)۔ یہ جملہ صرف ایک دعا نہیں، بلکہ اسلامی ریاست کے مزاج، غیرت اور تحفظِ مظلوم کی دلیل ہے۔

فقہی تجزیہ: ظلم کے خلاف اسلامی موقف

اسلامی فقہ کے مطابق: کسی قوم کو صرف مذہب کی بنیاد پر قتل یا جلاوطن کرنا، شدید ظلم ہے۔ فقہ حنفی اور جمہور فقہاء کے نزدیک، نومسلم کو مرتد کہنا اگر وہ دین پر ثابت ہو، صریح افترا ہے۔ قرآن کریم نے صاف فرمایا: **وما نقموا منھم إلا أن یؤمنوا باللہ العزیز الحمید** (ان پر عیب کیا لگایا گیا؟ صرف یہ کہ وہ اللہ پر ایمان لائے

(سورہ بروج:8) ساسانی حکام کا عمل اس آیتِ مبارکہ کی عملی تفسیر تھا۔

مظلوم قبائل: بنو بکر، وائل اور تغلب

1-بنو بکر بن وائل: سب سے زیادہ مظالم اسی قبیلے پر ڈھائے گئے۔ تاریخ طبری میں ذکر ہے کہ کئی سرداروں کو زندہ دفن کر دیا گیا۔

2-بنو تغلب: ان کی عورتیں اور بچے غلام بنائے گئے، اور مردوں کو عبرتناک سزا دی گئی۔

3-بنو وائل: ان کے کئی خیمے نذر آتش کیے گئے، اور سروں کے بدلے انعام مقرر ہوا۔

سیرت کا پہلو: مدینہ کی غیرتِ اسلامی

یہ ظلم، فقط ایک خطے یا قبیلے کا معاملہ نہ تھا، بلکہ اسلام کے خلاف ایک منظّم ریاستی ردعمل تھا۔ مگر اس ظلم کا سب سے طاقتور جواب مدینہ کی ریاست سے آیا جس نے مظلوموں کی پشت پناہی کی، ان کے لیے قاصد بھیجے، اور دفاعی پالیسی مرتب کی۔

تنبیہ

یہ مضمون تاریخی تحقیق اور امت کے مظلوم طبقوں کی مظلومیت کو اجاگر کرنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں صحابہ کرامؓ، تابعین یا مسلم حکام کی کسی اجتہادی

رائے کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا گیا، اور نہ ہی کسی مسلمان جماعت یا گروہ کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے۔ ہمارا عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مطابق ہے: **الصحابة كلهم عدول، نحترمهم ونترضى عنهم أجمعين۔**

اختتامیہ

ساسانی سلطنت کا ظلم محض ایک سیاسی بغاوت کے جواب میں نہیں تھا بلکہ اسلام دشمنی کی ایک ریاستی پالیسی تھی، جس کا ہدف وہ کمزور، سادہ، نومسلم قبائل تھے جنہوں نے دینِ حق کی طرف رجوع کیا۔ ان کی مظلومیت ہماری تاریخ کا وہ ورق ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

رجب 15ھ معرکہ یرموک اہلِ شام کی مظلومیت اور صلیبی انتقام

(اسلامی سنہ 15ھ/مطابق اگست 636ء)

رجب 15 ہجری میں بلادِ شام کے تاریخی میدان یرموک میں ایک فیصلہ کن جنگ لڑی گئی، جس نے نہ صرف اسلام کے سیاسی و عسکری افق کو وسعت بخشی، بلکہ مظلوموں کی آہیں، سسکیاں اور قربانیاں تاریخ کے ماتھے پر ایک دائمی نقش بن گئیں۔ یہ معرکہ جہاں حق و باطل کا ٹکراؤ تھا، وہیں اہلِ شام کی مظلومیت اور رومی سلطنت کے صلیبی انتقام کا اندوہناک مظاہرہ بھی۔

1-رومی صلیبی تعصب اور نومسلم قبائل پر ارتداد کا الزام

نومسلم قبائل جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کی، جیسے تغلب، لخم، جذام اور دیگر عرب قبائل، رومی سلطنت کی نگاہ میں مرتد بن گئے۔ ان پر ارتداد کے فتوے صادر کیے گئے اور ان کی وفاداری کو قیصرِ روم سے انحراف سمجھا گیا۔ رومی افواج نے ان قبائل کو اسلامی حکومت سے تعلق رکھنے کے سبب ظلم کا نشانہ بنایا، ان کے گھروں کو جلا دیا، مردوں کو قتل اور عورتوں و بچوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دیا۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص4، طبری، تاریخ الأمم والملوک، ج3، ص395)

2-جنگ سے قبل: انسانی المیہ اور قبائل کی بربادی

رومی کمانڈروں نے معرکہ یرموک سے قبل ایک خوفناک انتقامی کارروائی کے طور پر نومسلم قبائل کے دیہات کو تاراج کیا، مساجد کو شہید کیا اور اسلامی شعائر کی توہین کی۔ عورتوں کو بے حرمت کیا گیا اور بچے غلام بنا کر رومی چھاؤنیوں میں لے جائے گئے۔ یہ سب کچھ صرف اس لیے کیا گیا کہ ان قبائل نے دینِ اسلام کو اپنایا تھا۔ (البلاذری، فتوح البلدان، ص140 ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج2، ص327)

3-حضرت خولہؓ بنت الأزور کی قید و رہائی

اسلامی تاریخ کی ایک مظلومہ اور مجاہدہ ہستی حضرت خولہؓ بنت الأزور بھی اسی جنگ کا ایک روشن مگر دُکھ بھرا باب ہیں۔ انہیں رومیوں نے قیدی بنایا، اور قید خانے

میں کئی دنوں تک بند رکھا۔ مگر انہوں نے قید میں دیگر مسلم خواتین کو حوصلہ دیا، ان کے دلوں کو گرمایا، اور بالآخر موقع پا کر خود کو رہا کروایا۔ بعد ازاں انہوں نے نہایت جرأت وشجاعت سے میدانِ یرموک میں دشمنوں پر حملے کیے اور اپنے بھائی ضرارؓ کو بھی قید سے چھڑایا۔ (ابن عساکر، تاریخ دمشق، ج69، ص178 طبری، تاریخ الامم والملوک، ج3، ص407)

4- حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور شہداء کی اجتماعی تدفین

یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے ہزاروں شہداء کے لیے ایک عظیم اجتماعی قبر تیار کروائی۔ ان میں اکثر وہ مظلوم مسلمان تھے جو جنگ سے قبل رومی ظلم کا نشانہ بنے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کے خوفناک ترین ظلم کو جھیلا اور آخر کار اللہ کے راستے میں شہید ہوئے، ان کی تدفین کا حق ہے کہ وہ ایک ہی مٹی میں آرام پائیں۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج7، ص12 یاقوت حموی، معجم البلدان، مادہ: یرموک)

5- یرموک: مظلوموں کی دعا کی قبولیت

رومی افواج کی کثرت، اسلحہ کی فراوانی اور ساز وسامان کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ یہ فتح ان مظلوم اہلِ شام، نومسلم قبائل، اور شہداء کی آہوں، سسکیوں اور استقامت کا صلہ تھی۔ یہ مظلومین جنہیں رومی جبر نے مسمار کر دیا تھا، اُن کی مظلومیت نے ہی معرکہ یرموک میں ربانی نصرت کا دروازہ کھولا۔

تنبیہ:

یرموک کے شہداء اور مظلومین، چاہے نومسلم عرب قبائل ہوں یا مجاہدہ خواتین جیسے حضرت خولہؓ، سب اہلِ ایمان کی صف میں شامل تھے۔ ان کی قربانیاں ہمارے لیے دین کی سچائی اور مظلوموں کی عزت کا واضح معیار ہیں۔ ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، اور ان مظلومین کی عظمت وعدالت مسلم ہے، اور ہر طرح کا تذکرہ انتہائی ادب، توقیر اور دیانت سے کیا جانا چاہیے۔

ذوالحجہ 14ھ معرکہ قادسیہ سفیروں کی توہین اور عدالتی اصولوں کی پامالی

(اسلامی سنہ 14 ہجری مطابق نومبر 635ء)

اسلامی تاریخ کے درخشاں باب میں ''معرکہ قادسیہ'' کو ایک عظیم عسکری اور دینی سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن اس جنگ سے قبل جو روح فرسا مظالم اور بین الاقوامی سفارتی آداب کی پامالی ہوئی، وہ مظلومیت کی وہ داستان ہے جسے ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' میں خصوصی ذکر کا حق ہے۔ اہلِ ایمان کے ان سفیروں کے ساتھ جو سلوک ساسانی دربار میں کیا گیا، وہ نہ صرف اسلامی سفارت کے شفاف اصولوں کی

توہین تھی بلکہ انسانی شرافت اور بین الاقوامی روایات کی بھی کھلی خلاف ورزی تھی۔

1-حضرت ربعی بن عامرؓ اور دیگر صحابہؓ کی سفارت

جب مسلمان افواج نے عراق کے محاذ پر پیش قدمی کی تو جنگ سے پہلے صلح کی کوششیں کی گئیں۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف سے ایک وفد ایرانی سپہ سالار رستم فرخ زاد اور بادشاہ یزدگرد سوم کے دربار میں بھیجا گیا۔اس وفد میں حضرت ربعی بن عامرؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت حذیفہ بن محصنؓ، اور دیگر صحابہ شامل تھے۔یہ تمام حضرات نہ صرف اہلِ فہم وفراست تھے بلکہ دین کے نمائندے، اخلاص وتقویٰ کے پیکر اور حکمت وبصیرت کے ترجمان بھی تھے۔مگر ایرانی دربار نے ان کا استقبال عزت واحترام سے کرنے کے بجائے انتہائی تحقیر آمیز انداز میں کیا۔(الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج3،ص446،مطبوعہ: دارالتراث، بیروت، 1387ھ۔البلاذری،فتوح البلدان،ص243، تحقیق: صلاح الدین المنجد،مطبوعہ: دارومکتب الہلال، بیروت، 1987ء)

2-ایرانی دربار میں سفیروں کی توہین

ایرانی حکمرانوں نے اسلامی سفیروں کو نرم قالینوں، ساز وسامان، اور شائستگی سے لبریز پروٹوکول کے بجائے مٹی اور ریت پر سے گزرنے کا حکم دیا۔حضرت ربعیؓ کو خاص طور پر مٹی میں بھری زمین پر سے گھسیٹ کر بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔اس طرزِ عمل کا مقصد واضح تھا: اسلامی سفارت کی توہین، اور صحابہ کرامؓ کو مرعوب کرنے کی

ناکام کوشش۔ یزدگرد سوم نے حضرت ربعیؓ سے کہا: تمہارے جیسے بدولوگ، گندے لباس اور بوسیدہ ہتھیاروں کے ساتھ، ہماری سلطنت میں کیسے آ گئے؟ تمہاری جرأت کیسے ہوئی ہمیں دعوت دینے کی؟ (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج2، ص374، مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1415ھ)

3-سفارتی آداب کی پامالی: توہین رسالت کے مترادف عمل

عرب سفیروں کو دربار میں گھسیٹ کر لانا، ان کے لباس، زبان اور عقیدے پر طنز و تمسخر کرنا، اور ان کی دعوت کو پاگل پن قرار دینا محض سیاسی مخالفت نہیں تھی؛ یہ ایک ایسا رویہ تھا جو دینِ اسلام، اس کے پیغام اور بانیٔ رسالت ﷺ کی کھلی توہین کے مترادف تھا۔ حضرت ربعیؓ نے فرمایا: ہم آئے ہیں لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف بلانے، دنیا کی تنگی سے وسعت کی طرف، اور ظالم بادشاہوں کے ظلم سے عدلِ اسلام کی طرف۔ اس پر دربار میں قہقہے بلند ہوئے، اور اسلامی سفارت کو جھٹلایا گیا۔ (الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج3، ص447، مطبع: دارالتراث، بیروت)

4-مسلمانوں کا صبر و حلم اور ایرانی تکبر

سفیروں نے ایرانی اہانت کے باوجود تحمل، عزیمت اور حکمت سے جواب دیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے الفاظ تاریخ کا سرمایہ ہیں: ہم مال کے طالب نہیں، نہ بادشاہی کے۔ ہم دین کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اگر تم اسے قبول کرو تو ہمارے بھائی

ہو، ورنہ ہم لڑنے سے نہیں ہچکچائیں گے۔ایرانی جنرل رستم نے جواب میں سفیروں سے کہا: اگر تمہارے رسول ﷺ میں کوئی طاقت ہوتی تو وہ خود آتے، تم جیسے جاہلوں کو کیوں بھیجتے؟ یہ کلمات نہایت سنگین اور گستاخانہ تھے۔ یہی وہ وقت تھا جب اللہ کی نصرت قریب آئی اور جنگ کا فیصلہ کن مرحلہ شروع ہوا۔ (البلاذری، فتوح البلدان، ص 245، مطبع: دارالہلال، بیروت۔ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج2، ص376، مطبع: دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

5- قادسیہ: مظلوم سفیروں کی نصرتِ الٰہی سے فتح

قادسیہ کی لڑائی بالآخر اسلام کی عظیم فتح پر منتج ہوئی، مگر اس سے قبل جو سفارتی اہانت، دینی تمسخر، اور عدل کے اصولوں کی پامالی ہوئی، وہ تاریخِ اسلام کی وہ زخم خوردہ داستان ہے جس میں اسلامی سفارت کا تقدس مجروح کیا گیا۔ان صحابہ کرامؓ نے نہ صرف دین کے وقار کی حفاظت کی، بلکہ صبر، حلم اور عزیمت کا وہ عملی مظاہرہ کیا جس کی مثال بعد میں قائم ہونے والی تمام اسلامی سفارتی روایات کے لیے مشعلِ راہ بنی۔

تنبیہ:

سفیروں کی توہین صرف افراد کی توہین نہیں، بلکہ ان کے پیغام اور مشن کی اہانت ہوتی ہے۔حضرت ربعیؓ، مغیرہؓ اور دیگر صحابہؓ نے قادسیہ سے پہلے جو صبر، ضبط، اور دینی غیرت کا مظاہرہ کیا، وہ محض وقتی ردعمل نہ تھا بلکہ نبوی تعلیمات کا عملی مظہر تھا۔ ان حضرات کی مظلومیت دراصل دین کی عظمت اور فکری بلندی کی علامت تھی۔

معرکہ جلولا: اسیرانِ جنگ پر تشدد اور ریاستی انتقام کا المیہ

(تاریخ: ذوالقعدہ 16 ہجری)

اسلامی تاریخ کے اوراق میں معرکہ جلولا ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں مجاہدین اسلام نے ساسانی سلطنت کی عسکری طاقت کو فیصلہ کن شکست دی۔ تاہم، اس فتح کے پس منظر میں چند ایسے اندوہناک واقعات بھی رونما ہوئے جن میں مظلومیت، بربریت، اور بدترین ریاستی انتقام کے پہلو نمایاں ہیں۔ ان واقعات کا تذکرہ تاریخ کے متعدد مصادر میں موجود ہے، اور وہ مظلوم کردار ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہیں جنہوں نے اسلام کی سربلندی کی راہ میں جان و مال کی قربانیاں دیں، مگر ظلم و ستم کا شکار ہوئے۔

فارس کی طرف سے شکست خوردہ قبائل کے سرداروں پر بربریت

معرکہ جلولا کے بعد ساسانی حکومت کی باقیات نے شکست کا انتقام اپنے ہی لوگوں سے لینا شروع کیا۔ جنگ سے واپس آنے والے عرب نومسلم قبائل کے بعض سردار، جنہوں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا یا ان کے زیر اثر آئے، ساسانی دربار کے غیظ وغضب کا نشانہ بنے۔ ان قبائل کے سرداروں کو ''خائن'' قرار دے کر عبرتناک سزائیں دی گئیں۔ ان میں سے کئی افراد کو دربار کے سامنے برہنہ کر کے زنجیروں میں جکڑا گیا، بعض

کی زبانیں کاٹ دی گئیں، اور کئی کو دار و رسن کا نشانہ بنایا گیا۔ (ابن خلدون، مقدمہ، دار الفکر، بیروت، ص: 298 ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 2، ص: 353، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع جدید)

نومسلموں کو مرتد کہہ کر زنجیروں میں جکڑنا

ساسانی ریاست نے جن قبائل نے اسلام قبول کیا، انہیں ارتداد کے الزام میں قید و بند کا نشانہ بنایا۔ ایسے نومسلم جنہوں نے دین اسلام کو اپنایا، مگر ابھی تک ساسانی سلطنت کے زیر نگین تھے، ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ شاہی اقتدار کے خلاف بغاوت کر چکے ہیں۔ انہیں مجوسی عدالتوں میں پیش کیا گیا، اور بغیر کسی شرعی یا عقلی دلیل کے مرتد قرار دے کر زنجیروں میں جکڑا گیا۔ بعض کو شاہی جلادوں کے حوالے کیا گیا جنہوں نے ان پر طرح طرح کے جسمانی عذاب آزمائے۔ (طبری، تاریخ الرسل والملوک، جلد 3، ص: 129، دار المعارف، قاہرہ بلاذری، فتوح البلدان، ص: 288، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

بعض اسیران کو جلتے ہوئے آلات سے داغنا

تاریخی روایات میں موجود ہے کہ جلولا کے بعد گرفتار ہونے والے بعض مسلم یا مسلم حلیف اسیران کو ساسانی سپہ سالاروں نے عبرت بنانے کے لیے جلتے ہوئے لوہے کے آلات سے داغا۔ یہ غیر انسانی سلوک کسی بھی معروف جنگی ضابطے کے خلاف تھا، اور محض مذہبی عصبیت و نسلی انتقام کا مظہر تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مسلمان قیدی نے اذان دی تو اس کے ہونٹوں کو گرم سیخوں سے جلا دیا گیا۔ (ابن اثیر،

الکامل فی التاریخ، جلد 2، ص:357، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔ مقدسی، البدء والتاریخ، جلد 4، ص:112، دارصادر، بیروت)

حضرت عرفطہ بن غزیہؓ کی مظلومانہ شہادت

معرکہ جلولا کے بعد ایک نہایت ہی دلخراش واقعہ حضرت عرفطہ بن غزیہؓ کی شہادت کا ہے۔ وہ نہایت نیک سیرت، ثابت قدم، اور شجاع صحابی تھے، جنہیں ایرانیوں نے گرفتار کر کے جنگی قیدیوں کے ساتھ قید کر دیا۔ روایت ہے کہ انہوں نے قید میں اذان دی اور اپنے ساتھیوں کو صبر کی تلقین کی، جس پر مجوسی کمانڈر غضب ناک ہو گیا اور انہیں آگ میں جلا دینے کا حکم دیا۔ ان کی شہادت ایک ایسی مظلوم قربانی ہے جو رہتی دنیا تک اسلام کی راہ میں سرفروشی کی علامت بن چکی ہے۔ (طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 3، ص:131، دارالمعارف، قاہرہ ابن خلدون، مقدمہ، ص:300، دارالفکر، بیروت)

تنبیہ

یہ تمام مظلومانہ واقعات، باوجود ان کی سنگینی کے، کسی بھی صورت میں صحابہ کرامؓ یا اسلامی افواج کی طرف منسوب نہیں کیے جا سکتے۔ بلکہ یہ وہ ظلم ہے جو دشمنانِ اسلام اور زوال پذیر ساسانی اقتدار کے اہلکاروں نے اپنے زیرنگین مظلوموں پر روا رکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر عمل دین، عدل، اور انسانیت کے اصولوں پر قائم رہا۔ حضرت عرفطہؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی شہادت ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

اختتامیہ

معرکہ جلولا کی فتح ایک عسکری کامیابی تھی، لیکن اس فتح کی کوکھ سے جنم لینے والے مظالم ہمیں اس حقیقت کی یاد دہانی کراتے ہیں کہ ہر دور میں کچھ مظلوم ایسے ہوتے ہیں جن کی آہیں تاریخ کے سینے میں دفن ہو جاتی ہیں۔ ''اسلام کی مظلوم شخصیات'' کی یہ قسط اُن ہی گمنام قربانیوں اور مظلوم شہداء کی داستان ہے، جنہوں نے ظلم سہہ کر بھی اسلام کے دامن کو داغدار نہ ہونے دیا۔

معرکہ مرج الروم: رومی انتقام اور دیہاتی نومسلموں کا المیہ

(ماہ ربیع الاول 15 ہجری)

فتوحاتِ شام کی تاریخ میں معرکہ مرج الروم ایک فیصلہ کن اور عظیم معرکہ کے طور پر معروف ہے، جو شام کے شمالی علاقے میں رومی افواج اور مجاہدینِ اسلام کے مابین پیش آیا۔ اس معرکہ میں فتح تو مسلمانوں کے حق میں رہی، لیکن اس کے بعد بعض رومی جرنیلوں اور پسپا ہوتی رومی ریاست کی طرف سے جو مظالم برپا کیے گئے، وہ نہ صرف انسانیت، بلکہ جنگی ضوابط اور مذہبی اصولوں کی بھی صریح خلاف ورزی تھے۔ بالخصوص مرج الروم کے نواحی علاقوں میں آباد نومسلم دیہاتی قبائل پر جو ظلم ہوا، وہ اسلام کی مظلوم شخصیات کی اس کڑی میں خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

شام میں رومی افواج کی پسپائی کے بعد دیہاتی نومسلموں پر انتقام

رومی سلطنت کی فوجی شکست کے بعد جب مجاہدینِ اسلام دمشق، بعلبک، اور حمص کی طرف پیش قدمی کرنے لگے، تو مرج الروم کے گرد و نواح کے دیہات جہاں اسلام کا نور پہنچ چکا تھا اور مقامی قبائل بڑی تعداد میں دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے رومی افواج کی نفرت و انتقام کا مرکز بن گئے۔ یہ نومسلم قبائل، جنہوں نے حق کو قبول کر لیا تھا، اب رومی سلطنت کی نظر میں باغی اور خائن قرار پائے۔ پسپائی کے عالم میں رومی کمانڈرز نے ان بستیوں پر چڑھائی کی اور جو بے گناہ مسلمان ہاتھ آئے، انہیں یا تو قتل کیا گیا یا زندہ جلا دیا گیا۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 2، ص:359، دار الکتب العلمیہ، بیروت واقدی، فتوح الشام، جلد 1، ص:242، تحقیق: جمال الدین شرف، دار الفتح، عمان)

مرج الروم کے اطراف میں عورتوں و بچوں کا بے دریغ قتل

سب سے دلخراش منظر ان نومسلم دیہاتی بستیوں میں دیکھا گیا جہاں عورتیں اور بچے کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر گھروں میں موجود تھے۔ رومی افواج نے جب ان بستیوں پر ہلہ بولا تو نہ صرف مردوں کو قتل کیا بلکہ عورتوں کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ بعض روایات کے مطابق بچوں کو نیزوں کی نوک پر اچھالا گیا اور حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کیے گئے۔ یہ سب محض اس جرم کی پاداش میں ہوا کہ ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (بلاذری، فتوح البلدان، ص:147، دار الکتب العلمیہ، بیروت ابن عساکر، تاریخ دمشق، جلد

12،ص:88 ،دارالفکر،بیروت)

شہداء کی اجتماعی قبریں

مرج الروم اور اس کے اطراف میں جب اسلامی لشکر کو ان دیہات کی خبر پہنچی،تو وہاں صرف جلتے ہوئے گھروں اور شہداء کی لاشوں کے انبار باقی تھے۔بعض مؤرخین کے مطابق درجنوں ایسے مقامات دریافت ہوئے جہاں گڑھے کھود کر شہداء کو اجتماعی طور پر دفنایا گیا۔ان اجتماعی قبروں میں معصوم بچوں،نوجوانوں اور عمر رسیدہ لوگوں کے ساتھ خواتین کی میتیں بھی شامل تھیں۔حضرت خالد بن ولیدؓ نے خود ان مقامات پر جا کر قبروں کی نگرانی کی اور صحابہ سے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے دین کو اپنایا اور ہم تک پہنچنے سے پہلے ہی شہید کر دیے گئے۔(واقدی،فتوح الشام، جلد1،ص:243،دارالفتح،عمان ابن اثیر،الکامل،جلد2،ص:360)

حضرت خالد بن ولیدؓ کا شدید ردعمل

جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان مظالم کی خبر ملی تو ان کا دل تڑپ اٹھا۔وہ لشکر کے ہمراہ فوراً متاثرہ دیہات کی طرف روانہ ہوئے۔کئی گرفتار رومی سپاہیوں کو طلب کر کے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھایا؟اور جب اس بات کا اقرار ہوا،تو حضرت خالدؓ نے شدید غیظ وغضب کا اظہار فرمایا اور فرمایا: یہ جنگ مردوں سے ہے،عورتوں اور بچوں کا خون بہا کر تم نے بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔حضرت خالدؓ

نے ان رومی افسران کو سخت تعزیری سزائیں دیں اور پھر خطبہ دے کر لوگوں کو تعزیت وصبر کی تلقین کی۔ (واقدی، فتوح الشام، جلد 1، ص:244 طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 3، ص: 145، دارالمعارف، قاہرہ)

تنبیہ

اس مقالہ میں بیان کردہ تمام مظالم رومی افواج اور ان کے حکام کے ظلم کا نتیجہ تھے۔ ان کا اسلام یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پالیسیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ درحقیقت، حضرت خالد بن ولیدؓ اور دیگر صحابہؓ نے ان واقعات پر سخت ردعمل ظاہر کیا، متاثرہ خاندانوں کی دلجوئی کی اور دشمنوں کو خبردار کیا کہ آئندہ عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھایا تو اسلامی لشکر کسی قسم کی رورعایت نہیں برتے گا۔ یہ ردعمل خود اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کی تعلیمات جنگی آداب، انسانی حقوق اور مظلوم کی حمایت پر مبنی ہیں۔

اختتامیہ

معرکہ مرج الروم کے بعد نومسلم دیہاتیوں پر جو ظلم ڈھایا گیا، وہ تاریخ کا سیاہ باب ہے۔ یہ مظلوم انسان، جنہوں نے ابھی اسلام کی روشنی کو سینے سے لگایا ہی تھا، رومی ظلم کی تاریکی میں دفن کر دیے گئے۔ ان کی قربانیاں، ان کا لہو، اور ان کی اجتماعی قبریں آج بھی ہمیں دعوت دیتی ہیں کہ ہم ان مظلوموں کی یاد زندہ رکھیں اور آئندہ نسلوں کو بتائیں کہ اسلام کی مظلوم شخصیات صرف میدان جنگ کے شہداء تک محدود

نہیں، بلکہ وہ مائیں، بہنیں، بچے، اور نومسلم دیہاتی بھی ہیں جنہوں نے کلمہ توحید کی قیمت اپنی جان سے ادا کی۔

شوال 16 ہجری

(یمن کے نومسلم قبائلِ حِمیر و زبید پر ریاستی مظالم: ایک تاریک باب)

اسلامی تاریخ کے سنہری صفحات کے درمیان چند سطور ایسی بھی ہیں جو ظلم، جبر اور مظلومیت سے لکھی گئیں۔ یہ سطور ان اہلِ ایمان کی داستانِ صبر و ثبات سناتی ہیں جنہوں نے نہ صرف ظلم کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا بلکہ اپنی جانوں، عزتوں اور نسلوں کی قربانی دے کر دین اسلام سے اپنی وفاداری کا ثبوت دیا۔ شوال 16 ہجری کا یہ واقعہ بھی انہی مظلوم صفحات میں سے ایک ہے، جب یمن کے نومسلم قبائل خصوصاً حِمیر اور زبید پر مقامی جابر حکام نے بغاوت کے الزامات لگا کر بدترین مظالم کے پہاڑ توڑے۔

پس منظر: دعوتِ اسلام کا یمن میں فروغ

یمن میں اسلام کا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں پہنچ چکا تھا۔ حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کو یمن کی مختلف بستیوں میں تعلیمِ دین، قضا و افتاء، اور تبلیغِ اسلام پر مامور کیا گیا

تھا۔ان کے بابرکت اثرات سے قبائلِ حمیر، زبید، کندہ، مذحج، اور دیگر یمنی اقوام نے جوق در جوق اسلام قبول کیا۔قبولِ اسلام کے بعد ان نومسلم قبائل نے نہایت اخلاص سے دینِ حق کو اپنایا، شرک و جاہلیت کی رسموں کو ترک کیا اور شرعی نظامِ حیات کے تحت زندگی گزارنے لگے۔تاہم، یمن کے بعض علاقوں میں مقامی غیر مسلم حکام، جو سیاسی اقتدار اور نسلی برتری کے نشے میں چور تھے، اس تبدیلی کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھنے لگے۔

مجوسی و یہودی عناصر کی سازش

یمن کے جنوبی علاقوں میں آج بھی آثار ملتے ہیں کہ وہاں کے بعض مقامی سردار، جو یا تو باقیاتِ مجوسیت سے تعلق رکھتے تھے یا یہودی اثر و رسوخ میں تھے، اسلام کو ایک اجنبی، خارجی قوت کے طور پر دیکھتے تھے۔اسلام دشمنی کی اس لہر نے شوال 16 ہجری میں ایک خونی اور اندوہناک شکل اختیار کی۔مختلف یمنی علاقوں بالخصوص ظفار، زبید، اور نجران میں نومسلم قبائل کو بغاوت کے الزام میں ہدفِ ستم بنایا گیا۔

ظلم و بربریت کی داستان

مؤرخین ابن اثیر، طبری، اور یعقوبی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقامی حکام نے نومسلم قبائل کو اسلام لانے کی سزا دیتے ہوئے ان کے قریوں کو آگ لگائی، مردوں کو بغاوت کے الزام میں قتل کیا، اور عورتوں کو لونڈی بنا کر بازاروں میں بیچا

گیا۔ معصوم بچوں کو غلام بنا کر حجاز وعراق کے بازاروں میں فروخت کیا گیا۔ (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، جلد 2، ص 361، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، تاریخ طبری، جلد 3، ص 137، مطبوعہ دار التراث، بیروت تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 155، مطبوعہ دار صادر، بیروت)۔ یہ مظالم کسی وقتی انتقامی کارروائی کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ ایک منظم ریاستی جبر کی شکل اختیار کر چکے تھے، جس میں مقامی بادشاہوں، زمینداروں، اور مذہبی پیشواؤں نے اسلام دشمنی میں حد پار کر دی۔

مرکزی حکومت کا ردِعمل

جب مدینہ منورہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو اس بغاوت کی تفصیل اور نومسلموں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی خبر پہنچی، تو آپ کے دل میں جوشِ غیرت ایمانی موجزن ہو گیا۔ آپ نے فوری اقدام کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو ایک فوجی دستے کے ساتھ یمن روانہ فرمایا تاکہ ان قبائل کو تحفظ دیا جائے، مظلوموں کی دادرسی کی جائے، اور سرکش عناصر کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے نہایت حکمت اور شریعت کے مطابق کارروائی کرتے ہوئے ان بستیوں میں امن قائم کیا، مسلم قیدیوں کو رہا کروایا، اور فتنہ پرور عناصر کو عبرتناک انجام سے دوچار کیا۔ اس طرح یمن کے ان علاقوں میں دوبارہ اسلامی تعلیم، عدل، اور اخوت کا چراغ روشن ہوا۔

مظلوم قبائل کا ایمان وصبر

ان مظلوموں کی آزمائش صرف جسمانی تکالیف تک محدود نہ تھی، بلکہ انہیں

دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے مختلف طرح کی ترغیبات اور دھمکیاں دی گئیں۔مگران قبائل کے اکثر افراد نے اپنا دین نہ چھوڑا، بلکہ صبر، دعا، اورتقویٰ کے ساتھ مظالم برداشت کیے۔اس غیر معمولی صبر پر قرآن وسنت کے وہی وعدے صادق آتے ہیں جواہلِ ایمان کے لیے صبر پر مغفرت واجر کی ضمانت دیتے ہیں۔

تنبیہ

یہ واقعہ جہاں ہمیں اسلام دشمن عناصر کی مکاریوں سے باخبر کرتا ہے، وہیں خلفائے راشدین کی حکمتِ عملی، عدل وانصاف، اور مظلوموں کی دادرسی کے جذبے کی گواہی بھی دیتا ہے۔صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے اپنی شرعی بصیرت، دینی حمیت، اور تدبر کے ذریعے نہ صرف مظلوموں کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کی، بلکہ اسلامی ریاست کو باطل طاقتوں کے خلاف ایک زندہ وبیدار قوت بنادیا۔

نتیجہ

یمن کے نومسلم قبائل، خصوصاً حِمیر اور زبید، نے دینِ اسلام کو اپنانے کے بعد جس ظلم وجبر کا سامنا کیا، وہ تاریخِ اسلام کا ایک المناک باب ہے۔مقامی غیر مسلم عناصر نے سیاسی خوف، مذہبی تعصب، اور اسلام دشمنی میں ان مظلوموں پر جو ظلم ڈھائے، وہ بلاشبہ فتنہ وفساد کی بدترین مثالیں ہیں۔مگراس واقعے سے جہاں مظلوموں

کے صبر، استقامت اور دینی غیرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں خلافتِ راشدہ کی عدل پر مبنی پالیسی، صحابہ کرامؓ کی غیرتِ ایمانی، اور مظلوموں کی نصرت کے لیے ان کی برق رفتار تدابیر بھی نمایاں ہوتی ہیں۔ یہ واقعہ آج کے دور میں بھی ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ ایمان کی راہ کبھی آسان نہیں ہوتی، مگر سچائی اور صبر کا انجام بالآخر کامیابی و سربلندی ہے۔ اور اسلامی قیادت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ہر دور میں مظلوم کی پشت پر کھڑی ہو، اور باطل قوتوں کو عدل و قانون کے دائرے میں لا کر امت کے کمزور طبقے کو تحفظ فراہم کرے۔

تنبیہ یہ امر ہر صاحبِ ایمان کے لیے لازم ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو مکمل احترام و عقیدت کے ساتھ تسلیم کرے۔ قرآن مجید نے ان حضرات کو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے لقب سے سرفراز فرمایا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی عدالت، تقویٰ، اور قربانیوں کو دین کی اساس قرار دیا۔ اس واقعے میں حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت عبداللہ بن عامرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کی حکمتِ عملی اور عدل پر مبنی اقدامات، درحقیقت خلفائے راشدین کی اس اعلیٰ قیادت کی ترجمانی کرتے ہیں جس نے دینِ اسلام کو ظلم و فساد کے اندھیروں سے نکال کر عدل و انصاف کے نظام میں بدلا۔ لہٰذا، اس واقعے میں اگرچہ ظلم و بربریت کا ذکر آیا، لیکن وہ ان اسلام دشمن عناصر کی جانب سے تھا جو قبائلِ نومسلم پر ستم ڈھا رہے تھے۔ اس ظلم کی روک تھام میں صحابہ کرامؓ کی مداخلت نہ صرف ان کے ایمان، غیرت اور فہمِ شریعت کی دلیل ہے، بلکہ امتِ مسلمہ کے لیے ایک مستقل نمونہ بھی ہے کہ جب بھی ظلم ہو، اہلِ حق کو بلا خوف و تردد مظلوموں

کی حمایت کرنی چاہیے۔

رجب وشعبان 16 ہجری

(فلسطین واردن کے نومسلم قبائل پر بازنطینی ظلم وجبر کی یلغار)

اسلامی فتوحات کا ہر قدم جہاں حق کی روشنی پھیلا رہا تھا، وہیں باطل قوتیں اپنی شکست کے زخم سہلاتے ہوئے نہ صرف جنگی میدان میں، بلکہ کمزور ومظلوم نومسلم بستیوں پر بھی انتقاماً ظلم وجور کی آگ بھڑکانے میں مصروف تھیں۔ اسلامی سال 16 ہجری کے رجب وشعبان کے مہینے اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں، جب اردن وفلسطین کی سرحدی مسلم بستیوں پر رومی (بازنطینی) افواج نے ظلم کی انتہا کردی۔

تاریخی پس منظر

رومی سلطنت کے مشرقی بازو یعنی بازنطینی حکومت کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس کی سرحدوں کے قریب اسلام کا پرچم لہرانے لگے۔ شام وفلسطین کے سرحدی علاقے خصوصاً اجنادین، طبریہ، بیت راس، غسانی قبائل کے مسکن، اور اردن کے نشیبی دیہات مسلمان افواج کی متواتر فتوحات سے متاثر ہو چکے تھے۔ ان علاقوں کے قبائل نے نہ صرف اسلام قبول کرلیا تھا بلکہ خلافتِ راشدہ سے باقاعدہ بیعت کرکے شرعی نظامِ حکومت کو تسلیم کرلیا تھا۔ مگر رومی افواج نے اس اسلامی اثر کو خطرہ محسوس کرتے ہوئے، موسمِ بہار

کی آڑ میں سرحدی دیہات پر اچانک چھاپہ مار کارروائیاں شروع کر دیں۔

بازنطینی مظالم کی شدت

روایاتِ تاریخ سے ثابت ہے کہ: رومی افواج نے سرحدی مسلم بستیوں پر دوبارہ چڑھائی کر کے اسلامی حکمرانی کے تابع نومسلم قبائل کو نہایت سخت سزا دی۔ مردوں کو قید کیا گیا، بعض کو صلیبی مقدمات میں شہید کر دیا گیا، عورتوں کو جبراً لونڈی بنایا گیا، اور معصوم بچوں کو غلام منڈیوں میں فروخت کے لیے بھیج دیا گیا۔ (فتوح البلدان، بلاذری، ص 149، مطبوعہ دار الغرب الاسلامی، بیروت، تاریخ دمشق، ابن عساکر، جلد 12، ص 91، مطبوعہ دار الفکر، دمشق احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، مقدسی، جلد 4، ص 114، مطبوعہ دار صادر، بیروت)۔ یہ مظالم عام جنگی تصادمات نہیں تھے بلکہ ایک منظّم صلیبی ذہنیت کا اظہار تھے، جن کا مقصد اسلامی اثر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اور نومسلم قبائل کو خوفزدہ کر کے واپس جاہلیت کی طرف مائل کرنا تھا۔

خلافتِ راشدہ کا بروقت اقدام

مدینہ منورہ میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان حملوں کی اطلاع ملی تو آپ کا دل غم و غیرت سے بھر گیا۔ فوراً شام کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو خط لکھا گیا اور حکم دیا گیا کہ مظلوم بستیوں کی حفاظت کی جائے اور اہلِ ایمان کو بازنطینی مظالم سے نجات دی جائے۔ حضرت ابوعبیدہؓ، جن کا زہد، عدل اور تدبر مسلم

الثبوت ہے، نے فوراً گشتی دستے روانہ کیے۔ یہ چھوٹے مگر چابک دست لشکر اردن اور فلسطین کی ان بستیوں میں پہنچے، جہاں مسلمانوں کو قید کرلیا گیا تھا یا خواتین واطفال کو غلام بنایا جاچکا تھا۔ مجاہدینِ اسلام نے ایک طرف قیدیوں کو آزاد کروایا، تو دوسری طرف دشمن افواج کو سرحدی چوکیوں سے پیچھے دھکیل دیا۔ یہ مہم نہ صرف عسکری کامیابی تھی بلکہ اسلامی عدل، غیرتِ دینی، اور مظلوموں کی حمایت کی ایک زندہ مثال تھی۔

مظلوم قبائل کا عزم واستقامت

رومی افواج نے ان قبائل کو دین ترک کرنے کی ترغیب دی، مگر ایمان کا نور جب دلوں میں اتر چکا ہو تو تلواریں بھی اسے بجھا نہیں سکتیں۔ ان قبائل نے اپنی جان و مال اور عزت کی قربانی دے دی مگر دینِ حق کو نہ چھوڑا۔ ان کی یہ قربانی تاریخ کے صفحات میں ایک نورانی سطر کی مانند ہے۔

نتیجہ

فلسطین واردن کے نومسلم قبائل پر بازنطینی مظالم نے جہاں صلیبی دشمنی کی شدت کو بے نقاب کیا، وہیں اسلامی خلافت کے عدل، صحابہ کرامؓ کی غیرتِ ایمانی، اور مظلوموں کے ساتھ وفاداری کی روشن مثالیں بھی پیش کیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی قیادت میں اسلامی افواج نے ظلم کا مقابلہ صرف تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق، فہم، اور تدبر سے بھی کیا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست صرف فتوحات کی

بنیاد پر قائم نہیں رہتی، بلکہ مظلوموں کی پناہ گاہ بن کر ہی اپنا اصل کردار ادا کرتی ہے۔

تنبیہ

یہ بات اہلِ ایمان کے لیے نہایت اہم ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر میں ہمیشہ ادب وتعظیم کو ملحوظ رکھیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ان کی قیادت وفہم، زہد وتقویٰ، اور مظلوموں کی حمایت، دراصل خلافتِ راشدہ کی اس اصل روح کو ظاہر کرتی ہے جو عدل، اخوت اور ایمان سے عبارت تھی۔ ان جلیل القدر صحابہ کی قیادت نے امت کو بتایا کہ جب ظلم کے بادل چھا جائیں تو اہلِ حق کو بزدلی نہیں بلکہ بصیرت اور جُہد کے ساتھ میدان میں آنا چاہیے۔

محرم، صفر 17 ہجری

(معرکہ نہاوند کے بعد فارس میں نومسلمین پر ساسانی انتقامی مظالم)

تاریخِ اسلام کا ایک فیصلہ کن اور عظیم الشان معرکہ، جسے مؤرخین نے بجا طور پر فتح الفتوح کا لقب دیا، معرکہ نہاوند ہے۔ یہ معرکہ اسلامی عسکری تاریخ میں نہ صرف فتوحاتِ فارس کی تکمیل کا دروازہ بنا، بلکہ اس کے بعد کے واقعات نے مسلمانوں کی آزمائش، دشمن کی درندگی، اور نومسلموں کی مظلومیت کے وہ دردناک مناظر سامنے لائے جنہیں مؤرخین نے خونچکاں صفحات پر محفوظ کیا۔

نہاوند: ساسانی سلطنت کی آخری سانس

ایران کے مغربی علاقوں میں واقع نہاوند کا یہ معرکہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران صفر 17 ہجری میں پیش آیا۔ ساسانی سلطنت نے آخری بار پوری طاقت جمع کر کے مسلمانوں کے خلاف عظیم جنگی اتحاد قائم کیا۔ اس موقع پر خلیفہ دوم نے حضرت نعمان بن مقرنؓ کو سپہ سالار اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور دیگر صحابہ کو مختلف ذمہ داریوں پر مامور فرمایا۔ مسلمانوں نے توکل، شجاعت اور نظم وضبط کے ساتھ جنگ لڑی، اور بالآخر ایران کی عسکری کمر توڑ دی گئی۔ (تاریخ الطبری، جلد 3، ص 138140، دار المعارف، قاہرہ)

فتح کے بعد شکست خوردہ ساسانیوں کا انتقام

نہاوند کی فتح کے بعد اگرچہ مرکزی ساسانی حکومت زوال پذیر ہو گئی، مگر کئی مقامی سرداروں، زمینداروں، اور مجوسی مذہبی طبقات نے اپنی شکست کا غصہ ان ایرانی عوام پر نکالا جو اب مسلمان ہو چکے تھے۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ: ایران کے بعض علاقوں مانند ہمدان، رے، جرجان، اور اصفہان میں ان نومسلم قبائل پر ظلم کی انتہا کر دی گئی۔ انہیں ریاست کے خلاف بغاوت کا مجرم قرار دیا گیا۔ بعض کو گھروں سے نکال کر زندہ آگ میں جھونک دیا گیا، بعض کے اہل خانہ کو قیدی بنا کر غلام منڈیوں میں فروخت کیا گیا۔ یہ تمام مظالم اس بنیاد پر کیے گئے کہ انہوں نے 'عربوں کا

دین قبول کیا تھا۔ (فتوح البلدان، بلاذری، ص290، دارالکتب العلمیہ، بیروت تاریخ ابن خلدون، جلد 2، ص213، دارالفکر، بیروت)

نومسلمین کی شناخت وہدف بندی

یہ ظلم عمومی نوعیت کا نہیں تھا بلکہ خاص طور پر ان ایرانیوں کو نشانہ بنایا گیا جنہوں نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ چونکہ یہ نومسلمین اب دینی طور پر مدینہ منورہ کی خلافت کے ساتھ جڑ چکے تھے، لہٰذا انہیں ریاستی غداری کا مجرم سمجھا گیا۔ ساسانی پجاریوں اور مجوسی کاہنوں نے عام عوام کو یہ باور کروایا کہ اسلام قبول کرنا ایرانی شناخت اور آتش پرستی کے خلاف بغاوت ہے، اور اسی بنیاد پر قبیلوں کے قبیلے ظلم وقہر کا نشانہ بنائے گئے۔

خلافتِ راشدہ کی اخلاقی اور عملی بصیرت

ان مظالم کی خبریں جب دارالخلافہ مدینہ منورہ پہنچیں، تو حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان نومسلمین کی پناہ اور دینی استقامت کے لیے متعدد اہلِ علم اور فقیہ صحابہ کو ہدایت دی کہ وہ ان علاقوں میں جا کر اسلام کی تعلیم کو عام کریں اور نو وارد مسلمانوں کو دین پر ثابت قدم رکھیں۔ حضرت حذیفہؓ اور حضرت مغیرہؓ نے نہ صرف ان علاقوں میں دینِ اسلام کی ترویج کا سلسلہ برقرار رکھا، بلکہ مظلومین کو قبائلی وتمدنی سطح پر اعتماد دیا۔

اسلامی فوجوں کو ایسی حکمت عملی دی گئی کہ مظلومین کی حفاظت اور مجرمانہ مقامی سرداروں کا تعاقب کیا جا سکے۔اس حکیمانہ اور ہمدردانہ رویے نے اسلام کے وقار کو اور بلند کیا۔

نتیجہ

معرکہ نہاوند نے اگر ایک عظیم سلطنت کا خاتمہ کیا، تو اس کے بعد کے حالات نے اسلام کے نام پر قربانی دینے والوں کی مظلومیت کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ کر دیا۔ساسانیوں کے ہاتھوں نومسلمین پر ڈھائے گئے مظالم ایک طرف دینِ اسلام کی حقانیت کی دلیل ہیں، تو دوسری طرف خلفائے راشدین کے عدل، فراست، اور صحابہ کرامؓ کی ایمانی حمیت کے مظہر ہیں۔ان مظلومین نے ثابت کیا کہ دین کی راہ میں جان، مال، عزت و خاندان کی قربانی، کامیابی کے زینے کی پہلی سیڑھی ہے۔اور اسلامی قیادت کا فرض ہے کہ وہ ان مظلوموں کی ڈھال بنے، جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی قیادت نے اس دور میں کیا۔

تنبیہ

اس واقعے میں جہاں ایک طرف نومسلموں کی مظلومیت اور ساسانیوں کی درندگی کا ذکر آیا، وہیں صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت نعمان بن مقرنؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے کردار کو نہایت ادب و عظمت کے ساتھ یاد کرنا لازم ہے۔یہ حضرات نہ صرف فتوحات کے امین تھے، بلکہ اخلاق، زہد، اور رعایا کے حقوق کے

محافظ بھی تھے۔ان جلیل القدر صحابہ کی قیادت نے ہمیں یہ سکھایا کہ فتح صرف زمینوں کی نہیں بلکہ دلوں کی بھی ہو،اور مظلوموں کا ساتھ دینا اسلامی حکمرانی کی اصل روح ہے۔

صفر، ربیع الاول 17 ہجری

(جلولا تا نہاوند: راستوں میں نومسلم ومہاجر قافلوں پر ساسانی جبر و بربریت)

اسلامی فتوحات محض عسکری کامیابیاں نہ تھیں بلکہ ان کے ساتھ انسانیت، عدل، اور توحید کا پیغام بھی رواں دواں تھا۔مگر جب باطل طاقتیں ظاہری شکست سے دوچار ہو جاتی ہیں، تو وہ زیرِ زمین فتنوں، راہزنی، اور کمزوروں پر مظالم کے ذریعے اپنی خفت مٹانے کی کوشش کرتی ہیں۔جلولا اور نہاوند کے درمیانی علاقے بھی اسی قسم کی پسپائی کا شکار ساسانی سرداروں کا مرکز بن گئے، جہاں راستوں میں نومسلم اور مہاجر قافلے ظلم وتشدد کا نشانہ بننے لگے۔

جغرافیائی وتاریخی پس منظر

معرکہ جلولا (20ھ) اور معرکہ نہاوند (17ھ) کے درمیانی علاقوں بالخصوص دینا ور، کنگاور، صیمرہ، حلوان اور دیگر کوہستانی گزرگاہیں فتح کے باوجود ابھی تک بعض ساسانی بااثر قبائل کے نیم خودمختار تسلط میں تھیں۔یہاں کے مجوسی ونسلی متعصب سردار، جو اسلام کی بڑھتی طاقت اور قبائل کے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے کو اپنی

ذلت سمجھتے تھے، خفیہ طور پر اپنی سازشوں کا جال بننے لگے۔ (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، جلد 2، ص 362، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قافلوں پر حملے: مذہبی وقبائلی تعصب کی مثال

ان ایام میں نہ صرف اہلِ ایمان، بلکہ بعض اہلِ کتاب، اور وہ مقامی قبائل بھی، جو مسلمانوں کے ساتھ صلحی معاہدوں کی تلاش میں تھے، جلولا ونہاوند کے درمیانی علاقوں سے گزرتے ہوئے دارالاسلام یا اسلامی زیرنگیں علاقوں کی طرف نقل مکانی کررہے تھے۔ انہی قافلوں پر: راستوں میں گھات لگا کر حملے کیے گئے۔ عورتوں کو اغوا کر کے لونڈی بنالیا گیا۔ مردوں کو قتل یا غلام بنا کر بیچ دیا گیا۔ اموال، مال مویشی، اور ذاتی ساز وسامان کو لوٹ لیا گیا۔ بعض صورتوں میں قافلوں کے افراد کو آگ میں جھونکا گیا تا کہ دوسروں کے لیے عبرت بنیں۔ (المغازی، واقدی، جلد 2، ص 145، دار الفکر، بیروت تاریخ الطبری، جلد 3، ص 141، دار المعارف، قاہرہ)۔ یہ مظالم صرف مالی مقاصد کے لیے نہ تھے، بلکہ دینی انتقام، نسلی غرور، اور اسلامی اثر سے نفرت پر مبنی تھے۔ ان قافلوں کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ دینِ اسلام کے قریب ہو چکے تھے، یا اسلامی حکومت سے امن کے خواہاں تھے۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کا مؤثر اقدام

جب ان واقعات کی اطلاع حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو ملی، جو نہاوند کے اطراف میں اسلامی فوجوں کی نگرانی پر مامور تھے، تو آپ نے نہایت

سرعت اور بصیرت کے ساتھ ان راستوں پر فوجی گشتی دستے مقرر فرمائے۔ یہ دستے دن رات ان گزرگاہوں کی حفاظت کرتے، قافلوں کو تحفظ فراہم کرتے، اور راہزنوں کا تعاقب کرتے۔ مزید برآں، بعض ساسانی مجرمین کو عبرتناک تعزیر دی گئی، جن میں سے بعض کو جلاوطن کر دیا گیا تاکہ ان کا فتنہ ختم ہو اور دوسروں کے لیے تنبیہ بنے۔ یہ اقدام محض عسکری نوعیت کا نہ تھا بلکہ اسلامی ریاست کے عدل، مظلوموں کی حمایت، اور امن وتحفّظ کی ضمانت کا عملی مظاہرہ تھا۔

نتیجہ

فتح جلولا ونہاوند کے درمیانی عرصہ میں ساسانی سرداروں کا نومسلم قافلوں پر ظلم وستم، دراصل شکست خوردہ ذہنیت کی ایک تاریک مثال ہے۔ وہ عناصر جو میدانِ جنگ میں اسلام کا مقابلہ نہ کر سکے، انہوں نے مظلوموں، مہاجرین، اور نومسلموں کو نشانہ بنایا۔ مگر اسلامی قیادت خصوصاً حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ان حملوں کو وقتی نہ سمجھا بلکہ سنجیدگی سے نمٹا، اور عدل وامن کو بحال رکھا۔ یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ اسلامی نظام صرف فتوحات کی فہرست نہیں بلکہ ہر مظلوم کے حق میں ایک زندہ ضمیر رکھنے والی ریاست ہے۔

تنبیہ

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دینی غیرت، فہمِ شریعت، اور عملی حکمت کا

آئینہ دار ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ جو نہایت متقی، رازدارِ رسول ﷺ، اور فہم و بصیرت کے امام تھے نے اس فتنے کو محض ایک سیکیورٹی معاملہ نہیں سمجھا، بلکہ اسے دین، امن، اور مظلوم کی حمایت کا مسئلہ جانا۔ ان جلیل القدر صحابی کی قیادت نے امت کو بتایا کہ ظاہری جنگوں سے بڑھ کر اہم جنگ وہ ہے جو مظلوم کی حفاظت، باطل کے مکروفریب، اور امنِ عامہ کی بحالی کے لیے لڑی جائے۔

مسجد نبوی کی دوسری تعمیر اور مظلوم محنت کش

(ایک عدل آفریں باب)

(تاریخ: رجب 17 ہجری، مقام: مدینہ طیبہ)

اسلامی ریاست کا مرکز اور روحانی مرکزِ عالم اسلام مدینہ منورہ اپنے وجود میں ابتدا ہی سے مظلوموں کی جائے پناہ اور عدل و رحمت کی آماجگاہ رہا ہے۔ جب سنہ 17 ہجری میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے دورِ خلافت میں مسجد نبویؐ کی توسیع کا منصوبہ شروع ہوا تو اس عظیم منصوبے میں شرکت کرنے والے افراد میں بہت سے ایسے محنت کش مزدور بھی شامل تھے جو ظلم و ستم کی بھٹیوں سے نکل کر مدینہ کی پناہ میں آئے تھے۔ ان میں ایرانی، حبشی اور قبطی نسل کے وہ نومسلم بھی شامل تھے جنہیں ان کے سابقہ آقاؤں نے زبردستی غلام بنا رکھا تھا حالانکہ وہ آزاد ہو چکے تھے۔ اس توسعاتی

منصوبے میں نہ صرف ان کی شرکت کا دروازہ کھولا گیا بلکہ اسلامی عدل ومساوات کی اعلیٰ مثال قائم ہوئی۔

مظلوم مزدوروں کا پس منظر

مسجد نبویؐ کی توسیع میں جن مزدوروں نے شرکت کی، ان میں سے کئی ایسے تھے جو اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے وطن میں ظلم کا شکار ہو چکے تھے۔ ان میں ایک نام فروخ الفارسی کا تھا، جو اہل فارس میں ایک آزاد آدمی تھا اور اسلام سے وابستگی کی بنا پر اسے وطن بدر کر دیا گیا۔ ساسانی مذہبی طبقے نے نہ صرف اس پر ارتداد کا فتویٰ لگایا بلکہ اسے قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ فروخ جیسے کئی افراد ایران وحبشہ سے نکل کر مدینہ پہنچے، جہاں وہ مسجد نبویؐ کی تعمیر میں رضا کارانہ طور پر شریک ہوئے۔

حضرت عمرؓ کی عدل گستری

جب یہ خبر حضرت عمر بن خطابؓ کو پہنچی کہ کچھ مزدور وہ ہیں جنہیں سابق آقاؤں نے غلام بنا کر فروخت کیا ہے حالانکہ وہ آزاد تھے، تو آپؓ نے ان کے معاملات کی تحقیق کروائی۔ جب ان کی آزادی ثابت ہوئی تو انہیں آزاد کیا گیا، اور صرف یہی نہیں، بلکہ ان کی معاشی کفالت بھی بیت المال سے کی گئی تا کہ مزدوری ان کے لیے استحصال نہ بنے بلکہ عزت وکرامت کے ساتھ روزی کا ذریعہ بنے۔ ابن سعد اس واقعہ کو یوں روایت کرتے ہیں: كَانَ فِي التَّوْسِيعِ عَلَى الْمَسْجِدِ نَاسٌ مِنَ

الْـمَـوَالِی، بَعْضُهُمْ كَانَ مَظْلُومًا، فَأَمَرَ عُمَرُ أَنْ يُرَاجِعَ أَمْرُهُمْ، فَمَنْ ثَبَتَ أَنَّـهُ حُـرٌّ، أَعْتَـقَـهُ، وَجَرَى لَهُ مِنَ الْبَيْتِ مَعِيْشَةٌ (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج3، ص 250، دار صادر، بیروت)

فروخ الفارسی: مظلوم سے خادمِ حرم تک

فروخ الفارسیؒ کی داستان نہ صرف فردِ واحد کی مظلومیت کی داستان ہے بلکہ وہ اجتماعی عدل اور اسلامی بھائی چارے کی عملی تصویر بھی ہے۔ مدینہ پہنچ کر اس نے حضرت علیؓ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا، اور مسجد نبویؐ کی توسیع میں جانفشانی سے خدمات انجام دیں۔ وہ اہلِ صفہ کے ساتھ وقت گزارتے، حضرت عمرؓ کے خطبات سنتے اور حضرت علیؓ سے فقہ و حکمت کے مسائل سیکھتے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں: فـروخ الفارسی جاءَ من فارس فِی زمان عُمَر، وَقِيلَ لَهُ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: عَبْـدٌ حُـرٌّ فِی دَارِ النُّبُوَّةِ (تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، ج7، ص33، دار الکتب)۔ یہ وہ مقام تھا جہاں ایک مظلوم، جو فارس میں ''مرتد'' سمجھا گیا، یہاں ''خادمِ حرم'' بن کر عزت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

مختصر نتیجہ:

تعمیرِ مسجد نبویؐ ثانی میں شرکت کرنے والے مزدور محض جسمانی محنت کرنے

والے افراد نہ تھے، بلکہ وہ مظلوم انسان تھے جنہیں اسلامی خلافت نے پناہ، انصاف اور عزت عطا کی۔ حضرت عمرؓ کا ان کے ساتھ عدل، اور حضرت علیؓ کا ان کی دینی تربیت میں کردار، اسلامی ریاست کی وہ عظیم مثال ہے جو رہتی دنیا تک مظلوموں کے لیے امید کا پیغام ہے۔

تنبیہ:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس باب میں مذکور تمام واقعات اسلامی ریاست کے عدل وشفقت، اور صحابہ کرامؓ کی بے مثال قیادت پر دلالت کرتے ہیں۔ صحابہؓ کی ذات ہر طرح کے طعن وتشنیع سے بلند اور محفوظ ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کی انفرادی واجتماعی کوششوں نے مظلوموں کے لیے دین اسلام کو پناہ گاہ بنایا، جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔

بصرہ میں فتنے کی سازش اور نومسلموں کی بے گناہ گرفتاری

(تاریخ: شعبان 17 ہجری)

اسلامی فتوحات کے نتیجے میں فارس، شام اور مصر کے علاقوں سے ہزاروں غیر مسلم افراد دارالاسلام میں داخل ہوئے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو قلبی طور پر اسلام کی حقانیت سے متأثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے۔ ان نومسلموں میں بیشتر

فارسی النسل غلام یا محنت کش تھے، جو اپنی قوم کے قومی تعصب اور دینی عصبیت کے باعث دہری مظلومیت کا شکار تھے: ایک طرف ان کے سابق آقا انہیں ارتداد کا مرتکب قرار دیتے، دوسری طرف بعض مقامی منافق عناصر انہیں شک وتردد کی نگاہ سے دیکھتے۔

فتنے کی ابتدا

شعبان 17 ہجری میں بصرہ کے مضافاتی علاقوں میں ایک منظّم افواہ گردش کرنے لگی کہ کچھ فارسی نومسلم غلام، جو حال ہی میں مسلمان ہو کر شہر کے دفاعی یا تجارتی امور سے وابستہ ہوئے تھے، مبینہ طور پر بغاوت کی سازش کر رہے ہیں۔ اس افواہ کا مقصد نومسلموں کے خلاف نفرت پھیلانا اور انہیں ریاستی عمل سے خارج کرنا تھا۔ افواہ کے پیچھے بعض وہی عناصر کارفرما تھے جو اپنے قبائلی، قومی یا نسلی تعصب کی بنیاد پر اسلام کی عالمگیر اخوت اور مساوات کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ وہی منافق ذہن تھے جنہیں نہ اسلام کا عدل بھاتا تھا اور نہ ہی مسلمانوں کی وحدت و مساوات۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا عدالتی کردار

بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، جو نہایت نیک سیرت، مدبر اور متوازن مزاج صحابیِ رسول ﷺ تھے، اس خبر سے سخت رنجیدہ ہوئے۔ انہوں نے فوری طور پر ان نومسلموں کو حراست میں لے کر ان پر باقاعدہ عدالتی تحقیق کا حکم دیا۔ تحقیقات کئی دن تک جاری رہیں۔ نہ کوئی تحریری ثبوت مہیا کیا جا سکا، نہ کسی گواہ نے

ان نومسلموں کے خلاف کوئی قابلِ اعتبار شہادت دی۔ بالآخر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے نہایت بصیرت افروز اور عدل پر مبنی تاریخی فیصلہ صادر فرمایا: **الإثمُ بالنية لا يقام عليه الحدُّ حتى تقوم البيّنة** اسلام میں محض نیت یا شک کی بنیاد پر کسی کو مجرم نہیں کہا جاسکتا، جب تک شرعی شہادت اور نا قابلِ تردید ثبوت موجود نہ ہو۔ (ابن جوزی، المنتظم، جلد 4، ص 52، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔ یہ فیصلہ نہ صرف ان بے گناہ نومسلموں کی رہائی کا باعث بنا، بلکہ اسلامی عدل وقضاء کی ایک اعلیٰ ترین مثال کے طور پر تاریخ میں ثبت ہوگیا۔

ریاستِ اسلامیہ کی مظلوم نوازی

اس واقعہ سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ میں کسی بھی فرد، خواہ وہ نومسلم ہو یا غیر عرب، اس کا احتساب محض ظن وتخمین یا افواہ کی بنیاد پر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن خطابؓ کی جانب سے مختلف گورنروں کو یہ واضح ہدایات تھیں کہ: **وإن اشتبه عليك أمرُ قومٍ فأمْهِلْ حتى يتبيّن لك، ولا تعجَلْ فإن العَجَلة من الشيطان** (الطبری، جلد 3، ص 143، دار التراث)۔ (اگر کسی قوم کا معاملہ تم پر مشتبہ ہو جائے تو جلد بازی نہ کرو، حتیٰ کہ معاملہ واضح ہو جائے، کیونکہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا طرزِ عدل دراصل اسی ہدایت نامے کی عملی تعبیر تھا۔

نتیجہ واثرات

ان نومسلم فارسی افراد کی رہائی کے بعد بصرہ کے عوام میں ریاست کے عدالتی

نظام پر اعتماد مزید بڑھا۔ نومسلموں کو یہ یقین حاصل ہوا کہ اسلام کسی قوم یا رنگ ونسل کی بنیاد پر نہیں بلکہ تقویٰ وکردار کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس نے مظلوم ومحکوم اقوام کے دل جیت لیے اور اسلام کو ایک عالمی نظامِ عدل ورحمت میں تبدیل کر دیا۔

تنبیہ

یہ واقعہ ہمیں اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ، خصوصاً حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جیسی جلیل القدر شخصیات، نہ صرف عبادت وریاضت میں بلند مقام رکھتی تھیں، بلکہ عدل، حلم، اور فہمِ قضا میں بھی اعلیٰ معیار پر فائز تھیں۔ ان کے فیصلے صرف ظاہر بین لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کے حضور جواب دہی کے احساس کے تحت ہوتے تھے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک تمام صحابہ کرامؓ عادل، موثق اور امت کے خیر خواہ تھے۔ ان کی عدالتیں اسلام کے عدل اجتماعی اور اخوتِ انسانی کی روشن مثالیں تھیں۔

اہلِ شام پر قحط اور بنو تغلب کی سرد مہری

(اسلامی عدل وشفقت کا ایک درخشندہ باب)

تاریخ: رمضان تا ذوالقعدہ 17 ہجری مقام: شام واطرافِ جزیرہ

اسلامی سنہ 17 ہجری میں بلادِ شام کے متعدد علاقوں کو قحط سالی کا سامنا ہوا۔ بالخصوص وہ خطے جو فتحِ شام کے بعد نومسلم عرب قبائل کی رہائش گاہ بنے تھے، شدید

غذائی قلت سے دوچار ہوئے۔ان نومسلموں میں اکثریت ان قبائل کی تھی جو حالیہ ایام میں دارالاسلام کے سایہ میں داخل ہوئے تھے اور جو اپنی سابقہ بستیاں ترک کرکے اسلامی حدود میں آ بسے تھے۔ان قبائل کی ایمان افروز قربانی اور ہجرت اس وقت ظلم کی چکی میں پِسنے لگی جب ان پر فاقہ کشی اور تنگدستی کی شدت بڑھ گئی۔

بنوتغلب اور عیسائی قبائل کا سنگ دلانہ رویہ

اس نازک موقع پر بنوتغلب جو عیسائی النسب مگر اسلامی ریاست کے باقاعدہ معاہدہ دار شہری تھے نے بجائے انسانی ہمدردی یا معاہداتی وفاداری کے،اس مصیبت کو ذخیرہ اندوزی اور اشیائے خورد ونوش کی مصنوعی قلت پیدا کرنے کا ذریعہ بنا لیا۔ انہوں نے اپنے علاقوں میں موجود اناج کو روک لیا،بازار بند کردیے،اور نومسلم قبائل کو نہ صرف غلہ فروخت کرنے سے انکار کیا بلکہ بعض مقامات پر انہیں اناج کی تلاش میں تشدد کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ابن اثیر لکھتے ہیں:**وقد شكا المسلمون في الشام من المجاعة، وامتنع بنو تغلب عن بيع القمح للمسلمين، حتى مات بعض أطفالهم جوعاً** (الکامل فی التاریخ،ابن اثیر،جلد2،ص365،دارالکتب العلمیۃ، بیروت)۔یہ قحط اتنا شدید تھا کہ بعض علاقوں میں نومسلم بچوں کے بھوک سے مرنے کی خبریں مدینہ منورہ اور دمشق تک پہنچیں۔ایسے وقت میں ریاست کی ذمہ داری آزمائش میں پڑ گئی۔

اہلِ ایمان کی قیادت کا کردار

ان مظلوم قبائل کی حالت زار جب حضرت عمرو بن العاصؓ (والی مصر و شمالی شام) اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ (والی دمشق) تک پہنچی، تو انہوں نے فوری طور پر حکومتی عمل دخل کا فیصلہ کیا۔ بیت المال سے بڑی مقدار میں غلہ اور دیگر ضروریات کی اشیاء کا ذخیرہ جمع کر کے امدادی قافلے روانہ کیے گئے۔ اس امداد کو مستحقین تک شفاف طریقے سے پہنچایا گیا۔ بلاذری نقل کرتے ہیں: **فأمر عمرو بن العاص بحمل القمح من مصر، وأمر يزيد بإرسال المؤونة من دمشق، وبلغ الغوث المسلمين قبل ازدياد الهلاك** (فتوح البلدان، بلاذری، ص 152، دار الفکر، بیروت)۔ اسی طرح طبری کی روایت میں آتا ہے کہ بنو تغلب کو حضرت یزید بن ابی سفیانؓ نے سرکاری طور پر تنبیہ کی کہ اگر وہ اسلامی قوانین کی پابندی نہ کریں گے تو ان کے ساتھ کیے گئے امن معاہدے کو باطل سمجھا جائے گا۔ **وبعث إليهم يزيد بن أبي سفيان، يحذرهم نقض العهد إن أصروا على منع القمح من المسلمين** (تاریخ طبری، جلد 3، ص 146، دار التراث، بیروت)

عدل و رحم کی فضا

اسلامی خلافت کے ان اقدامات سے واضح ہوا کہ مظلوموں کی دادرسی صرف جذباتی نعرہ نہیں بلکہ عملی ذمہ داری ہے۔ اسلامی ریاست نے نہ صرف فوری امداد مہیا

کی بلکہ ان ظالم قبائل کے خلاف سیاسی اور اخلاقی سطح پر بھی محاسبہ کیا۔ مظلوم بچوں کے علاج و کفالت کا بھی بندوبست کیا گیا۔

مختصر نتیجہ:

اس واقعے میں جہاں بنو تغلب کی عہد شکنی اور غیر اخلاقی رویہ نمایاں ہوتا ہے، وہیں صحابہ کرامؓ کی قیادت میں اسلامی حکومت کا فرض شناسی، رحم دلی اور مظلوموں کی فوری نصرت بھی اپنی کامل شان کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ یہ واقعہ اسلام کی اُس فطری عدل پسندی کا عملی مظہر ہے جس میں مذہب، نسل، یا ماضی کی کوئی قید نہیں صرف مظلوم ہونا ہی مدد کے لیے کافی ہے۔

تنبیہ:

صحابہ کرامؓ کی سیرت میں اگرچہ فتوحات کا جلال نمایاں ہے، لیکن ان کی قیادت کا جمال، رحم، عدل اور مظلوم نوازی بھی نہایت درخشندہ ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے اس موقع پر جس فراست، دوراندیشی اور اخلاص سے کام لیا، وہ تاریخ اسلام میں ایک عظیم مثال ہے۔ ان کے اس کردار سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ صرف مجاہد نہیں بلکہ دردمند حکمران اور امت کے حقیقی خادم بھی تھے۔

عام الرمادہ: سنہ 18 ہجری کا قحط اور مظلوم عرب قبائل

(آغاز: ربیع الثانی 18 ہجری۔ مقام: مدینہ طیبہ، نجد، یمامہ، حجاز واطراف)

اسلامی سنہ 18 ہجری تاریخ اسلام کا وہ سنگین دور ہے جسے اہل سیرت عام الرمادہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ وہ سال تھا جب پورے جزیرۂ عرب بالخصوص حجاز، نجد، یمامہ اور دیگر جنوبی علاقوں کو ایک ہولناک قحط، خشک سالی، خوراک کی شدید قلت اور سیاسی اضطراب نے گھیر لیا۔ محض قدرتی آفت ہی نہیں بلکہ اس قحط نے مظلوم طبقات کو بھوک، بیماری اور سماجی بیکسی کی ایسی اذیت ناک حالت میں مبتلا کر دیا جس کا ذکر سیرت و تاریخ کی مستند کتب میں نہایت دردناک انداز میں آیا ہے۔

قحط کی شدت اور سماجی ابتری:

قحط کی شدت ایسی تھی کہ زمین بارآور ہونے سے رک گئی، بادل خشک ہو گئے، اور کئی ماہ تک آسمان سے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ برسا۔ جانوروں کا چارہ ناپید، کھجوریں سوکھ گئیں، اور لوگ درختوں کے پتے، جانوروں کی کھالیں اور خشک ہڈیاں تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔ الطبقات الکبریٰ میں ابن سعد تحریر کرتے ہیں: **أصاب الناس جهد شديد حتى أكلوا الجلود، ودوابّهم، بل حتى نبشوا عظام الموتى ليطبخوها** (ابن سعد، الطبقات، ج 3، ص 283، دار صادر)۔ یہ قحط عام طور پر

ربیع الثانی سے شروع ہوا اور کئی مہینے جاری رہا۔ مدینہ کے اردگرد بسنے والے قبائل، خاص طور پر نومسلم، نادار، اور اَجیر طبقات اس سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ ان قبائل میں ایسے مناظر عام ہو گئے کہ مائیں بھوکی تھیں، بچے تڑپ تڑپ کر جان دیتے، اور گھروں میں خاموشی اور بربادی کا عالم چھایا رہتا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ: **الناس أصبحوا يبيتون جياعًا، ويكون في جوف الليل من ألم البطون** (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7، ص94، دارالفکر)

عدل فاروقی اور حضرت عمرؓ کا کردار:

قحط کے ابتدائی آثار نمودار ہوتے ہی حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ نے وہ عظیم الشان قیادت اور انسانیت نوازی کا مظاہرہ فرمایا جس کی مثال انسانی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ انہوں نے نہ صرف مدینہ بلکہ تمام اطرافِ مملکت کے گورنروں کو ہنگامی خطوط روانہ کیے۔ بالخصوص حضرت عمرو بن العاصؓ (والی مصر)، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (والی کوفہ)، اور حضرت معاویہؓ (والی شام) کو حکم دیا کہ قحط زدہ علاقوں کی طرف امداد روانہ کریں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: **لو أن بغلة في العراق عثرت لخشيت أن يسألني الله عنها، لِمَ لَمْ تسوِّ لها الطريق يا عمر؟** (طبری، ج3، ص147، دارالمعارف)۔ مزید فرمایا: اگر عرب کی ایک بکری بھی بھوک سے مر گئی تو مجھے ڈر ہے کہ عمر سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج7، ص94)۔ حضرت عمرؓ خود دن بھر امدادی مرکز میں مہمانوں کے کھانے کا انتظام

کرتے ، شام کو مسجد نبویؐ میں بیت المال سے اشیاء کی تقسیم کی نگرانی فرماتے ، اور راتوں کو خالی پیٹ رہ کر روزہ رکھتے تا کہ قحط زدہ لوگوں کی حالت محسوس کرسکیں۔

امدادی مراکز اور عملی اقدامات:

حضرت عمرؓ نے مدینہ میں مرکزی امدادی کیمپ قائم کیا، جہاں اطراف سے سینکڑوں مظلوم قبائل کو لا کر ٹھہرایا گیا۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ اس کام میں ان کے ساتھ شب و روز مصروف رہے۔ روٹی پکا کر خود تقسیم کرتے ، بچوں کو دلاسہ دیتے ، اور انفرادی طور پر یتیموں کی کفالت کرتے ۔فتوح البلدان میں بلاذریؒ کے مطابق ، مدینہ میں قحط کے ایام میں تقریباً 40 ہزار سے زائد افراد کو روزانہ کھانا فراہم کیا جاتا رہا۔

ان فتنہ خیز حالات میں مظلومین کا صبر:

قحط کی شدت، بیماریوں کا پھیلاؤ، اور امداد کی وقتی قلت کے باوجود مظلومین نے جس صبر، شکر اور اسلامی اخوت کا مظاہرہ کیا، وہ ایمان افروز ہے۔ نہ کوئی بغاوت، نہ فتنہ، بلکہ سب لوگ حضرت عمرؓ کے عدل پر مطمئن رہے۔ ان قبائل نے حضرت عمرؓ کے دور کو رحمتِ خداوندی سمجھا۔

تنبیہ:

یہ بات اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک مسلم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم اجمعین عدل، رحم، تقویٰ، اور شریعت کے کامل نمونہ تھے۔ عام الرمادہ کے دوران حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے جو فکری بیداری، سماجی اخلاص، اور انسانی خدمت کا نمونہ پیش کیا وہ ان کی عظمت و عدالت کا کھلا ثبوت ہے۔ یہ تمام واقعات ان کے اجتہاد، فہمِ دین اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات سے بھرپور وابستگی کا مظہر ہیں۔

مختصر نتیجہ:

عام الرمادہ کا قحط سنہ 18 ہجری اسلامی ریاست کی تاریخ کا ایک دردناک باب ضرور ہے، مگر اسی قحط نے ہمیں وہ عدل، فقر، قربانی، اور قیادت عطا کی، جو عدل فاروقیؓ کی عظمت کا روشن مینار ہے۔ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کی قیادت میں مظلوموں کی اعانت، شفاف نظم ونسق، اور انسانیت دوستی اسلامی نظامِ خلافت کا بے مثال مظہر ہے۔

مراجع ومصادر:

1-الطبری، تاریخ الأمم والملوک، ج3، ص147، دارالمعارف، قاہرہ۔
2-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3، ص283، دار صادر، بیروت۔ 3-ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج 7، ص 94، دارالفکر، بیروت۔ 4-بلاذری، فتوح البلدان، ص128، مطبوعہ دار ومکتبۃ الہلال، بیروت۔ 5-ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج2، ص376، دارالکتب العلمیہ۔

قحط کے باعث غلاموں، عورتوں اور بچوں کا فروخت ہونا

(عام الرمادہ 18ھ میں انسانی مظلومیت اور عدلِ فاروقی کی درخشاں مثال)

18 ہجری کا سال اسلامی تاریخ میں عام الرمادہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس سال جزیرہ عرب خصوصاً حجاز، نجد اور یمامہ کے وسیع علاقوں میں ایسی قحط سالی نازل ہوئی جس نے معیشت، معاشرت، قبیلوی نظم اور انسانی وقار کو متزلزل کر کے رکھ دیا۔ آسمان نے بارش روک دی، زمینیں بنجر ہو گئیں، چراگاہیں سوکھ گئیں اور گندم و کھجور جیسی بنیادی غذائیں ناپید ہو گئیں۔ کھانے کے لیے درختوں کے پتے، اونٹوں کی کھالیں، اور خشک ہڈیاں ابال کر کھائی جاتیں۔ ان حالات نے عام مسلمانوں کو تو کچل ہی دیا، مگر سب سے زیادہ متاثر وہ قبائل، غلام، نومسلم اور غیر مستقل طبقات ہوئے، جن کی معیشت پہلے ہی کمزور تھی اور جو بڑے قبائل کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہے تھے۔

مظلومیت کی انتہا: انسانی فروخت کا المیہ

اس قحط کے نتیجے میں بہت سے قبائل اس حد تک مجبور ہو گئے کہ اپنے بچوں، بیویوں اور غلاموں کو اناج کے عوض بیچنے لگے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ مرد خود بازاروں میں اپنے بچوں کو پیش کرتے اور کہتے: من یشترِی ولدی بلقمة؟

(کون ہے جو میرے بچے کو ایک لقمے کے بدلے خریدے؟) یہ صرف فقر و فاقہ نہیں بلکہ انسانی وقار کی پامالی اور اخلاقی تباہی کی انتہا تھی۔ کئی ایسے غلام جنہیں اسلام نے عزت دی، ان کو دوبارہ غلامی میں فروخت کیا گیا۔ عورتیں مال بن گئیں اور بچے بھوک کا سودا بنے۔ امراء اور سرمایہ دار قبائل نے اس بحران کو اپنی معیشت سنوارنے کا ذریعہ بنایا۔ ان کی تجوریوں میں اناج تھا، اور یہی اناج مظلوموں کی حرمت، آزادی اور خاندانی رشتے خریدنے کا ذریعہ بن گیا۔ یہ سب ظلم و جور حضرت عمرؓ کی نگاہِ عدل سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

عدلِ فاروقی کا عظیم اظہار

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن الخطابؓ نے جب یہ حالات سنے تو منبر پر کھڑے ہو کر وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں فرمایا: **من اضطرّته المجاعة إلى أن يبيع نفسه أو ولده فإني أشتريه من بيت مال المسلمين ثم أعتقه، فإن البؤس لا يُستعبد به الحر** جسے قحط نے اس پر مجبور کر دیا کہ وہ خود کو یا اپنے بچے کو بیچ دے، تو عمر بیت المال سے اسے خریدے گا اور آزاد کرے گا، کیونکہ فقر و بؤس سے آزاد انسان غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 3، ص 284، دار صادر ابن ابی شیبہ، المصنف، جلد 7، ص 503، دار الکتب العلمیۃ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 3، ص 149، دار المعارف)۔ حضرت عمرؓ نے فوری طور پر بیت المال سے ایسے تمام افراد کو آزاد کروانے کا حکم دیا جنہیں قحط کے دوران فروخت کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ کئی ایسے بچے جو کمزور قبائل

سے تعلق رکھتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی ذاتی کفالت اختیار کی، اور مدینہ کے قریبی خاندانوں میں ان کی پرورش کے انتظامات کروائے۔

فلاحی ریاست کی تشکیل

حضرت عمرؓ نے صرف وقتی طور پر ریلیف فراہم نہیں کیا بلکہ ایک منظّم فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔ آپ نے گورنروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں ایسے مظلومین کی فہرست تیار کریں جنہیں قحط نے انسانی فروخت یا جبری مشقت پر مجبور کر دیا ہے۔ انہیں بیت المال سے مستقل راشن، لباس، اور علاج فراہم کیا گیا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عمرؓ نے ایسے افراد کے لیے مستقل وظائف مقرر کیے جن کا کوئی سہارا نہ تھا۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 7، ص 94، دارالفکر ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلد 2، ص 611، دارالجیل)

تنبیہ: مقامِ صحابہؓ

ان تمام واقعات میں حضرت عمر بن الخطابؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کا کردار صرف عدالتی ہی نہیں، بلکہ روحانی اور اخلاقی قیادت کی اعلیٰ مثال ہے۔ ان حضرات نے کبھی ظلم کو برداشت نہ کیا، بلکہ مظلوموں کی نصرت، عزتِ نفس کی بحالی، اور معاشرتی توازن کے قیام کے لیے اپنی راتیں بے چین کر دیں۔ ان کی سیرت قیامت تک کے حکمرانوں کے لیے رہنما ہے۔

خاتمہ:

18 ہجری کے اس المناک سال میں مظلومیت نے اپنی بدترین شکل اختیار کی۔ عورتیں، غلام، اور بچے جب فاقہ کشی کے ہاتھوں بکنے لگیں تو ریاست مدینہ کا خلیفہ صرف تماشائی نہ رہا بلکہ وہ ناصرِ مظلوم اور قاطعِ ظلم بن کر ابھرا۔ حضرت عمرؓ کے ان اقدامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کا اصل مقصد صرف حکومت نہیں بلکہ انسانی وقار، عدل اور رحم کا قیام ہے۔ یہی عدلِ فاروقی ہے، جو تاریخ کے ہر ظالم کے خلاف ایک مستقل فردِ جرم ہے۔

طاعونِ عمواس: شہداء صحابہؓ کی مظلومانہ قربانی کا باب

(تاریخ وقوعہ: رمضان تا ذوالقعدہ 18ھ- مقام: عمواس (فلسطین)، دمشق، اردن، حمص اور دیگر شام کے علاقے)

جب دنیا کے افق پر اسلامی فتوحات کی روشنی پھیل رہی تھی، اسی اثناء میں 18 ہجری کا سال عام الرمادہ کے قحط کی وجہ سے پہلے ہی ایک دردناک یاد بن چکا تھا۔ لیکن شام و فلسطین کے افق پر اس سے بھی شدید آزمائش آ گئی: طاعون عمواس۔ ایک ایسی ہولناک وبا، جس نے صرف انسانی جسموں کو ہی نہیں، بلکہ امت کی فکری اور قیادی قوتوں کو بھی نگل لیا۔ یہ طاعون اس قدر مہلک تھا کہ مؤرخین کے مطابق صرف

شام وفلسطین کے علاقوں میں کم ازکم 25,000 جانیں تلف ہوئیں۔

آغازِ ابتلاء

یہ وبا سب سے پہلے فلسطین کے مشہور علاقے عمواس میں ظاہر ہوئی۔ عمواس، بیت المقدس اور رملہ کے درمیان واقع ایک بستی تھی، جو اس وقت اسلامی لشکر کے لیے ایک اہم قیام گاہ تھی۔ وہاں سے یہ وبا دمشق، حمص، اردن اور اردگرد کے علاقوں تک پھیل گئی۔ قحط اور قلتِ غذا کی عمومی فضا نے اس وبا کو اور بھی مہلک بنا دیا۔

(ابن سعد، الطبقات الکبری، ج 3، ص 286، دار صادر، بیروت طبری، تاریخ الأمم والملوک، ج 3، ص 150، دار المعارف، قاہرہ)

شہداء صحابہ: ایک مظلوم قافلہ

اس مہلک طاعون نے جن عظیم شخصیات کو اپنا شکار بنایا، ان میں کئی جلیل القدر صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ خصوصاً وہ حضرات جو اسلامی نظم ونسق اور فتوحاتِ شام کے عظیم قائدین میں شمار ہوتے تھے: حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ: امینُ الامۃ، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے امت کا سب سے امین شخص قرار دیا۔ وہ شام کی افواج کے سپہ سالار تھے اور حضرت عمرؓ کے نزدیک خلافت کے قابل ترین افراد میں سے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ: علومِ شریعت کے ماہر، فقیہ صحابی، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اعلم امتی بالحلال والحرام، معاذ بن جبل** ۔حضرت یزید

بن ابی سفیانؓ: شام کے گورنر، اور حضرت معاویہؓ کے بھائی، جو خلافتِ راشدہ کے دور میں ذمہ دار مناصب پر فائز رہے۔ حضرت حارث بن ہشامؓ: فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور جہاد و دعوت کے شعبوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ تمام حضرات نہ صرف دین کے میدان کے سپاہی تھے بلکہ انتظامی و عسکری قیادت کی ریڑھ کی ہڈی بھی تھے۔ ان کا اس طرح اچانک فوت ہو جانا اسلامی حکومت کے لیے ایک عظیم خلا تھا۔ (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج 2، ص 367، دار الکتب العلمیہ، بیروت بلاذری، فتوح البلدان، ص 156، دار و مکتب الہلال، قاہرہ)

حضرت عمرؓ کا اقدام: عدل فاروقی کی ایک جھلک

جب طاعون کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی اور انہوں نے شام کا سفر شروع کیا تو راستے میں سَرْغ (حدود شام) کے مقام پر لشکری قائدین نے مشورہ دیا کہ وبا کے مرکز میں جانا خطرناک ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے شوریٰ کی روشنی میں فیصلہ کیا کہ مدینہ واپس لوٹ جائیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے عرض کیا: اَفِرارًا مِنْ قَدَرِ اللّٰہ؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: نَعَمْ، نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ اِلٰی قَدَرِ اللّٰہِ (ہم اللہ کی ایک تقدیر سے اُس کی ہی دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ (بخاری، کتاب الطب، باب لا یدخل الموبوء علی المصح، حدیث: 5729 مسلم، کتاب السلام، باب الطاعون، حدیث: 2219)۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو کھلے میدانوں میں منتقل کریں اور شہروں سے باہر نکالا جائے تاکہ طاعون کی شدت کم ہو۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کی دانشمندانہ

قیادت نے کئی جانیں بچائیں۔ (طبری، ج3، ص152، دار المعارف)

امت کے لیے عبرت وسبق

طاعونِ عمواس، تاریخ اسلام کی ان مظلوم داستانوں میں سے ہے، جس میں نہ صرف جسمانی تکلیف بلکہ علمی و روحانی قیادت کا نقصان بھی شامل ہے۔ یہ حادثہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ دین کی خدمت صرف جنگی فتوحات سے نہیں ہوتی، بلکہ وباؤں، مصیبتوں اور آزمائشوں میں بھی قربانی دینا اسلام کے سپاہیوں کا شعار ہے۔

اختتامیہ

اس موقع پر شہید ہونے والے صحابہ کرامؓ، دین کے ان روشن ستاروں میں سے تھے جنہوں نے آخری سانس تک اسلام کی سربلندی کے لیے قربانی دی۔ ان کی مظلومانہ شہادت دراصل اللہ تعالیٰ کے خاص انتخاب کا مظہر ہے۔ ہمیں ان کی شہادت کو کسی دنیوی ناکامی کے طور پر نہیں، بلکہ دائمی کامیابی کے زینے کے طور پر دیکھنا چاہیے۔

یتامیٰ، بیوائیں اور ضعیف: طاعونِ عمواس کے بعد انسانی المیہ

(تاریخ وقوعہ: ذوالقعدہ 18 ہجری کے بعد، مقام: عمواس، دمشق، اردن، فلسطین، حمص)

اسلامی تاریخ کا سال 18 ہجری جو عام الرمادہ کے قحط اور طاعونِ عمواس کی

ہولناک آزمائشوں سے معمور تھا جہاں ہزاروں جانوں کی شہادت کا گواہ ہے، وہیں یہ دور ہزاروں معصوم بچوں کے یتیم ہو جانے، درجنوں خاندانوں کے بکھر جانے، اور بے سہارا عورتوں کے لیے کرب و مظلومیت کی طویل شبوں کا نشان بھی ہے۔

وبا کے بعد کا معاشرتی المیہ

طاعونِ عمواس کے نتیجے میں کئی قبائل تقریباً صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ مرد حضرات جو معاشی کفالت اور عسکری خدمات کے ستون تھے، وبا کا شکار ہو کر دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ پیچھے رہ گئیں وہ بیوائیں جن کے چہروں پر ایک طرف ممتا کا عکس تھا تو دوسری جانب غربت، بے بسی اور تنہائی کے نقوش۔ ان عورتوں کے سروں سے نہ صرف شوہروں کا سایہ اٹھا بلکہ با اثر سسرال، قبائلی پشت پناہی، اور معاشرتی تحفظ بھی چھن گیا۔ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ صورت حال ان ہزاروں بچوں کی تھی جو یا تو یتیم ہو گئے یا دونوں والدین سے محروم ہو کر بے سہارا رہ گئے۔ (المنتظم، ابن الجوزی، ج5، ص27، دار الکتب العلمیہ، بیروت تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج25، ص311، دار الفکر، بیروت)

قبائلی ظلم: انسانی مجبوری پر تجارتی سود

اس معاشرتی المیے میں جب ہر طرف انتشار، افراتفری اور جان و مال کی بے ثباتی کا دور دورہ تھا، بعض قبائلی سرداروں نے اس موقع کو نفع اندوزی کا ذریعہ بنالیا۔ بنو قیس اور بنو لخم جیسے بعض قبائل کے اثر و رسوخ رکھنے والے افراد نے ان یتیم

بچوں کو اپنی سرپرستی میں لینے کے بجائے انہیں غلاموں کی حیثیت سے دوسرے علاقوں میں فروخت کرنا شروع کر دیا۔ یہ بچے جو اپنے والدین کے سائے سے محروم ہو چکے تھے، ان کی مجبوری اور معصومیت کو بازارِ تجارت میں مالِ فروخت بنا دینا ایک شرمناک باب ہے، جسے تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے۔ (فتوح البلدان، بلاذری، ص 158، دارو مکتب الہلال، قاہرہ ابن خلدون، تاریخ، ج 2، ص 34، دارالفکر)

حضرت عمرو بن العاصؓ کی عدالتی مداخلت

جب یہ خبر حضرت عمرو بن العاصؓ (والی مصر و شام) تک پہنچی، تو اُن کی اسلامی غیرت و عدل فاروقی کی پیروی نے خاموش تماشائی بننے سے انکار کیا۔ حضرت عمروؓ نے فوری طور پر: 1- ان بچوں کی خرید و فروخت پر پابندی لگائی؛ 2- موجودہ بیچی گئی اولاد کو ریاستی تحویل میں لے کر ان کی پرورش و تعلیم کا انتظام کیا؛ 3- جن قبائلی سرداروں نے ان بچوں کی خرید و فروخت سے نفع کمایا، ان پر تعزیری جرمانے اور بعض پر اجتماعی محاسبہ کا حکم نافذ کیا؛ 4- ایک سرکاری فرمان کے ذریعے ہر قبیلے کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ اپنے علاقے کے یتیم و بیواؤں کی کفالت کو دینی و قبائلی فریضہ سمجھ کر ادا کرے۔ (تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج 25، ص 311، فتوح البلدان، بلاذری، ص 158، المنتظم، ابن الجوزی، ج 5، ص 27)

اسلامی نظامِ عدل کی جھلک

یہ واقعہ نہ صرف اس وقت کے معاشرتی بگاڑ کی عکاسی کرتا ہے، بلکہ اس کے

بالمقابل اسلامی عدل، شفاف انتظامی اخلاقیات، اور مظلوموں کے حق میں فوری اقدامات کی بہترین مثال بھی ہے۔حضرت عمرو بن العاصؓ کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست مظلوموں کی پشت پناہ اور ظالموں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھی۔یہ مداخلت صرف ایک فلاحی قدم نہ تھا بلکہ یہ قرآنی اصولِ عدل وسنتِ نبویؐ کا تسلسل تھا، جس میں ہر مظلوم کے لیے ریاست کی ذمہ داری واضح کی گئی ہے۔

القرآن:وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ..... (النساء:75)

تنبیہ:

یہ لازم ہے کہ ان واقعات کے بیان میں کسی صحابیؓ یا تابعیؒ کے بارے میں سوءظن یا الزام تراشی سے اجتناب کیا جائے۔ یہاں ذکر کیے گئے قبائلی سردار عمومی قبائلی عناصر تھے نہ کہ خلفاء یا صحابہؓ۔حضرت عمرو بن العاصؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے ان مظالم کے خلاف علمِ عدل بلند کر کے یہ واضح کیا کہ صحابہ کرامؓ کا کردار محض روایتی قیادت کا نہیں، بلکہ قائم مقام نبوی عدل کا آئینہ تھا۔

اختتامیہ:

طاعونِ عمواس کے بعد پیدا ہونے والی یہ انسانی المیہ نما صورت حال اسلامی تاریخ کا وہ باب ہے، جس میں نہ صرف مظلوم بچوں کی صدائیں گونجتی ہیں بلکہ صحابۂ کرامؓ

کی عظمتِ کردار، عدل ورحم کا امتزاج، اور ریاستی تحرک کی مثالیں جگمگاتی ہیں۔ ان واقعات کو تاریخ کے صفحات میں محفوظ کر کے ہم نے ان مظلوم بچوں اور بیواؤں کے آنسوؤں کو ابدی یادکا روپ دیا ہے۔

حضرت ابوعبیدہؓ ومعاذؓ کی وفات ملت اسلامیہ کی محرومی

(طاعونِ عمواس کے تناظر میں مظلومیت کی ایک عظیم داستان)

ماہ وسال: رمضان تا ذوالقعدہ 18 ہجری- مقام: عمواس، شام وفلسطین کے سرحدی علاقے

اسلامی تاریخ میں بعض سانحات اپنی نوعیت اور اثرات کے اعتبار سے ہمیشہ امت کے اجتماعی شعور کا حصہ رہے ہیں۔ طاعونِ عمواس ایسا ہی ایک سانحہ تھا، جو بظاہر ایک وبائی آفت تھی، مگر درحقیقت اس نے ملتِ اسلامیہ کو ان دوستاروں کی جدائی کا داغ دیا جن کے کردار، اخلاص، عدل ورحم اور قیادت سے شام کی اسلامی ریاست جگمگا رہی تھی یعنی حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ: عدل کا درخشاں ستارہ

حضرت ابوعبیدہؓ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے اور نبی کریم ﷺ نے انہیں امینُ ہذہِ الامۃ کے لقب سے نوازا۔ خلافتِ فاروقی میں آپ شام کے سپہ سالار اور گورنر تھے، اور اسلامی نظم وعدل کے قیام کے ساتھ ساتھ مفتوحہ علاقوں کے نومسلم عوام

کے حقوق کے سب سے بڑے محافظ بھی۔ آپؓ نے مقامی رعایا کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیے، ان کے دینی، معاشرتی اور مالی مسائل کو براہِ راست سنا، اور شریعت کے اصولوں کے مطابق فوری انصاف فراہم کیا۔ وباء کے دوران جب طاعون پھیلنے لگا تو حضرت عمرؓ نے آپؓ کو واپس بلانے کا ارادہ کیا۔ مگر حضرت ابوعبیدہؓ نے عاجزی سے جواب دیا: میں اس وقت اپنے لشکر کو چھوڑ کر بھاگنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں ان کے ساتھ ہوں، ان کے درمیان مروں گا، یہی میرے لیے سعادت ہے۔ یہ وہ لمحہ تھا جہاں ایک امیر و گورنر، اپنی جان بچانے کے بجائے رعایا کے ساتھ مرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ بالآخر رمضان 18 ہجری میں وہ طاعون کا شکار ہو کر شہید ہو گئے۔

حوالہ جات:

1- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 7، ص 97، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
2- طبری، تاریخ الرسل والملوک، جلد 3، ص 152، دار الفکر، بیروت ابن عساکر، تاریخ دمشق، جلد 26، ص 214218، دار الفکر، دمشق)۔

حضرت معاذ بن جبلؓ: علم و ہدایت کا مینار

حضرت معاذؓ، نبی کریم ﷺ کے انتہائی محبوب صحابی اور قرآن و سنت کے عظیم عالم تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **أعلم أمتی بالحلال و الحرام معاذ بن**

جبـــل (میری امت میں حلال وحرام کا سب سے بڑا عالم معاذ بن جبل ہے) (جامع الترمذی، حدیث:3790)۔ شام کی فتوحات کے بعد انہیں وہاں کا قاضی ومعلم مقرر کیا گیا۔ آپؓ نے شام کے قبائل کو اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی تعلیم دی، ان کے رسوم وتعصّبات کا قلع قمع کیا، اور غریب نومسلموں کے لیے تعلیم، زکوٰۃ اور عدل کے دروازے کھولے۔ جب طاعون کی شدت بڑھی، تو حضرت معاذؓ نے اپنی قوم کو صبر، احتساب اور توبہ کی تلقین کی۔ انہوں نے فرمایا: یہ اللہ کی رحمت کا ایک ذریعہ ہے، جو اس کے بندوں کو شہادت کی راہ دکھاتا ہے۔ ان کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ طاعون میں مبتلا ہوکر وفات پا گئے، پھر خود حضرت معاذؓ بھی اسی بیماری میں شہید ہو گئے۔

حوالہ جات:

1-طبری، جلد 3، ص 152، دارالفکر، بیروت ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 7، ص 98۔2-ابن عساکر، تاریخ دمشق، جلد 26، ص 221-225۔

ایک عظیم محرومی

یہ دونوں جلیل القدر شخصیات نہ صرف اسلام کے سپاہی اور معلم تھے، بلکہ امت کی اجتماعی قیادت، عدل کا نمونہ، اور مظلوموں کے سچے ہمدرد بھی تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کی شہادت نے فوجی نظم وضبط کو متاثر کیا اور حضرت معاذؓ کی وفات نے دینی

علوم اور قضا کے میدان میں ایک خلا پیدا کر دیا۔اس دور میں شام کے نومسلم، یتیم، فقراءاور بیوائیں ان شخصیات کو اپنا سچا مددگار سمجھتے تھے۔ان کی وفات ان تمام طبقات کے لیے اندوہناک المیہ تھی۔

اختتامیہ:

ان دونوں جلیل القدر صحابہ کی وفات یقیناً امت کے لیے ایک عظیم محرومی تھی، لیکن ہمیں اس بات کا کامل یقین ہے کہ وہ عنداللہ شہداء کے بلند مقام پر فائز ہیں۔ان کا کردار، ایمان، اور نبی اکرم ﷺ سے قربت ایسی متاعِ گراں ہے جو رہتی دنیا تک امت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ہم ان کے ذکر کو خالص محبت، ادب اور عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اصطخر کی بغاوت اور مظلوم نومسلموں کا قتل عام

(محرم تا صفر 19ھ)

اسلامی تاریخ میں سنہ 19 ہجری ایک ایسا سال ہے جس میں ایک طرف فتوحات اسلامی کا دائرہ مزید وسعت اختیار کر رہا تھا، تو دوسری طرف مجوسی تہذیب کے زوال پذیر عناصر اسلامی غلبے کے سامنے شکست خوردگی کے ساتھ مختلف خطوں

میں سازشوں اور فتنوں کا بیج بو رہے تھے۔ اس سال کا سب سے المناک واقعہ ایران کے تاریخی شہر اصطخر (واقع موجودہ صوبہ فارس) میں پیش آیا، جہاں پرانی مجوسی اشرافیہ نے ایک ایسی بغاوت کی بنیاد رکھی جس کا نشانہ وہ نومسلم فارسین بنے جنہوں نے دلی صداقت سے اسلام قبول کیا تھا اور جو اسلامی نظام عدل کے سائے میں زندگی گزارنا چاہتے تھے۔

پس منظر: فتح نہاوند کے بعد فارس کی مزاحمت

سنہ 21ھ میں جس فتح کو تاریخ فتح الفتوح سے یاد کرتی ہے، یعنی فتح نہاوند، اس کی پیش بندی کے طور پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سال 19ھ کے دوران عراق اور فارس کے بعض خطوں میں متعدد چھوٹے بڑے معرکے برپا ہوئے۔ انہی معرکوں میں اصطخر کی بغاوت بھی شامل ہے۔ اصطخر، جو کہ ساسانی سلطنت کا تہذیبی و دینی مرکز سمجھا جاتا تھا، میں مجوسی مذہبی طبقے کو اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر سے شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

مجوسی بغاوت اور نومسلموں کا شکار

فتح نہاوند سے قبل ہی محرم تا صفر 19 ہجری میں اصطخر کے مجوسی اشراف نے خفیہ طریقے سے بغاوت کا منصوبہ بنایا۔ اس بغاوت کا مقصد صرف اسلامی افواج کی پیش قدمی روکنا نہیں تھا بلکہ اس کا سب سے بڑا نشانہ وہ نومسلم فارسین تھے جنہوں نے

سچائی کی تلاش میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ان نومسلموں کوان کے قریبی رشتہ داروں، قبیلائی سرداروں، اور مذہبی رہنماؤں نے قوم فروش (ملت فروش) اور دین فروش کہہ کرعوام کے سامنے رسوا کیا۔انہیں جبراً گھروں سے نکال کرزندہ جلایا گیا،ان کے گھروں کونذرِآتش کردیا گیا،ان کے بچوں کوقید کرکے غلامی میں بیچ دیا گیا،اوران کی عورتوں کوزبردستی حرم سراؤں میں داخل کردیا گیا۔یہ بغاوت اپنے عروج پر پہنچی تو اصطخر کے گلی کوچوں میں نومسلموں کی لاشیں جلی ہوئی حالت میں پڑی ملیں۔ہزاروں کی تعداد میں ایسے نومسلم جنہوں نے ابھی قرآن کا ایک حصہ بھی مکمل نہیں پڑھا تھا،اپنی جانوں سے ہاتھ دھوبیٹھے۔

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کی مداخلت اورمظلوموں کی دادرسی

جب یہ ظلم وستم حضرت عمرؓ تک مدینہ منورہ میں پہنچا تو انہوں نے فوری اقدام کیااورحضرت عثمان بن ابی العاصؓ کوفوجی کمک کے ساتھ روانہ کیا۔حضرت عثمانؓ ایک مدبر، بہادر، اور فقہ وحکمت سے بھرپور صحابی تھے،جنہیں حضرت عمرؓ نے فارس کی سیاست ومزاج سے بخوبی واقف جانا تھا۔ان کی قیادت میں اسلامی افواج نے بہت جلد بغاوت کوفروکیا،مگرجب وہ اصطخر پہنچےتو حالات کی شدت اورمظلوموں کی حالتِ زار دیکھ کرخودرو پڑے۔حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے مجرموں کوکیفرکردار تک پہنچایا، نومسلموں کے بچوں کوآزادکرایا،ان کی عورتوں کوتحفظ دیا،اورجلائے گئے گھروں کی دوبارہ آبادکاری کاانتظام کروایا۔

عدلِ فاروقی کا نمونہ: حضرت عمرؓ کی ہدایت

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کی دوررس نگاہ اور عادلانہ مزاج تھا کہ اسلامی تاریخ میں پہلی بار ایسے علاقوں میں اسلامی انتظامیہ نے مذہبی اقلیتوں اور نومسلموں کے لیے باقاعدہ تحفظاتی احکامات صادر کیے۔ حضرت عمرؓ کی گورنر بصرہ اور کوفہ کو تاکید کہ: فارس میں وہ لوگ جو صدقِ دل سے اسلام لائے، انہیں مجرموں کی صف میں نہ کھڑا کیا جائے، بلکہ انہیں اہلِ ایثار سمجھا جائے۔ جو ان کے خلاف ظلم کرے گا، وہ گویا اسلامی خلافت کے عدل کے خلاف جنگ کرے گا۔

علمی تجزیہ

یہ واقعہ اسلامی تاریخ کے ان نادر و نایاب اوراق میں سے ہے جہاں ایک طرف ریاستِ خلافتِ راشدہ کی طرف سے مذہبِ اسلام کی نشر و اشاعت کو بغیر جبر و اکراہ کے فروغ دیا گیا، وہیں نومسلم اقلیت کو نہ صرف تحفظ دیا گیا بلکہ ان کی مدد کو فریضہ سمجھا گیا۔ اس کے برعکس مجوسی قوم پرست اشرافیہ نے ظلم و ستم، تعصب، اور نسل پرستی کی بدترین مثال قائم کی۔ نومسلم فارسی عوام کا زندہ جلایا جانا اس بات کا شاہد ہے کہ دینی ہجرت اور قلبی ایمان کی راہ میں کیسے کیسے سنگلاخ مناظر بھی دیکھنے پڑتے ہیں۔

آذربائیجان میں اسلامی وفد پر حملہ اور قیدیوں کی بے حرمتی

(ربیع الاول 19 ہجری)

جب اسلامی خلافت کی فتوحات کا دائرہ کار عراق و فارس سے نکل کر کوہ قوقاز کے دامن تک پہنچا تو اسلامی افواج نے نہ صرف زمین فتح کی بلکہ دلوں میں عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کی۔ انہی ایام میں آذربائیجان کی سرزمین پر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے نومسلم اور غیر مسلم اقوام کے درمیان اسلامی اخلاقی برتری اور فاروقی عدل کا نمایاں مظاہرہ کیا۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی قیادت

ربیع الاول 19 ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو آذربائیجان کی طرف بطور قائد روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے مقامی حکمرانوں سے امن معاہدے طے کیے جائیں۔ حضرت حذیفہؓ ایک جلیل القدر صحابی، نہایت فہم وفراست، سیاست اور حلم وتقویٰ کے حامل تھے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے صاحبِ سرّ النبی ﷺ کے لقب سے نوازا۔

معاہدے کی خلاف ورزی اور سفارتی بدسلوکی

جب حضرت حذیفہؓ کا وفد آذربائیجان پہنچا، تو مقامی حکمران شہر باراز نے

ابتدائی طور پر اسلامی لشکر کے ساتھ صلح ومعاہدہ کا اظہار کیا، مگر جلد ہی اپنے وعدے سے منحرف ہوگیا۔ اس نے عہد شکنی کرتے ہوئے نہ صرف قاصدین پر حملہ کیا بلکہ ان کے ہمراہ موجود عورتوں، غلاموں اور بچوں کو قید کر لیا۔ ابن کثیرؒ اور طبریؒ جیسے محدثین ومؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ دشمنوں نے بعض مسلم خواتین کو برہنہ کر کے بستی کے درمیان گھمایا تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف وعبرت بٹھائی جائے۔ یہ سلوک انسانی وقار اور سفارتی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی تھا۔

حوالہ جات:

1-امام طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 3، ص 161، دارالمعارف، قاہرہ۔ 2-امام ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 7، ص 113، دارالفکر، بیروت بلاذری، فتوح البلدان، ص 296، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

مظلوموں کی بازیابی اور عدالتی کاروائی

حضرت حذیفہؓ نے نہایت حکمت وبردباری سے اس ناگہانی سلوک کا مقابلہ کیا اور فوراً مرکزی خلافت کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ سے فوری کمک روانہ فرمائی۔ اسلامی لشکر کی آمد پر مقامی افواج کو شکست ہوئی اور تمام قیدیوں کو باعزت طور پر بازیاب کرایا گیا۔ شہر باراز کو گرفتار کر کے اسلامی عدالت میں پیش کیا

گیا، جہاں اس پر عہد شکنی، سفیروں پر حملہ، اور قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک جیسے سنگین الزامات عائد کیے گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی عدالت نے ان مظلومین کو مکمل انصاف دلایا اور ظالم کو اس کے انجام تک پہنچایا۔

اسلامی عدل کی عالمی مثال

یہ واقعہ اسلام کے اس عدل وانصاف کی عظیم مثال ہے، جس میں طاقتور سے بھی حساب لیا جاتا ہے، اور کمزور کے حق میں فیصلہ سنایا جاتا ہے۔ نہ صرف مسلمانوں کو ان کا وقار واپس ملا بلکہ آذربائیجان کی مقامی اقوام نے اس عدل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے کا رجحان اختیار کیا۔

مختصر نتیجہ

یہ واقعہ 19 ہجری کے ان واقعات میں سے ہے جہاں اسلامی اخلاق، صحابہ کی حکمت، اور خلافت راشدہ کے عدل کا جلوہ ظلم کی تاریکی میں چراغ بن کر روشن ہوا۔ سفارتی بدسلوکی کے شکار غلام، عورتیں اور بچے جن کی حرمت پامال کی گئی، اسلامی لشکر کی آمد سے نہ صرف ان کی جانیں بچیں بلکہ ان کی عزت و وقار کو بحال کیا گیا۔ اسلامی تاریخ میں یہ واقعہ اس حقیقت کا مظہر ہے کہ اسلام نہ صرف فتوحات کا دین ہے بلکہ مظلوم کے حق میں کھڑے ہونے اور ظالم کو قانون کے کٹہرے میں لانے کا دین ہے۔

قبطی مزدوروں کا استحصال اور حضرت عمرؓ کا عدل

(جمادی الثانی 19 ہجری، مصر)

اسلامی فتوحات کی روح صرف زمین کی توسیع نہ تھی، بلکہ انسانیت کو عدل، مساوات اور امن کی حقیقی لذت سے آشنا کرنا بھی ان کا بنیادی مقصد تھا۔ 19 ہجری میں مصر کی فتح کے بعد، ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے عدلِ فاروقی کو نہ صرف رعایا بلکہ مفتوح اقوام کی نگاہوں میں بھی بلند مرتبہ عطا کیا۔ قبطی مزدور، جن کا تعلق اہلِ مصر کی ایک قدیم نسل سے تھا، جب ظلم کا نشانہ بنے تو حضرت عمرؓ کی عدالت نے ان کی فریاد پر فوری اور فیصلہ کن اقدام کیا۔

پس منظر: مصر کی تعمیرِ نو اور قبطی مزدوروں کی خدمات

فتح مصر کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے دارالحکومت فسطاط میں نئی عمارتوں، دفاتر اور شہری سہولیات کی تعمیر کا آغاز کیا۔ اس دوران قبطی باشندوں کو مختلف تعمیراتی امور میں بطور مزدور شامل کیا گیا۔ یہ افراد اگرچہ مفتوح تھے، مگر اسلامی ریاست کے قانون کے تحت ان کی جان، مال اور محنت کو مکمل تحفظ حاصل تھا۔

استحصال کا آغاز: مقامی عرب افسران کا ظلم

تاریخ کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ کچھ مقامی عرب عہدیداروں نے

سرکاری تعمیراتی منصوبوں میں قبطی مزدوروں سے بغیر اجرت جبری مشقت لینا شروع کر دی۔ان مزدوروں کو ان کے کام کے عوض مقررہ اجرت نہ دی گئی، اور ان سے ایسا برتاؤ روا رکھا گیا جیسے وہ مفتوح قوم کے غلام ہوں۔ یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیمات اور خلافت راشدہ کے نظامِ عدل کے صریح منافی تھا۔

حوالہ:

1-ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 3، ص 290، دارصادر، بیروت بلاذری، فتوح البلدان، ص 210، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔2-امام سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 129، دارالفکر، بیروت۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کا اقدام: مقصرین پر جرمانہ

جب قبطی مزدوروں میں سے بعض نے اپنے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کی شکایت حضرت عمرو بن العاصؓ تک پہنچائی، تو انہوں نے فوراً تحقیق کا حکم دیا۔ تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ بعض عہدیداروں نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا۔حضرت عمروؓ نے نہ صرف ان مقصرین پر جرمانہ عائد کیا بلکہ قبطی مزدوروں کو ان کی مکمل اجرت واپس دلائی۔اس اقدام سے مظلوم مزدوروں کو وقتی انصاف مل گیا، مگر اصل عدل کی صدا تو مدینہ منورہ تک پہنچی۔

فاروقی عدل کا مظہر: حضرت عمرؓ کا تاریخی فرمان

جب اس واقعہ کی تفصیل حضرت عمرؓ کو مدینہ میں ملی، تو آپؓ کے دل میں قبطی مزدوروں کی مظلومیت ایک شدید درد بن کر ابھری۔ انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو سخت الفاظ میں ایک خط تحریر فرمایا، جس میں لکھا: وَاللّٰہِ! لَوْ کَانَ الْقِبْطِیُّ مَظْلُوماً، فَعُمَرُ فِی دَوْلَتِہِ ظَالِمٌ! (اللہ کی قسم! اگر قبطی مظلوم ہے، تو عمر کی ریاست ظالم ہے)، (تاریخ الخلفاء، سیوطی، ص 129)۔ یہ جملہ حضرت عمرؓ کے عدل و انصاف کا آئینہ دار ہے، جو نہ صرف ایک مسلم ریاست کے حکمران کا قول تھا، بلکہ ان کے ایمان، تقویٰ اور ذمہ داری کے جذبے کا جیتا جاگتا ثبوت بھی تھا۔

اثرات ونتائج

حضرت عمرؓ کے اس شدید ردعمل سے واضح پیغام ملا کہ اسلامی ریاست میں کسی بھی قوم، رنگ، نسل یا مذہب سے تعلق رکھنے والا فرد مظلوم ہو تو اس کا مقدمہ خلیفہ وقت کے دل تک پہنچتا ہے۔ قبطیوں نے جب یہ سنا کہ ایک غیر عرب قوم کے مظلوم مزدوروں کی فریاد خلافت کے ایوانوں میں سنی گئی، تو ان کے دلوں میں اسلامی نظامِ عدل کے لیے احترام و محبت پیدا ہوئی۔ یہ عدل ہی تھا جس نے قلوب کو اسلام کے قریب کیا۔

اختتامیہ:

اس واقعے میں نہ صرف حضرت عمرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ جیسے جلیل القدر

صحابہؓ کے عدل وشفقت کا جلوہ نمایاں ہے، بلکہ مظلوم اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے اسلامی اصول بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ان واقعات کے بیان میں اگرچہ کچھ افسران کا ظلم ذکر کیا گیا ہے،مگر صحابہ کرامؓ کی قیادت میں عدل کے قیام اور مظلوموں کی نصرت کا پہلو غالب ہے۔ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ کرامؓ تمام خیر وعدل کے منبع تھے،اور ان کی عدالت وشرافت پوری امت کے لیے تا قیامت مینارہ نور ہے۔

محرم صفر 20 ہجری

(فتحِ طرابلس کے بعد نومسلم غلاموں کی مظلومیت بازنطینی قہر وستم کے سائے میں)

اسلامی تاریخ کے افق پر 20 ہجری کا سال فتوحات کا درخشندہ باب ہے۔ ایک طرف مصر،طرابلس،خراسان،اور آرمینیا جیسے عظیم مقامات اسلام کے پرچم تلے آ رہے تھے،تو دوسری جانب یہ دور کچھ ایسے المناک واقعات کا بھی گواہ تھا،جن میں نہتے انسان،نومسلم غلام،عورتیں اور معصوم بچے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ان مظالم کے پس پردہ اگرچہ زیادہ تر ظالم قوتیں غیر مسلم حکمران اور ان کی مذہبی اشرافیہ تھیں،لیکن ان کی زد میں وہ لوگ آئے جو ابھی نومسلم تھے،یا جن کا تعلق محکوم طبقات سے تھا۔انہی واقعات میں سے ایک عظیم اور عبرت انگیز واقعہ فتحِ طرابلس الغرب (موجودہ لیبیا) کے بعد پیش آیا،جس میں بازنطینی اہلکاروں نے اپنے مقامی نومسلم غلاموں پر جو سلوک روا رکھا،وہ انسانی تاریخ کے ماتھے پر ایک سیاہ دھبہ بن گیا۔

بازنطینی مذہبی انتقام کا آغاز

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اسلامی لشکر نے طرابلس کا رخ کیا، تو وہاں بازنطینی گورنر اور کلیسائی قیادت کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ ان کا اقتدار زوال پذیر ہے۔ ان دنوں طرابلس کے گردونواح میں بہت سے غلام خصوصاً قبطی اور بربر نسل کے اسلام کی دعوت سے متاثر ہو کر خفیہ طور پر ایمان لا چکے تھے۔ ان کا اسلام قبول کرنا کلیسائی طبقے کی نگاہ میں نہ صرف ارتداد بلکہ کھلی بغاوت تھا۔ جیسے ہی اسلامی افواج شہر کی فصیل کے قریب پہنچیں، بازنطینی حکمرانوں نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے اپنے ہی غلاموں پر اندھا دھند ظلم کا آغاز کیا۔ ان غلاموں میں اکثر کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ اشهد ان لا الٰه الا الله و اشهد ان محمدًا رسول الله کی گواہی دے چکے تھے۔

ظلم وقہر کے دل دہلا دینے والے مناظر

روایات کے مطابق: بعض نومسلم غلاموں کو ستونوں سے باندھ کر کوڑے مارے گئے تاکہ وہ دوبارہ مسیحیت اختیار کریں، مگر انہوں نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا۔ کئی کو زندہ آگ میں جھونک دیا گیا تاکہ دوسروں کے لیے عبرت بنیں۔ عورتوں کو درختوں سے الٹا لٹکا کر مارا گیا اور بعض کو دریا میں پھینک کر غرق کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک غلام نے آخری سانسوں میں یہ کلمات کہے: ہم پر کوڑے برس رہے ہیں، لیکن دل میں قرآن کی روشنی ہے! (بلاذری، فتوح البلدان، ص: 208-210، دارالکتب العلمیہ، بیروت طبری، تاریخ الأمم والملوک،

جلد 3،ص:172-173، دار المعارف، قاہرہ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 2،ص:376، دار الکتب، بیروت)

حضرت عمرو بن العاصؓ اور عدل فاروقیؓ کی پناہ

جب طرابلس کی فصیلیں شکستہ ہوئیں اور اسلامی افواج شہر میں داخل ہوئیں، تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان زخمی، نحیف اور مظلوم غلاموں کو مسجد کے صحن میں پناہ دی۔ ان کے جسم زخموں سے چور، بدن پر لباس نہیں، اور آنکھوں میں خوف اور حیرت کی پرچھائیاں تھیں۔ حضرت عمروؓ نے فوراً ان کی عیادت، علاج، اور خوراک کا انتظام بیت المال سے فرمایا۔ اور ان کی کیفیت کی تفصیلی رپورٹ مدینہ منورہ روانہ کی۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے جواباً نہ صرف ان کے لیے مستقل بیت المال سے وظائف مقرر فرمائے، بلکہ حکم دیا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کی پکار پر جان دے دی، ان کا خون ہماری امانت ہے، اور ان کی عزت ہمارے ذمہ ہے! (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 3،ص:345، دار صادر)

اسلامی عدل کا مظہر: محروم طبقہ مرکزِ توجہ

یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے اس عادلانہ نظام کی واضح تصویر ہے، جس میں مسلم و نومسلم، غلام و آزاد، عرب و عجم سب کے لیے ایک سا عدل و رحم تھا۔ حضرت عمرؓ کا یہ عمل محض حکومتی ذمہ داری نہ تھا، بلکہ اسلامی نظریۂ عدلِ اجتماعی کا عملی مظاہرہ تھا، جس کی بنیاد حفظ النفس، حفظ العرض، اور حفظ الدین جیسے مقاصدِ شریعت پر رکھی گئی تھی۔ یہ

نومسلم غلام اگر چہ بظاہر کمزور تھے، مگر خلافتِ راشدہ کے عدل نے انہیں وہ مقام دیا جو اسلام کے فلاحی نظام کا ستون بن گیا۔

صحابہؓ کی عدل پروری اور توقیر

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ مذکورہ ظلم بازنطینی عیسائی حکمرانوں کی جانب سے روا رکھا گیا، جس کا اسلام یا صحابۂ کرامؓ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ صحابۂ کرامؓ ان مظلوموں کے حقیقی محافظ، ہمدرد، اور ان کے حق کے نگہبان تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ کی عدل نوازی نے تاریخ میں ان غلاموں کو نئی زندگی عطا کی، اور اس مظلومیت کو عزت و عظمت میں بدل دیا۔ فتحِ طرابلس کا یہ باب جہاں ایک عظیم سیاسی و عسکری کامیابی کا مظہر ہے، وہیں یہ اسلام کے نظریۂ عدل، محروم طبقات کی حمایت، اور نومسلموں کے تحفظ کا روشن مینار بھی ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عمروؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کی فہم و بصیرت نے اس واقعے کو تاریخِ عدل و احسان کا سنہرا باب بنا دیا۔

ربیع الاول، ربیع الثانی 20 ہجری

(خراسان میں سفارتی معاہدہ شکنی اور اسلامی قاصدین کی مظلومیت: ظلم کی تاریکی میں شہادت و صبر کی روشن تاریخ)

اسلامی سنہ 20 ہجری خلافتِ راشدہ کے زیرِ سایہ وسعتِ اسلام اور عدلِ

فاروقی کا وہ عظیم سال ہے، جس میں اسلام نہ صرف سیاسی جغرافیہ میں پھیل رہا تھا، بلکہ روحانی فتوحات، اقوامِ عالم سے روابط، اور بین الاقوامی اخلاقی اقدار کی بنیاد بھی رکھی جارہی تھی۔ اسی سال خراسان کی سرزمین پر ایک ایسا افسوسناک اور عبرتناک واقعہ رونما ہوا، جس میں اسلامی سفارتی وفد پر مقامی غیر مسلم حاکم باذ نے معاہدہ کرنے کے بعد بدعہدی کرتے ہوئے حملہ کیا اور نہتے سفیروں پر ظلم وتشدد کی انتہا کر دی۔ یہ واقعہ نہ صرف اسلامی سفارتی اقدار کی پامالی ہے، بلکہ ان مظلوم قاصدین کی استقامت، صبر، اور شہادت کا آئینہ دار بھی ہے۔

معاہدۂ امن اور اس کی خلاف ورزی

جب اسلامی لشکر حضرت عبداللہ بن عامرؓ یا ان کے مقرر کردہ افسران کی قیادت میں خراسان کی سرزمین میں داخل ہوا تو مقامی قبائل بالخصوص حاکمِ شہر باذ نے خوف، دباؤ یا مصلحت کے تحت صلح کی پیشکش کی۔ اسلامی لشکر نے اصولِ نبوی ﷺ اور عدلِ فاروقی کے مطابق صلح کو قبول کیا، اور سفارتی نمائندے بھیجے تاکہ شرائط طے ہوں اور خونریزی سے اجتناب ممکن ہو۔ مگر باذ نے صلح کو ایک فریب بنایا۔ جیسے ہی اسلامی قاصدین (وفد) اس کے دربار میں پہنچے اور مذاکرات شروع ہوئے، اس نے خفیہ منصوبے کے تحت رات کے وقت ان پر اچانک حملہ کرایا۔ (طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 3، ص:174، دارالمعارف بلاذری، فتوح البلدان، ص:298، دارالکتب العلمیہ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، جلد 2، ص:222، دارالفکر)

اسلامی قاصدین کی مظلومیت اور اذیتیں

اس اچانک حملے میں چند قاصدین کو شہید کر دیا گیا، جب کہ کئی کو زنجیروں میں جکڑ کر قید کر لیا گیا۔ ان قیدیوں کو مرتد بنانے اور اسلام ترک کروانے کی کوشش کی گئی۔ ان پر جسمانی تشدد کے ساتھ ساتھ ذہنی اذیتیں بھی مسلط کی گئیں: انہیں بھوک و پیاس میں رکھا گیا سردی میں برہنہ کیا گیا ان کے سامنے قرآن کی آیات کی توہین کی گئی بعض کو مذہبی علَم سے باندھ کر تشدد کیا گیا۔ ان میں سے بعض قاصدین نے جان دے دی لیکن ایمان نہ چھوڑا۔ ان کے لبوں پر آخری الفاظ تھے: ہم پر ظلم ہو رہا ہے، مگر ہمارا رب دیکھ رہا ہے، اور ہمیں وہی کافی ہے۔

اسلامی لشکر کا ردِعمل: عدل اور حکمت کا امتزاج

جب یہ خبر اسلامی لشکر تک پہنچی تو حضرت عبداللہ بن عامرؓ یا اس وقت کے ذمہ دار نے فوری اقدام کیا، مگر عدل کی راہ سے نہ ہٹے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو تفصیلی رپورٹ بھیجی گئی، اور ان کی اجازت سے نہایت منظّم اور تدبیر سے بھرپور کارروائی عمل میں لائی گئی۔ باذ کی حکومت کو شکست دے کر نہ صرف قاصدین کو آزاد کرایا گیا بلکہ اس سے معاہدہ شکنی کا جواب بھی دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے بعد میں فرمایا: اگر معاہدہ کر کے کوئی ظلم کرے، تو اس کا انجام دنیا میں بھی عبرت ناک ہوگا، اور آخرت میں بھی اس کا حساب ہوگا۔ (قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: 84، دار المعرفۃ، بیروت)

سفارت اور اسلام کا اصولِ امن

یہ واقعہ اس حقیقت کی گواہی ہے کہ اسلام نے ہمیشہ سفارتی قاصدین کو امن وتحفظ دیا، اور ان پر حملے کو نہ صرف ظلم بلکہ بین الاقوامی معاہدات کی صریح خلاف ورزی قرار دیا۔ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سفیر کو نہ قتل کیا جائے، نہ اس پر ہاتھ اٹھایا جائے۔ (ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث: 2761) اس پس منظر میں باذ کا عمل انسانی و بین الاقوامی اقدار، مذہبی رواداری، اور فطری اخلاق سب کے خلاف تھا۔

قاصدین کی مظلومیت، صبر واستقامت کی علامت

ان بے گناہ قاصدین کی قربانی صرف جسمانی اذیتوں تک محدود نہ رہی، بلکہ ان کا کردار اسلامی ثبات، ایثار، اور دعوتی جرأت کا اعلیٰ نمونہ بن گیا۔ تاریخ نے ان کے نام تو محفوظ نہ کیے، مگر ان کی مظلومیت اسلامی ضمیر پر ہمیشہ ثبت رہے گی۔

صحابہؓ کی عظمت اور موقف

اس موقع پر صحابۂ کرامؓ، خصوصاً حضرت عبداللہ بن عامرؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کی قیادت وبصیرت نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلامی نظام ظلم کا رد کرتا ہے، مگر عدل، حکمت، اور صبر کی راہ سے۔ یہ واقعہ دراصل صحابہؓ کی عدل پروری، معاہدات کی پاسداری، اور مظلوم کی حمایت کی مثال بن گیا۔ خراسان کا یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ اسلام کی تاریخ صرف فتوحات کی داستان نہیں، بلکہ مظلوموں کے ساتھ کھڑے ہونے

کی جدوجہد بھی ہے۔ اسلامی سفیروں پر ہونے والا ظلم ہماری تاریخ کی ان تلخ حقیقتوں میں سے ہے، جو اگرچہ وقت کے دھندلکوں میں چھپ گئی، مگر حق کے علمبرداروں کی شہادت، صبر، اور عظمت کا نشان بن کر ہمیشہ باقی رہے گی۔

اسلامی سنہ 20 ہجری: فتوحات کی وسعت میں عدل ومظلومیت کا توازن

(اختتامی علمی جائزہ)

تاریخی سیاق وسباق

20 ہجری کا سال اسلامی تاریخ میں عظیم فتوحات، سیاسی نظم ونسق کی مضبوطی، اور عدلِ عمرؓ کے فروغ کا سال تھا۔ اسلامی لشکر مصر، خراسان، طرابلس اور آرمینیا جیسے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکے تھے۔ ان فتوحات کے نتیجے میں جہاں دعوتِ اسلام کو عالمگیر سطح پر وسعت ملی، وہیں بعض خطوں میں مقامی ظلم و جور، نسلی تعصب، اور مذہبی دشمنی کے نتیجے میں کئی اقوام اور افراد مظلوم بن کر تاریخ کے صفحات پر ابھرے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان مظلوم طبقات کے لیے جو عدل، شفقت اور سیاسی حکمت عملی اختیار فرمائی، وہ آج بھی عالمِ اسلام کے لیے مینارۂ نور ہے۔

مظلوم اقوام وطبقات کا اجمالی جائزہ

1-طرابلس اور خراسان کے نومسلم غلام: جب اسلامی لشکر نے شمالی افریقہ اور مشرقی خراسان کے علاقوں میں قدم رکھا تو مقامی ظالم حکمرانوں نے نومسلم غلاموں اور کسانوں کو مرتد قرار دے کر ان پر سنگین مظالم شروع کر دیے۔ انہیں جزیہ دینے سے محروم کیا گیا، اور ان کے گھروں کو جلایا گیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت سوید بن مقرنؓ اور دیگر صحابہ نے ان مظلوموں کی مدد کی، ان کے علاقوں کو آزاد کروایا، اور حضرت عمرؓ نے ان نومسلموں کو بیت المال سے مالی مدد فراہم کرنے کا حکم دیا۔ (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج2، ص379، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

2-قبطی مزدور اور تعمیرِ مسجد نبوی: مصر سے لائے گئے کچھ قبطی مزدور، جنہیں حضرت عمرو بن العاصؓ کے دور میں اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ منورہ بھیجا گیا، مسجد نبوی کی توسیع میں مزدوری پر مامور ہوئے۔ ان میں فروخ الفارسی جیسے نومسلم مزدور شامل تھے جنہیں کچھ مقامی منتظمین کی طرف سے زیادتیوں کا سامنا ہوا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو فوری عدالتی تحقیق کروائی، اور مزدوروں کو اجرت کی بروقت ادائیگی، آرام کی سہولت، اور ظلم کرنے والوں کو سزا دی گئی۔ (المنتظم، ابن جوزی، ج5، ص46، دار صادر، بیروت)

3-آرمینیا کے نووارد مسلمان اور بازنطینی ظلم: رجب تا شعبان 20 ہجری کے دوران آرمینیا میں جب اسلام کا پیغام پہنچا تو کئی قبائل نے اسلام قبول کیا۔ مگر

بازنطینی گورنروں اور مقامی چرچوں نے انہیں مرتد اور غدار قرار دے کر ان پر بدترین مظالم کیے۔ ان کے مکانات نذر آتش کیے گئے، عورتوں کو جبراً عیسائیوں کے گھروں میں غلام بنا کر تقسیم کیا گیا، اور عبادت گاہوں کو تباہ کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر فوری لشکر روانہ کیا، حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت جریر بن عبداللہؓ کے زیر قیادت فوجی مہم چلی، اور فتح کے بعد وہاں قاضی، معلمین، اور بیت المال کی برانچ قائم کی گئی تاکہ نومسلموں کو سہارا ملے۔ (تاریخ طبری، ج3، ص176، دار التراث، قاہرہ، فتوح البلدان، بلاذری، ص301، دار ومکتبۃ الہلال، بیروت)

4-اسلامی سفرا کی توہین: مصر اور شام کے محاذ پر کئی مرتبہ اسلامی وفود اور قاصدین کو دشمن حکومتوں نے نہ صرف مسترد کیا، بلکہ انہیں زنجیروں میں جکڑا، ان کی داڑھیوں کو جلایا گیا، اور قاصدین کو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر شدید رنج کا اظہار فرمایا، اور ان واقعات کو بنیاد بنا کر سفارتی آداب کے تحفظ کو اسلامی ریاستی قانون کا جزو قرار دیا۔ (تاریخ طبری، ج3، ص174)

5-حضرت عمرو بن العاصؓ پر بدظنی اور عدالتی اصول کی عظمت: رمضان 20 ہجری میں چند افراد نے حضرت عمرو بن العاصؓ، جو اُس وقت مصر کے گورنر تھے، پر بیت المال کے مال میں شخصی تصرف کا الزام لگایا۔ حضرت عمرؓ نے نہایت غیر جانبداری سے تحقیق کی، حضرت عمروؓ کو صفائی کا پورا موقع دیا، اور پھر عام مجمع میں اعلان فرمایا: **اَلْمُتَّهَمُ مَظْلُومٌ حَتّٰى يُثْبَتَ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةُ** جس پر الزام ہو، وہ مظلوم ہے جب تک اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو۔ یہ واقعہ نہ صرف حضرت عمروؓ کی مظلومیت کی سند تھا بلکہ

اسلامی عدل کی تاریخ میں ایک سنہری مثال کے طور پر محفوظ ہو گیا۔ (المنتظم، ابن جوزی، ج5، ص48، دار صادر، ابن خلدون، تاریخ، ج2، ص226، دار الفکر، بیروت)

فاروقی عدل کی تابناک جھلک

اسلامی سنہ 20 ہجری کے ان واقعات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی قیادت میں اسلامی ریاست صرف فتوحات کی سلطنت نہ تھی بلکہ: عدل کا قلعہ احتساب کا نظام اور مظلوموں کی پناہ گاہ تھی۔ آپؓ کی شخصیت میں جس طرح ریاستی طاقت اور تقویٰ وخوفِ الٰہی کا امتزاج نظر آتا ہے، وہ عہدِ نبوی کے بعد خالص ترین خلافتی مظہر ہے۔ عدلِ عمرؓ کا یہ پہلو اسلامی مظلوم شخصیات کے پس منظر میں نہایت عظیم سبق دیتا ہے کہ: ریاست کی عظمت فتوحات سے نہیں، بلکہ عدل سے قائم رہتی ہے۔ اس باب میں جن صحابۂ کرامؓ کے واقعات ذکر کیے گئے، وہ سب اہلِ فضل، اربابِ تقویٰ، اور عظیم المرتبت شخصیات تھے۔ ان پر لگائے گئے الزامات دشمنانِ اسلام کے شکوک تھے جنہیں عدلِ فاروقی نے زائل کر دیا۔ ہم ان بزرگوں کی عظمت، عدالت اور مقامِ قرب کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے ذکر کو ادب، توقیر اور محبت کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ **اللھم ارض عن الصحابة اجمعين، وخصّ عمرو بن العاص و عمر بن الخطاب برضوانک العظيم**

☆☆☆

MAKTABA-AL-HABIB

JAMIA ISLAMIA DARUL ULOOM

MUHAZZABPUR P.O.SANJARPUR DISTT. AZAMGARH U.P. INDIA Mobile: 09450546400